وحشت و بربریت کی علامت چنگیز خان، ایک عظیم سپہ سالار اور وحشی حکمران جس کے ذکر کے بغیر انسانی تاریخ اُدھوری ہے

چنگیز خان

مصنف: مقصود شیخ

علم وعرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون042-7352332-7232336

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف (مقصود شیخ) اور پبلشرز (علم وعرفان) محفوظ ہیں۔ ادارہ علم وعرفان نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس کے لئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	چنگیز خان
مصنف	....	مقصود شیخ
ناشر	....	گل فراز احمد علم وعرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور
سرورق	....	فضیل کیانی
کمپوزنگ	....	رفاقت علی
سن اشاعت	....	نومبر 2007ء
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
قیمت	....	-/150 روپے

کتاب ملنے کے پتے:

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز
غزنی سٹریٹ، الحمد مارکیٹ
40 اُردو بازار لاہور

علم وعرفان پبلشرز
34- اُردو بازار لاہور
فون 042-7352332-7232336

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

پیش لفظ

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

چنگیز خان کا شمار انسانی تاریخ کے عظیم فاتحین میں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی فوجوں نے چین سے روس تک مہمات سر کی تھیں لیکن اس کی موت کے 150 سال بعد اس کے جانشینوں کے ہاتھوں اس کی بنائی عظیم سلطنت زوال کا شکار ہوگئی۔

چنگیز خان کی پیدائش اس وقت ہوئی جب اس کے باپ یبزوئکئی نے ایک تاتاری سردار تموجن کو جان سے مار دیا تھا۔ پیدا ہونے والے بچے کو اس تاتاری سردار کے نام پر تموجن نام دیا گیا۔ وہی نام دینے کے پیچھے جو عقیدہ کارفرما تھا۔ وہ یہ تھا کہ دشمن فوج کی بہادری اور شجاعت نومولود میں عود کر آئے گی اور کہنے کو یہ عقیدہ کچھ غلط بھی نہ نکلا۔

تموجن کی ابتدائی کامیابیاں ہم نسل تاتار قبائل کے درمیان قبائلی رقابت اور دشمنی کی بناء پر چلنے والی خاندانی جنگوں کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں۔ کامیابیوں اور ناکامیوں سے بھرپور کشمکش کے عرصہ دس سال نے اس شخصیت پر ''چنگیز خان'' کا خول چڑھا دیا تھا۔ گو اس کا تعلق وحشی قبائل سے تھا لیکن وہ ایک ممتاز درجے کا وحشی تھا۔ وحشی الخصلت ہونے کے باوجود اسے بڑی طاقتوں کی سیاست اور ڈپلومیسی پر کمال کی مہارت حاصل تھی۔ اس کی ہر حکمت عملی ڈپلومیسی سے شروع ہو کر ڈپلومیسی پر ہی ختم ہوتی۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی نہ جانتا تھا بلکہ از روئے ضرورت ٹریک ٹو ڈپلومیسی بھی بروئے کار لاتا۔ اس کی شخصیت کا Pre-emptive factor اسے دوسروں سے ممتاز اور خطرناک بناتا ہے۔

انہی خصوصیات کی بناء پر اسے نفسیاتی جنگ (Pschycological warfare) کا ماہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف اس کی شخصیت کا خاصا نہ تھا بلکہ تحریر شدہ انسانی تاریخ ایسے بہادروں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے بہادری اور جوانمردی سے اپنا نام تاریخ میں سنہری حروف سے کندہ کرایا۔ چنگیزی تاریخ میں تیمور ملک اور سلطان جلال الدین محمد خوارزم شاہ کی بہادری پر چنگیز بھی عش عش کر اٹھا۔ 1219 سے 1225 تک کے درمیانی عرصے میں چنگیز نے ترکستان کے راستے ایران اور افغانستان، دوسری طرف پامیر کی پہاڑی چوٹیوں سے سندھ کے کناروں تک آذربائیجان، کاکس اور جنوبی روس کے علاقے کی مہمات سر کیں۔

چنگیز کی زندگی اور فتوحات تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھے بغیر تاریخ کا سفر مکمل نہیں ہوتا۔

ادارہ کتاب گھر

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

فہرست

-1	منگول کون تھے؟	09
-2	بے خوف تموجن	17
-3	قصہ وانگ خان کے دادا کا	23
-4	تموجن کی جلاوطنی اور بقا کی جدوجہد	26
-5	یموکا کی سازش اور وانگ خان کا خاتمہ	30
-6	منگول برادری اور چنگیز خان کا ظہور	37
-7	تنگٹ کے خلاف مہم	39
-8	چین پر یورش اور ختا کی مہم	43
-9	ہوجاکو	49
-10	خوارزم۔ دنیائے اسلام	66
-11	سقوط سمرقند، بخارا	85
-12	چینگ چن: چنگیز کا من پسند مفکر	116
-13	روسی سرزمین پر پیش قدمی	126
-14	قراقرم	132
-15	یاسا	139
-16	شہزادہ کچلوک کی مہمات	143
-17	مہمات سے واپسی	150
-18	دنیا سے واپسی	152
-19	منگول انتظام سلطنت	158
-20	چنگیز خان ایک طائرانہ نظر	165
-21	منگولوں کی جنگی چالیں اور ہتھیار	171
-22	چنگیزی ورثہ	172
-23	کیا چنگیز آج بھی زندہ ہے؟	178

چنگیز خان کی زندگی کے ماہ وسال

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

تاریخ پیدائش	1167
بقا کی جدوجہد	درمیانی عرصہ
چنگیز خان کا لقب اختیار کرنا	1187
اپنے باپ کے اتحادی تغرل خان کے ساتھ اتحاد	1198
اپنے بچپن کے دوست یموکا کے خلاف فوج کشی	1200-1202
تاتاریوں کو شکست اوران کا بے رحمانہ قتل عام	1202
نائیمز پر فتح	1204
یموکا کی موت کے بعد تمام منگولوں کا حکمران بننا	1206
یاسا کے اخلاقی قوانین کا نفاذ	1206
چین میں بھیڑ کا سال منایا جانا	1210
ٹنگٹ کے خلاف مہم	1210
چن کے خلاف جارحانہ اقدامات	1211
چنگیز بطور سپریم کمانڈر	1211
شمالی چین کی نامکمل فتح اور جن کے ساتھ امن اور دوستی کا معائدہ	1214
بیجنگ کا محاصرہ	1215
منگولیا واپسی	1216
منگولیا سے ارتش دریا کی طرف روانگی (موسم گرما)	1219
اوترار پر چڑھائی (موسم خزاں)	1219
بخارا پر حملہ	فروری 1220
ٹراکسونیا/ترمذ پر منگول قبضہ (خزاں)	1220

افغانستان میں پیش قدمی اور بلخ پر قبضہ	1221
محمد خوارزم شاہ کا انتقال	جنوری 1221
یورپ سے پنجہ آزمائی	فروری 1221
منگول ایمپائر کا مرکزی ایشیا کے اندر تک پھیل جانا۔ آج کے ایران، افغانستان اور جنوبی روس کے علاقے زیرِ نگیں آ گئے۔	1216-1221
منگول کالکا پر چڑھ دوڑے	مئی 1223
جلال الدین خوارزم شاہ سے مقابلہ (موسم خزاں)	1221
چینی ٹنگٹ قبائل کی فیڈریشن کے خلاف جنگ اور زرد دریا پر واپسی کے سفر میں چینی جن کو شکست	1226
چنگیز کی موت	1227

کیا آپ جانتے ہیں؟

1- روایت کے مطابق جب چنگیز خان پیدا ہوا تو اس کے ہاتھ میں خون کا ایک لوتھڑا تھا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ مستقبل کا بڑا اور خونخوار فاتح ہوگا۔

2- تغرل کے ساتھ اتحاد کرنے کے لیے چنگیز خان نے اسے چیتے کی کھال کا بنا وہ فرکوٹ تحفے میں دیا جو اسے اس کی پہلی بیوی بوروتی کے باپ نے اس کی شادی کے موقع پر تحفے میں دیا تھا۔

3- منگول فوجوں کی تعداد جلد ہی پھیل گئی کیونکہ شکست خوردہ اقوام کے سامنے مسئلے کے دو حل رکھے جاتے تھے کہ وہ موت اور منگول خان سے وفاداری کے درمیان انتخاب کر لیں۔

4- تاتاریوں کو شکست دینے کے بعد چنگیز خان نے ایسے تمام لوگوں کے قتل کا حکم دیا جن کا قد ان کے چھکڑے کے ہینڈل سے زیادہ ہو۔ اس حکم کی زد میں آبادی کی کثیر تعداد آ کر زندگی کی بازی ہار گئی۔ ایسے حکم کا مقصد یہ تھا کہ بچ جانے والوں میں سے ایک وفادار نسل جنم لے۔

5- چنگیز کبلائی خان کا دادا تھا۔ یہ وہی کبلائی خان تھا جس نے چین میں یوآن سلطنت کی بنیاد رکھی۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

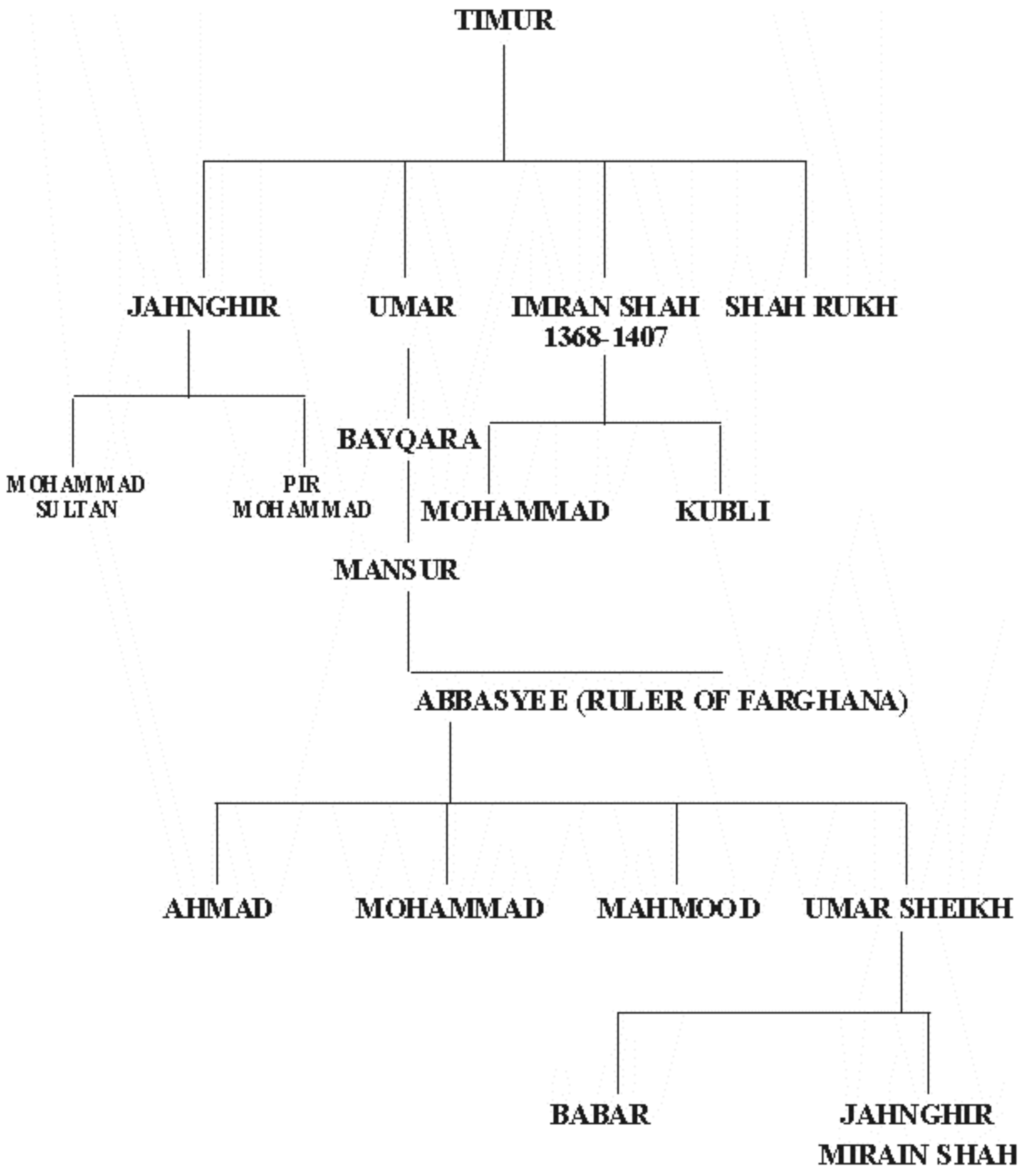
TIMUR
JAHNGHIR
UMAR
IMRAN SHAH
1368-1407
SHAH RUKH
MOHAMMAD SULTAN
PIR MOHAMMAD
BAYQARA
MOHAMMAD
KUBLI
MANSUR
ABBASYEE (RULER OF FARGHANA)
AHMAD
MOHAMMAD
MAHMOOD
UMAR SHEIKH
BABAR
JAHNGHIR MIRAIN SHAH

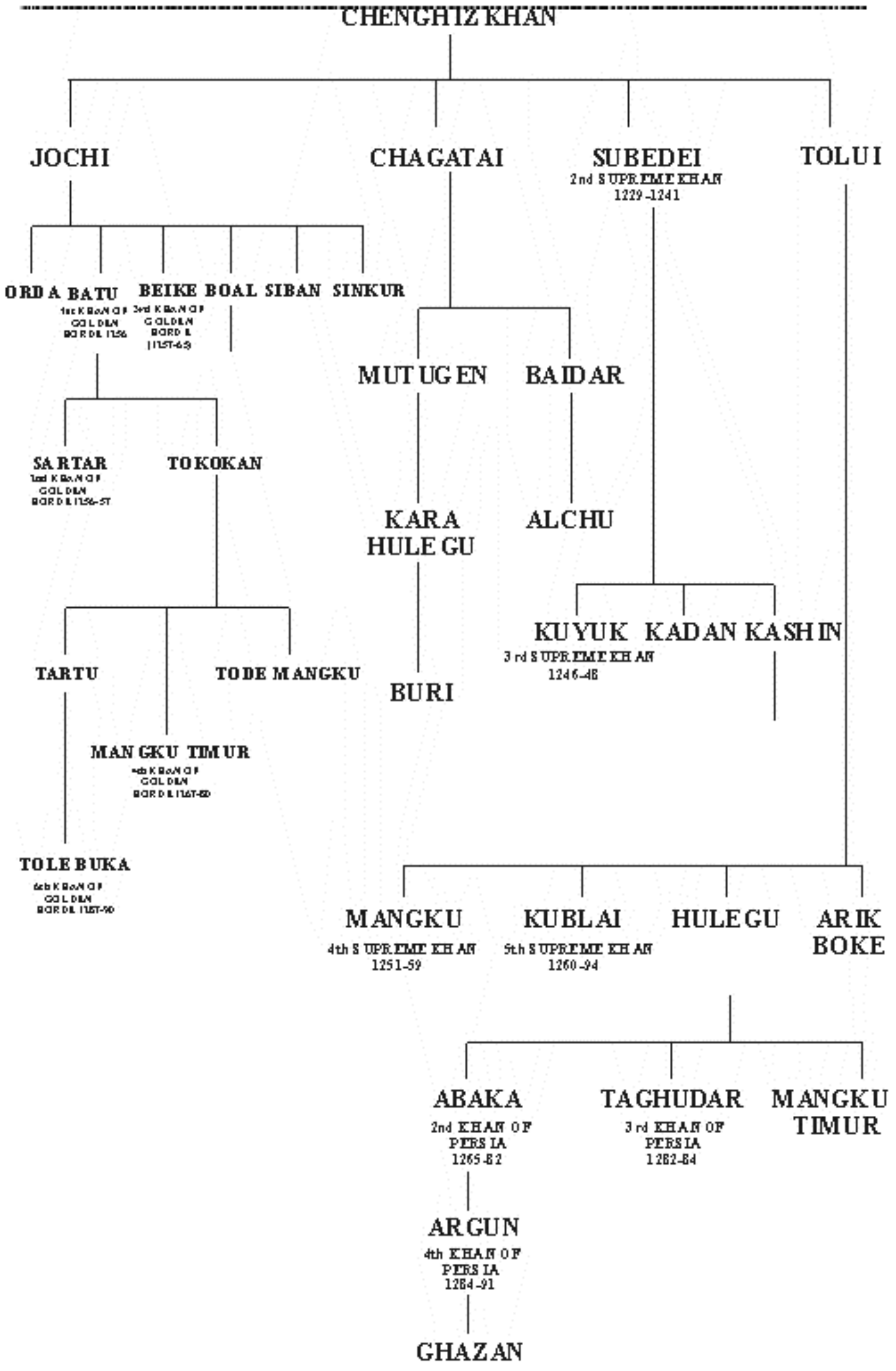
CHENGHIZ KHAN
JOCHI
CHAGATAI
SUBEDEI
2nd SUPREME KHAN
1229-1241
TOLUI
ORDA
BATU
BEIKE
BOAL
SIBAN
SINKUR
MUTUGEN
BAIDAR
SARTAR
TOKOKAN
KARA HULEGU
ALCHU
KUYUK
3rd SUPREME KHAN
1246-48
KADAN
KASHIN
TARTU
TODE MANGKU
BURI
MANGKU TIMUR
TOLE BUKA
MANGKU
4th SUPREME KHAN
1251-59
KUBLAI
5th SUPREME KHAN
1260-94
HULEGU
ARIK BOKE
ABAKA
2nd KHAN OF PERSIA
1265-82
TAGHUDAR
3rd KHAN OF PERSIA
1282-84
MANGKU TIMUR
ARGUN
4th KHAN OF PERSIA
1284-91
GHAZAN

کتاب گھر کی پیشکش

منگول کون تھے اور کہاں سے ابھرے

http://kitaabghar.com

سنٹرل ایشیا کے منگول خانہ بدوش کس مذہب کے پیروکار تھے؟ ان کا ضابطہ اخلاق کیا تھا؟ آخر یہ منگول تھے کون جنھوں نے مغربی یورپ اور اسلامی دنیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ کیا یہ تاتار تھے جیسا کہ غلطی سے انھیں یورپ میں تاتار کہا گیا۔ آج بھی کوئی اگر ریل گاڑی میں سوار ہو کر ماسکو سے ہو کر جھیل بھیکال (Lake Baikal) پہنچے تو ٹھیک ایک روز کی مسافت کے بعد راستے میں پڑنے والا دریائے اونون (Onon) عبور کر کے منگولیا جا پہنچتا ہے۔

لین پول (Lane poole) کی تحقیق کے مطابق، منگول باقی قبیلوں کی طرح کا ایک قبیلہ تھا لیکن وہ ان قبیلوں میں اپنی منفرد عزت ضرور رکھتا تھا۔ ان آبادیوں کے جنوب میں صحرائے گوبی تھا جہاں دیگر قبائل سارا سال پانی اور اپنے جانوروں کے لیے چارہ تلاش کرنے میں سرگرداں رہتے تھے۔ ان کی تمام عمر شکار کرتے گزر جاتی تھی۔ جانوروں کی نسل کشی ان کا پیشہ تھا۔ انہی جانوروں سے وہ گوشت دودھ، اون اور چمڑا حاصل کرتے تھے۔ گھوڑیوں کے دودھ سے وہ ایک مخصوص شراب تیار کرتے تھے جسے خمیر کہتے تھے۔ ان کا گزر بسر جانوروں کی کھالوں کے لین دین پر ہوتا تھا۔ ان قبائل کا لین دین ترکوں اور ہمسایہ طاقت چین سے تھا۔ قبائل بیرونی حملوں اور ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لیے چین کو خراج یا ٹیکس ادا کرتے تھے۔

اس دور افتادہ علاقے کے بارے میں معلومات تیرھویں صدی میں دستیاب ہوئیں جب دو یورپین انگریزوں فریز جان اور فریر ولیم نے علاقے میں پہنچ کر باقی دنیا کو ان قبائل کے بارے میں معلومات فراہم کیں اس کے علاوہ مارکو پولو کے سفر نے دنیا کو منگول اور چین کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ آج بھی وہ منگولیا میں ویسے ہی رہ رہے ہیں جیسے صدیوں پہلے رہا کرتے تھے۔

منگولوں کا رہن سہن

منگول لکڑی کے فریم کے اوپر بنائے جانے والے گول سے خیموں میں رہتے تھے۔ انھیں Yurts یورٹ کہا جاتا تھا۔ اس کی چھت پر تیل سے بھیگا ہوا نمدا ہوتا تھا جس پر سفید چونا پھیر دیا جاتا یہ ڈھانچہ برف یا بارش کے پانی اور تند، تیز ہواؤں سے خیمے کو محفوظ رکھتا تھا۔ خیموں کا دروازہ شمال کی جانب رکھا جاتا تھا، دور سے یہ خیمے مشروم کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ ان خیموں کو چھکڑوں کے اوپر بھی نصب کیا جاتا تھا۔ ہجرت کرتے وقت یہ خانہ بدوش اپنے خیمے یا تمبو اٹھا کر ساتھ لے جاتے تھے۔ کیمپوں کی جگہ کا انتخاب کرتے وقت وہ گرمی اور سردی کے موسموں کو مدنظر رکھتے تھے۔ چھوٹے خیموں کے ساتھ بڑے خیمے بھی ہوتے تھے۔ جن کا طول و عرض 30 فٹ تک ہوتا تھا۔ ایسے خیموں کی تعمیر کے لیے ضروری عمارتی سامان بیل گاڑیوں کے ذریعے لایا جاتا تھا۔ خیموں کے دروازے رنگ دار ہوتے تھے، ان دروازوں پر خوبصورتی کے لیے پودے، بیلیں اور درخت

بھی لگائے جاتے تھے۔ منگول جنگلی جانور اور پرندے بھی پالنے کے شوقین تھے۔ خیموں کے اندر فرش پر سوکھی گھاس ڈالی جاتی تھی جس کو جانوروں کی کھالوں اور ہاتھ سے بنی دریوں سے ڈھانپا جاتا تھا۔ خیموں کے اندر عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ مردوں سے ہٹ کر بنائی جاتی تھی۔ خیموں کے اندر موجود آتش دانوں سے ذرا ہٹ کر گھر کا مالک کاوچ پر بیٹھتا تھا۔ خیمے کے وسط میں دھوئیں کے اخراج کے لیے ایک سوراخ رکھا جاتا تھا۔ خیموں کے اندر بیٹھنے کا ایک مخصوص انتظام (Sitting Arrangement) ہوتا تھا۔ گھر کے مالک کی کاوچ سے آگے اس کا بھائی، پھر اس کے آگے اس کی بیوی کا بھائی اور اسی طرح بلحاظ رتبہ نشستیں لگائی جاتی تھیں۔

منگولوں کا شمان تب تنگری

منگولوں کا مذہب

جہاں تک منگولوں کے مذہب کا تعلق تھا وہ شمانی نظریے (Shamanism) کی ایک قسم تھی۔ جس میں پروہت یا مولوی کا کردار شمان ادا کرتا، وہ دنیا میں رائج مختلف فلسفوں کے بارے میں درس دیتا۔ وہ بیماروں کے لیے علاج تجویز کرنے والا، روحوں کو کنٹرول کرنے والا اور چوکیدار کا کردار ادا کرنے والا ہوتا تھا۔

خیمے کے اندر بت دروازے کے دونوں اطراف لٹکائے گئے ہوتے تھے ان بتوں سے ان خانہ بدوشوں کے ذہن میں موجود انسانی تصور کا پتہ چلتا ہے۔ ان بتوں کے ساتھ ساتھ پستان کی شکل کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اس مقصد کے لیے رکھی گئی ہوتی تھیں کہ وہ ان کے جان و مال اور جانوروں کی حفاظت کریں گی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان اشیاء کی موجودگی سے ان کے جانوروں کا دودھ بڑھتا تھا اور ان کے بچے صحت مند پیدا ہوتے تھے۔

منگولوں کے خیموں میں ریشم کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، وہ لباس کے علاوہ خیموں کو بھی سلک سے سجاتے تھے۔ ریشم ان کے ہاں ایک قیمتی چیز تصور کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ان میں کچھ چوری کرنے کی کوشش کرتا، اسے ایک ناقابل تلافی جرم تصور کیا جاتا تھا اور اس جرم کی سزا موت ہوتی تھی۔ ان مقدس بتوں کو سوئی دھاگے سے سی کر تیار کیا جاتا تھا۔ خانہ بدوش یہ کام بڑی خوشی، عزت اور فخر سے کرتے تھے۔

ان کا کھانا کسی ذائقہ یا لذت کے بغیر ہوتا تھا۔ ہر وہ چیز جو کھائی جا سکے وہ کھا لیتے تھے۔ حرام، حلال کی ان کے ہاں کوئی تمیز نہ تھی۔ کتے کو بڑی رغبت سے کھاتے تھے، بھیڑیے کو کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ لومڑیاں اور گھوڑے ان کے دسترخوان کی زینت تھے۔ جب کبھی کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا تو انسانی گوشت بھی کھانے سے نہیں چوکتے تھے۔ انھیں جوئیں بھی کھاتے دیکھا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا ہم ان کو اس لیے کھاتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹوں کا خون چوستی اور گوشت کھاتی ہیں۔ انھیں چوہے بھی کھاتے دیکھا گیا۔ کھانے کی جگہ کو وہ نہ کسی کپڑے سے ڈھانپتے نہ کھانے کے بعد ہاتھ صاف کرتے بلکہ اپنے کپڑوں ہی سے ہاتھ صاف کر لیتے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے پاس نہ گندم، نہ روٹی، نہ سبزی اور نہ کھانا پکانے کا تیل تھا، تھا تو صرف گوشت ہی گوشت تھا۔ گوشت بھی وہ مقدار میں اتنا کم کھاتے تھے کہ یہ مقدار ان کی پُرمشقت زندگی سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ کھاتے وقت ان کے ہاتھ گوشت سے جڑی چربی سے بھر جاتے تھے جنھیں وہ چمڑے کے اپنے بوٹوں سے یا گھاس سے یا جو چیز سامنے آتی اس سے صاف کر لیتے۔

منگولوں کی عادات، اطوار اور ان کی خوراک پر بات کرتے ہوئے اگر ان کی کشید کردہ شراب کا ذکر نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ منگول گھوڑیوں کے دودھ کو خمید کر کے شراب بناتے تھے۔ پہلے گھونٹ پر وہ زبان پر چبھتی تھی جب گلے سے نیچے اترتی تو منہ میں باداموں کے دودھ کا سا ذائقہ محسوس ہو جاتا۔ ان کی بنائی یہ شراب نشہ آور اور پیشاب آور تھی۔ منگولوں کے ہاں ایک دوسری قسم کی شراب بھی تیار کی جاتی تھی اس کا نام کوس موس (Cosmos) تھا اور یہ قبیلے کے اعلیٰ طبقے کے لیے تیار کی جاتی تھی اور انہی کے لیے مخصوص تھی۔ پی کر

بہک جانا، بہک کر گل غپاڑہ مچانا اور دیسی گٹار کی آواز پر ڈانس کرنا، شور مچانا اور قہقہے لگانا ان کا معمول تھا۔ نشے میں وہ مزید پیتے اور دوسروں کو مقابلے میں پینے کے لیے چیلنج کرتے۔ جس شخص کو چیلنج دیا جاتا، اس کے کان زور زور سے کھینچے جاتے ایسا لگتا جیسے کانوں کے ساتھ ساتھ اس کا گلا بھی کھنچ جائے گا۔ منگول اس شخص کے سامنے سے تالیاں بجاتے، ڈانس کرتے اور شور کرتے گزرتے بالکل ایسے جیسے وہ کسی کو بڑی دعوت کے لیے مدعو کریں یا اس کا مذاق اڑائیں۔ ایک شخص بھرے پیالے کو اٹھاتا، دوسرے لوگ دائیں بائیں سے اس پیالے کو تھام کر ناچتے گاتے کسی مہمان کی طرف بڑھتے لیکن جب مہمان پینے کے لیے ہاتھ پیالے کی طرف بڑھاتا تو وہ اسے پیچھے کھینچ لیتے۔ یہ عمل اسی طرح ہوتا جیسے کسی بچے کو چھیڑا جا رہا ہو۔ جب مہمان کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگتا وہ شراب کا پیالہ اس کو دے دیتے، جوں جوں وہ یہ پیتا جاتا سب میزبان تالیاں پیٹتے جاتے۔ یہی عمل آج کی مغربی دنیا میں چند تبدیلیوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

منگول عورتوں کی جسامت موٹی ہوتی تھی۔ جس عورت کی ناک موٹی ہوتی وہ خوبصورت تصور کی جاتی تھی۔ منگول عورتیں چہرے پر عجیب قسم کے رنگ پھیر لیتی تھیں بعض اوقات اس کاریگری میں اپنا چہرہ ہی بگاڑ لیتیں۔ منگول مرد گھوڑوں کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے، وہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ کر لطف اندوز ہوتے تھے لیکن اس شوق پر انھیں موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاتا تھا کیونکہ وہ عورتوں کے ساتھ بستر میں جانے کی بجائے گھوڑے کی پیٹھ پر سواری کرنا پسند کرتے تھے۔ منگول عورت صرف امورِ خانہ داری تک محدود نہ تھی بلکہ دودھ دوہنا اور بھاری کام کرنا جیسے گھوڑا گاڑی چلانا وغیرہ بھی کرتی تھی۔ وہ مردوں کے ساتھ لڑائی میں بھرپور حصہ لیتی اور خیمے بھی گاڑتی تھیں۔ منگول عورت کا لباس کچھ یوں تھا کہ اس کا اوپری حصہ وہ کپڑے سے کس کر باندھتی تھی کیونکہ اس وقت تک عورتوں کے زیر جامہ لباس کا تصور ابھی سامنے نہیں آیا تھا۔ پاؤں میں چمڑے یا نمدے کا جوتا پہننا مقبول تھا۔ شدید سردی اور برفباری میں منگول عورت کا لباس جانور کی کھال اور فر ہوتا تھا۔ مرد بھی سارا سال اس لباس میں نظر آتے تھے۔ موسم گرما میں امیر منگول عورت ریشم، کاٹن اور سلک کا لباس استعمال کرتی تھی، کاٹن ملک چین سے آتی تھی جسے وہ سر کے اوپر سجاوٹ کے لیے استعمال کرتی تھی۔ عہد حاضر کی طرح اہل چین قدیم زمانوں سے تجارت کے شعبے میں فعال نظر آتے ہیں۔

شادی بیاہ کے موقع پر بیویاں خریدی جاتی تھیں۔ جن لڑکیوں کے دام زیادہ بڑھائے جاتے وہ بن بیاہے بیٹھی رہتیں تاوقتیکہ سمجھوتہ نہ ہو جائے۔ باپ کے مرنے پر اس کا بیٹا باپ کی بیویوں پر اپنا حق سمجھتا اور ان تمام کو اپنی بیوی بنالیتا صرف اس کی سگی ماں اس سلوک سے مستثنٰی تھی۔ منگول عورت مزاجاً اکھڑ مزاج اور منہ پھٹ ہوتی تھی۔ ایک انگریز Rubruck کا کہنا ہے کہ عورتیں بچہ جنتے وقت گھوڑی بن کر جنتی تھیں۔

یہ وہ ماحول اور زمانہ تھا جس میں منگولیا کے چیف چنگیز خان نے آنکھ کھولی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ایک ایک ماہ گھوڑے کی پیٹھ سے اترتے نہیں تھے اور کھانا پینا اس کے اوپر ہی پسند کرتے تھے۔ گھڑ دوڑ، ایک دوسرے سے الجھ پڑنا اور ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے پر چڑھ دوڑنا ان کا معمول تھا۔ مغلوب قبیلے کو لوٹ مار کا سامنا کرنا پڑتا، ان کی عورتیں اٹھالی جاتیں اور آپس میں بانٹ لی جاتیں یعنی مردوں کی غلطیوں اور کمزوریوں کی سزا قدیم دور سے عورتوں ہی کو بھگتنا پڑتی ہے۔ آج کے اس جدید دور میں بھی قبائلی جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے جب صلح کی کوششیں کی جاتی ہیں تو کمزور کو طاقتور سے اپنی جان خلاصی کروانے کے بدلے میں اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو مخالفوں کو پیش کرنا پڑتا ہے چاہے وہ ان سے باقاعدہ شادی رچائیں یا

ویسے ہی باندی بنا کر رکھیں۔ یہ قبیح رسم آج بھی سندھ اور بلوچستان میں جاری و ساری ہے۔ منگول قبیلوں کی باہمی ناچاقی کی بدولت وہ بیرونی حملہ آوروں کے لیے تر انوالہ بنے ہوئے تھے اور کسی مرکزی رہنما کی عدم موجودگی میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہ کر کمزور ہو چکے تھے۔ منگولوں کی زندگی کٹھن وحشیانہ اور انسانی اخلاق سے عاری تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول ہی (Survival of the fittest) ان کا ضابطہ اخلاق تھا۔ ان کی سوچ کا محور ان کا دشمن ہوتا تھا جو انسان چاہے منگول ہو یا غیر منگول اگر ایک دشمن کی حیثیت سے ان کے دماغ میں گھس جاتا تو وہ تب تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک ان کا نام و نشان نہ مٹا دیتے۔ اس مخصوص ذہنیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ہم کبھی بھی اپنے کسی نومولود بچے کا نام ہٹلر یا شیوا جی نہیں رکھیں گے لیکن منگولوں کے ہاں ایک عجیب طریقہ رائج تھا کہ وہ اپنے دشمن کے نام پر اپنے بچے کا نام رکھ دیتے تھے۔ جیسے تموجن کے باپ یسوگئی نے اپنے بچے کا نام اپنے اس بہادر دشمن کے نام پر رکھا جسے اس نے انہی دنوں میں مغلوب کیا تھا۔

تموجن صرف نو برس کا تھا جب اس کا باپ چل بسا۔ بعض مورخین کے مطابق اس وقت تموجن کی عمر 13 برس تھی۔ کہا جاتا تھا کہ یسوگئی کو زہر دیا گیا تھا۔ باپ کی اولاد میں سے بڑا ہونے کے سبب تموجن کو باپ کی مسند پر بٹھایا گیا۔ اس مسند پر جو ہر لحاظ سے کانٹوں کی ایک سیج تھی، تیرہ برس کے ایک بچے کا سردار بن کر بیٹھنا اس زمانے کے قبائلی اور نیم وحشی ماحول میں نہایت کٹھن اور جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس امر سے اس بات کا اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں کہ تموجن کو ابتدا سے ہی کن نامساعد حالات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اگلے سبق میں اس کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ جب اس بچے کو قیدی بنا لینا کسی طور مشکل نہ تھا، اس بچے نے خود کو جنگجو کے طور پر منوانے کے لیے جرأت اور ہمت کا مظاہرہ تو ضرور کیا ہوگا۔ جب مر جانا اور مار دینا روزمرہ کا معمول تھا اس عمر کے بچے کا زندہ بچ جانا یقیناً ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ ثابت قدمی اور جوانمردی جیسی خصوصیات اس کی غیر معمولی شخصیت کے دو واضح پہلو کے طور پر نظر آتی ہیں۔

جسمانی طور پر وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کے شانے ہموار اور جلد گندمی مائل تھی۔ آنکھوں کے خاندانی بھورے پن کے سبب وہ ''بھوری آنکھوں والے مغل'' کہلاتے تھے۔ طبعاً وہ کم گو تھا لیکن جب بات کرنے کے لیے لب ہلاتا تو دوسرا کوئی لب نہ تھرکتا۔

چھوٹی عمر میں وہ گھڑ سواری کا خوف دور کر چکا تھا اور گلے کی رکھوالی جیسے فرائض ادا کر کے گھڑ سواری کے گُر سیکھ چکا تھا۔ لیکن منگول دستور کے مطابق ابھی تک اس کا شمار بچوں میں کیا جاتا تھا۔ لیکن ایک جھڑپ کے نتیجے میں اس کے ہاتھوں اس کے سوتیلے بھائی کے قتل نے اسے جنگجوؤں کی فہرست میں شامل کر دیا۔ اب اسے مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے اور آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھنے کی اجازت تھی۔ اس سے قبل وہ بچوں کے ساتھ لڑ جھگڑ کر کھانے پر مجبور تھا، منگولوں کا قول تھا کہ جو لڑے جھگڑے گا نہیں وہ چراہ گاہ کیسے حاصل کر سکتا ہے جو لڑے اور خون بہائے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔

جوان تموجن اس مشکل صورت حال میں رہنمائی کے لیے اپنی ماں پر زیادہ تر انحصار کرتا تھا۔ ذاتی طور پر وہ اعلیٰ پائے کا بہادر اور جوش و خروش سے بھرپور تھا۔ یہ دو خوبیاں قیادت کے لیے ویسے ہی ضروری تھیں جیسے جسم کے لیے روح لیکن ان دو خوبیوں کی زیادہ تر ضرورت اس زمانے کے اعتبار سے میدانِ جنگ میں تھی، زمانہ امن میں ان خوبیوں کے علاوہ اور بھی خوبیوں کی ضرورت تھی جن میں تجربہ سرفہرست تھا۔ اس تناظر میں

تموجن تمام تر منصوبہ بندی اپنی ماں پر چھوڑ تا تھا۔ جبکہ وہ صرف اپنے گھوڑوں، اپنے اسلحے اور جنگی ساز وسامان اور زور بازو پر توجہ مرکوز رکھتا تھا تا کہ وقت آنے پر وہ دشمن کے درمیان بہادری کے جوہر دکھا سکے۔ اس کی ماں فوج کے سرکردہ افسروں اور ریاستی مشیر جو اس کے گرد تھے اور جن پر اس کا خاوند یا یسوگئی اپنی زندگی میں مشوروں کے لیے تکیہ کرتا تھا، کے ساتھ مل کر منصوبہ سازی کرتی تھی۔ اس طرح تموجن کی پشت پر تجربہ کاروں کا ایک تھنک ٹینک تھا۔ انھوں نے تمام قبائل کے سرداران کی طرف پیغام بھیجے کہ وہ تموجن کے لیے دوستانہ خیالات کو جگہ دیں اور ان جگہوں کا انتخاب کریں جہاں بوقت ضرورت دستوں کو جمع کیا جا سکے۔

دوسری طرف تموجن کے ذہن میں ایک ممکنہ جنگ کا نقشہ اُبھر رہا تھا۔ وہ سوتے جاگتے گھوڑے پر سوار اپنی تیر کمان سے دائیں بائیں اوپر نیچے نشانے لیتا نظر آتا تھا۔ اس کی طرف سے طاقت کا یہ مظاہرہ ایک بیکار شو نہ تھا بلکہ اس کے لشکریوں اور حمائتیوں کے خون کو گرمانے کا ایک انداز تھا تا کہ وہ اس کی قیادت کی گرمی کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہیں۔ توانائی اور طاقت کا منگولوں اور ہمسایہ تاتاریوں کی مقامی زبان میں، بہت سے قبائل کا ایک سردار کے ماتحت مجتمع ہونا "اوردا" کہلاتا تھا اسی لفظ سے انگریزی الفاظ کی ڈکشنری سے اردو ابھرا۔

یہ وہی اوردا تھا جس پر یازونکئی کی بلاشرکت غیرے حکومت تھی اور اس کی سرداری اس کی موت کے بعد اس کے نابالغ لیکن جری بیٹے کو منتقل ہوگئی تھی۔ اوردا بہت سے علیحدہ علیحدہ قبیلوں پر مشتمل تھا جس میں ہر ایک کا اپنا ایک سردار تھا۔ یہ تمام سردار یازونکئی کی قیادت پر راضی تھے۔ وہ قیادت کا اہل تھا اور تمام سرداران کو اپنے دشمنوں کے خلاف اس کی قیادت اور سیادت کی اہلیت کا یقین تھا لیکن جب اس کا انتقال ہوا اور وہ اپنے پیچھے تیرہ برس کا ایک ناتجربہ کار نوجوان چھوڑ گیا تو کچھ سرداران کو اس لڑکے کی قیادت کی اہلیت پر شک تھا چنانچہ وہ بغاوت پر مائل ہوگئے۔

باغی سرداروں میں سے دو خاص طور پر یہ تصور کرتے تھے کہ قیادت پر ان کا حق ہے اور وہ خان کے اس مرتبے کے لیے ایک نوآموز لڑکے کی نسبت زیادہ موزوں ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کر لیا اور دوسرے قبائل کو بھی آمادہ کرنے کی سعی کی کہ وہ ان کے ساتھ دیں تا کہ وہ تیرہ برس کے اس ناتجربہ کار تموجن سے ان کی گلو خلاصی کرا سکیں۔ ان کی زیر کمان تیس ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر جرار تھا۔ باغیوں کے ان دو سرکردہ رہنماؤں کے نام تے چوٹ اور چاموکا تھے۔

اس واقعے کو تاریخ کے دوسرے زاویے سے دیکھیں تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ تموجن کے اہل قبیلہ اور اتحادی قبائل یازونکئی کی آنکھیں بند ہوتے ہی کیوں دل ہار بیٹھے اس کی وجہ ان کی اپنی قیمتی جانیں اور چراہ گاہیں تھیں۔ اس سے قبل وہ یازونکئی کی ہیبت تلے محفوظ تھے۔ وہ انسانوں کی ایک ایسی بستی تھی جہاں قانون جنگل کا چلتا تھا۔ لیکن انھیں شک تھا کہ یازونکئی کے بعد اس کی بیوی ان کی قطعی طور پر حفاظت نہ کر سکے گی چنانچہ تموجن جب باپ کو زہر دیے جانے کی اطلاع پا کر پہنچا تو تمام لوگ اپنا بوریا بستر باندھ کر روانہ ہونے کو تھے۔ تموجن کے کانوں نے سنا اس کی ماں دہائی دے رہی تھی واپس چلو واپس چلو، یازونکئی کا بڑا بیٹا تموجن بڑا دلاور ہے، آ رہا ہے اور تمہاری مکمل حفاظت کرے گا جیسے یازونکئی کرتا تھا۔ لوگوں کا جواب تھا کہ یازونکئی کے دیدہ اور نادیدہ دشمنوں کی طاقت اس تیرہ سالہ لڑکے سے بہت زیادہ ہے، وہ ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ہماری عورتیں اور مال مویشی ہانک کر لے جائیں گے اور بات کچھ ایسی غلط بھی نہ تھی کیونکہ خانہ بدوشی کے اس ماحول میں وہ ایک کشتی پر سوار تھے جس کا اب

ملاح کوئی نہ تھا۔ یازونکئی کا زیر تصرف علاقہ سبزے کے لحاظ سے بہترین تھا، دوندیوں کا پانی اسے سیراب کرتا تھا، چارہ وافر تھا اور پینے کے پانی کی قلت نہ تھی، یہ سب خوبیاں اس دور کے لحاظ سے ایسی تھیں جن کی حفاظت کیلئے جنگجوؤں کی تلواروں کی ضرورت تھی۔ بہرحال یازونکئی کی بیوی اولون کے شور شرابے کے باوجود لوگوں کی ایک اکثریت انھیں چھوڑ کر چلی گئی اور جو لوگ پیچھے رہ گئے وہ تعداد میں قلیل اور جنگجوئی کے اعتبار سے کسی خاص درجے پر فائز نہ تھے۔ جب تموجن نے اپنے قبیلے کا پھریرا اپنے ہاتھ میں لیا تو مستقبل سوائے غیر یقینیت (Uncertainty) کے سوا کچھ نہ تھا۔

ایک اکثریت جو مغلوں کو چھوڑ کر گئی تھی ان میں کئی بڑے نام تھے جن کے ساتھ سینکڑوں افراد کی تلواریں تھیں۔ اگر یہاں پر یازونکئی کے ایک بڑے دشمن ترگا تائی کا ذکر نہ کیا گیا تو واقعات کا تسلسل ایک ٹوٹی زنجیر کی مانند ہوگا۔

تائی جوت قوم کا یہ سردار ترگا تائی اپنی قوم کے لیے بہت کچھ کرنے کا متلاشی تھا تا کہ وہ اسے محکوم قوموں سے نکال کر حاکم قوموں میں شامل کر سکے وہ مغلوں کے ازلی دشمن تھے لیکن یازونکئی کی تلوار کی کاٹ کے سامنے اس قبیلے کی مجال نہ تھی کہ صحرائے گوبی کے اس پار بری نیت سے دیکھ بھی سکے۔ جب یازونکئی کے مرنے کی خبران تک پہنچی تو تائی سردار خوشی سے دیوارنہ ہوگیا، اس نے سمجھ لیا کہ جس موقع کا وہ برسوں سے انتظار کر رہا تھا وہ گھڑی آن پہنچی ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور انھیں یہ خوشخبری دی لوگوں نے دریافت کیا کہ اب کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے؟ تائی سردار کا جواب تھا کہ میں تم لوگوں کو ایسی وادی میں نہ لے چلوں جہاں کا موسم خوش گوار، پانی اور گوشت وافر ہے۔ جہاں بھوری اور ترچھی آنکھوں والی عورتیں ان کی راہ تک رہی ہیں۔ یہ سننا تھا کہ جوت قوم کے وحشی دیوانہ وار کھڑے ہوگئے اور بولے آگے بڑھو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ جنگ کیا تھی لوٹ مار کا بہانہ تھا۔ اس جنگ کے لیے لوٹ مار ہی طرہ امتیاز (Motivation Factor) تھی۔ اشارے کی دیر تھی یہ وحشی لوگ ٹولیوں کی شکل میں شور، غوغا کرتے شمالی گوبی کی طرف بھاگ پڑے اور دن رات منزلوں پر منزلیں مارتے مغلوں کی سرزمین پر جا دھمکے۔ مغل خیموں میں ہو کا عالم تھا مزید یہ کہ حملہ بے خبری میں کیا گیا تھا۔ وحشی تائی جوت قوم کے لوگ ہر مغل خیمے میں گھس گئے اور قتل وغارت اور لوٹ مار شروع کر دی۔ خود ترگا تائی اس خیمے کی طرف بڑھا جس پر مغل پھریرا پھر پھرا رہا تھا، جس کا مطلب تھا کہ یہ سردار کا خیمہ ہے۔ ترگا تائی کو اس دن صرف تموجن زندہ یا مردہ چاہیے تھا کیونکہ اگر ایک مرتبہ یہ کانٹا نکل جاتا تو پھر سب کچھ ترگا کا تھا اور پھر ترگا کے ہاتھ روکنے والا کوئی نہ ہوتا۔ جب ترگا نے تموجن کے خیمے پر ہلہ بولا تو اس کی ڈھال بننے والا کوئی نہ تھا ما سوائے تموجن کے سوتیلے بھائی قسار کے، تموجن نے عافیت اسی میں جانی کہ جان بچائے قسار نے گھس بیٹھیوں پر اندھا دھند تیروں کی بارش کر دی جنھوں نے مخالفین کی پیش قدمی کو روکا۔ اس ہنگامے کا فائدہ اٹھا کر تموجن بچ نکلا اور گھوڑی سرپٹ بھگا تا چلا گیا بعد میں قسار بھی اس کے پیچھے آ گیا۔ دشمن بھی ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ تموجن کو قابو کرنے کا اس سے بہتر موقع نہ اس سے قبل ملا تھا اور نہ آئندہ مل سکے گا چنانچہ وہ کوئی غلطی کرنے پر تیار نہ تھے۔ تموجن کا تعاقب اس نہج پر کیا گیا کہ کب تک اس کی گھوڑی اس کا ساتھ دے گی آخر کہیں تو تھک کر گرے گی۔ ادھر تموجن اور اس کے بھائی کی کوشش یہ تھی کہ کھلے میدان سے جلد از جلد نکل کر پہاڑیوں کی اوٹ یا درختوں کی آڑ مل جائے تو پھر ان کے بچ نکلنے کے امکان ہیں۔ تعاقب مسلسل جاری تھا۔ روشنی غائب ہو رہی تھی اور شام کے مہیب سائے پھیلتے چلے جا رہے تھے، ان سایوں میں کوئی جان بچانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ تموجن کو احساس تھا کہ ان کے گھوڑوں کی سکت کم ہو رہی ہے اور اگر جلد ہی انھیں آرام اور خوراک نہ ملی تو وہ

مزید نہ چل پائیں گے۔لیکن تعاقب کرنے والے انھیں آرام کی مہلت دینے پر کسی طور تیار نہ تھے۔آخر خطرہ سر پر آن پہنچا اسی افراتفری میں وہ اور قسار بچھڑ گئے۔ہوا یوں کہ جب تعاقب کرنے والے دشمن سر پر پہنچ گئے تو قسار دائیں طرف نکل گیا اور جانے سے قبل تموجن کو مڑنے کا کوئی اشارہ نہ دے سکا جس کی وجہ سے تموجن گھوڑا دوڑاتا سیدھا نکل گیا اور قسار مڑ گیا۔تموجن آگے بڑھا تو سامنے ایک پہاڑ پایا،اس کے پاس پیچھے مڑنے کا کوئی موقع نہ تھا۔چنانچہ گھوڑی بھگاتا سیدھا پہاڑ پر چڑھ گیا۔دشمن غافل نہ تھے انھوں نے اسے پہاڑ پر چڑھتے دیکھ لیا تھا۔چنانچہ پہاڑ کا محاصرہ کر لیا گیا۔تموجن پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر رک گیا۔اسے اور اس کی جانثار گھوڑی کو آرام تو میسر آ گیا تھا لیکن توانائی کہاں سے آتی۔جانور اور انسان دونوں کے پاس کھانے اور پینے کو کچھ نہ تھا۔چند روز گزرے تو حالت غیر ہونا شروع ہو گئی۔اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کوشش کر کے دشمنوں کا گھیراؤ توڑا جائے۔جیسے تیسے گھوڑی کو لے کر پہاڑ سے نیچے تو اتر آیا لیکن بھاگ نہ سکا۔دشمنوں کے تازہ دم گھوڑوں کے سامنے اس کی بھوک سے لاغر گھوڑی کی کچھ نہ چلی۔جلد ہی وہ دشمنوں کے نرغے میں تھا۔حکم کے مطابق اسے پابہ زنجیر کر دیا گیا۔ترگاتائی کو اطلاع بھیج دی گئی کہ اس کا دشمن زندہ گرفتار کر لیا گیا،اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

کام ہو جانے پر واپسی کا اعلان ہوا،تائی جوت شور مچاتے اور ڈھول پیٹتے واپس چل پڑے،سب سے بڑا مالِ غنیمت تموجن کی شکل میں گھوڑے کی پیٹ پر اوندھا پڑا تھا،اسے ہاتھوں اور گردن سے منسلک ہتھکڑی پہنائی گئی تھی۔موت اس کا مقدر تھی،گھر بار لٹ چکا تھا،ماں،بہن اور چھوٹے بھائی کی خیر خبر اسے معلوم نہ تھی۔ان حالات کی وحشت میں تموجن تائی جوت قوم کا قیدی بن کر لے جایا جا رہا تھا۔لیکن قدرت کو تموجن کی زندگی منظور تھی۔راستے میں جنگل اور ندی کے طلسماتی ماحول نے تھکے ماندے لشکر کو آرام کی ترغیب دی۔تائی قوم نے چارے اور پانی سے فائدہ اٹھانے کے لیے جنگل میں پڑاؤ ڈال دیا۔قیدی تموجن کو ایک خیمے میں ہتھکڑی لگا کر بٹھا دیا گیا اور پہرے پر ایک محافظ تعینات کر دیا گیا۔چند روز یونہی گزر گئے،وحشی روزانہ رات دن فتح کے شادیانے بجاتے اور رقص،سرود کی محفل سجاتے۔ایک رات جب سب نشے میں بدمست ہو کر گھوڑے بیچ کر سوئے تو چنگیز کو اپنے خیمے میں غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا،اس احساس کے ساتھ خیمے سے باہر جھانکا تو اکلوتے محافظ کو بھی سوتے پایا۔بجلی سی تیزی سے آزادی کا خیال عود آیا اور تموجن نے ہتھکڑی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور محافظ کے سر پر دے مارا۔وزنی ہتھکڑی نے محافظ کی نیند کو بے ہوشی میں بدل دیا اور تموجن کو خیمہ گاہ سے نکل کر باہر جانے کا موقع مل گیا۔میدان گزر گیا تو سرکنڈے آئے،سرکنڈوں میں تھوڑی دیر اِدھر اُدھر محل وقوع کا جائزہ لے کر آگے بڑھا تو سامنے ندی کو پایا۔اسی اثنا میں پیچھے کی جانب سے شور بلند ہوا۔وہ سمجھ گیا کہ محافظ جاگ گیا ہوگا اور اس کے شور مچانے پر اس کا تعاقب شروع ہو گیا۔یکا یک دوڑتے قدموں کی آواز انتہائی نزدیک آ گئی،اب تموجن کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خود کو سرکنڈوں کے ساتھ ساتھ ندی میں گرا دے۔وہ ندی میں اس طرح لٹکا ہوا تھا کہ سر رات کے اندھیرے میں باہر تھا باقی سارا وجود پانی کے اندر تھا۔وہ ادھر جھاڑیوں میں نہیں ہے،لازماً ندی کی طرف گیا ہوگا،کنارے کا چپہ چپہ چھان مارو۔وہ یہیں ملے گا۔پہریدار اسے جگہ جگہ تلاش کر رہے تھے لیکن وہ سب سے اوجھل رہا۔ایک پہریدار کی نظر مغل لڑکے پر پڑ گئی تھی لیکن وہ خاموش رہا اور آگے بڑھ گیا۔تموجن کے لیے یہ بات چونکا دینے والی تھی۔رات کا اگلا پہر تھا،پہریدار مایوس ہو کر لوٹ چکے تھے اب تموجن کے لیے موقع تھا کہ وہ آگے کی طرف روانہ ہوا اور قسمت آزمائے لیکن اس کی رگِ

غیرت پھڑک چکی تھی، وہ اپنے محسن سے اس احسان کی وجہ پوچھے بغیر آگے کیسے جا سکتا تھا، اس کڑے وقت میں تموجن کی طرف سے شجاعت اور جواں مردی کا یہ مظاہرہ اس پہریدار کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑ سکا، اس نے اس اعلیٰ نسبی قیدی کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اس کی ہتھکڑی کاٹنے کا بندوبست کیا تا کہ وہ با آسانی کہیں نکل سکے اور اپنی منزل پا سکے۔ اس دوران وہ اپنے بارے میں تفصیلات بتاتا رہا کہ وہ کس طرح اس لوٹ مار گروہ میں شریک ہوا۔ ان کی یہ کھسر پھسر چھپی نہ رہی، کہتے ہیں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، ہر خیمے میں تلاشی کا عمل شروع ہو گیا۔ ظاہر ہے اس بہادر کے خیمے کی بھی تلاشی لی جانی تھی، اس نے تموجن کو روئی سے لدے ایک چھکڑے میں چھپا دیا، گو روئی کی گرمی جان لیوا تھی لیکن تموجن کے پاس کوئی چارہ نہ تھا، اسے تلاش کرنے والوں نے روئی میں نیزے چبھوئے، دو نیزوں کی انیوں نے اسے زخمی بھی کر دیا لیکن وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔ بہر کیف یہ خطرہ بھی ٹل گیا۔ اس کے محسن نے اسے فوراً وہاں سے نکل جانے کا عندیہ دیا، اسے ایک گھوڑا، ایک تیر کمان، تھوڑا کھانا اور دودھ دے کر روانہ کیا۔ تموجن بد قسمتی کے سائے کو چیرتا ہوا اپنی سرزمین کی طرف روانہ ہوا لیکن وہاں خاک، راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے قبیلے کی بچی کچی آبادی مختلف قبیلوں میں گوشۂ عافیت تلاش کر چکی تھی۔ تموجن کے سامنے اولین ترجیح اس کے خانوادے اور سرداری کے منصب کی بحالی تھی۔ جلد ہی اسے اپنی ماں اور بہن بے بسی کی تصویر بنے ایک دوست کے خیمے میں مل گئے۔ بچھڑے ایک دوسرے کو زندہ سلامت دیکھ کر یوں ملے جیسے دوسرا جنم ملا ہو۔ تموجن نے بھائی قسار کی حالت کے بارے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پہننے کو۔ ''مچھلیوں اور گلہریوں کو پکڑ کر گزارا کر رہے ہیں۔ سواری کے لیے صرف آٹھ گھوڑوں کی قلیل تعداد ہے۔'' اب تموجن کے سامنے سوچوں کا ٹھاٹیں مارتا سمندر تھا اور وہ اس میں غرقاب نظر آتا تھا۔ وہ وقت کے الٹے بہتے دھارے میں اپنے لیے مقام تلاش کرنا چاہ رہا تھا لیکن بے سروسامانی آڑے آتی تھی۔ اس نے قبیلے کے بچے کچے لوگوں سے رابطہ کیا اور حق سرداری استعمال کرتے ہوئے ایک گھوڑا، ایک بیل، ایک اونٹ اور ایک بھیڑ کا مطالبہ کیا جو پورا کر دیا گیا۔ یہ ڈور ڈنگر شاید وہ اپنی گھر گرہستی کی ضروریات کے لیے بروئے کار لانا چاہتا تھا وگرنہ خانہ بدوش زندگی میں جس قسم کی عددی طاقت کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس نہ تھی۔ وہ کمزور تھا لیکن شکست خوردہ نہیں تھا۔ اس کے حوصلے بلند تھے اور وہ حالات سے بھڑ جانے والا تھا۔

ان مشکل حالات میں اب اس کا ذہن ہر سو دوڑ رہا تھا۔ کبھی اسے بورتی کا خیال آتا، کبھی سسرال سے مدد مانگنے کا خیال آتا لیکن غیرت آڑے آ جاتی۔ حلقہ احباب میں جھانکنے پر اس کے سامنے وانگ خان کا نام آیا، لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں وہ وانگ خان کے دربار میں جانا اپنی بے عزتی تصور کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ تھوڑی عددی قوت حاصل ہو جانے پر وہ ایک سردار کی حیثیت سے دوسرے سردار سے ملنے جائے گا۔ جلد ہی وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے نے اس کی راہ ہموار کر دی۔

بے خوف تموجن

اچانک اس کا بھائی خیمے میں داخل ہوا اور خبر سنائی کہ اس کے آٹھوں گھوڑے غائب ہیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے پر بھی نہیں ملے۔ تموجن کا ماتھا ٹھنکا کہ ہو نہ ہو یہ تائی جوت قبیلے کے لوگ ہی ہیں جو ان گھوڑوں کو کھول کر لے گئے ہیں، اس کا مطلب ہے وہ میرے سر پر پہنچ چکے ہیں۔ خیمے میں ان لٹیروں کے قدموں کے نشانوں پر پیچھے کرنے کی آواز بلند ہوئی لیکن تموجن نے خود اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

اس کے جوہر مردانگی سلامت تھے اور حالات نے ان پر بزدلی کی تہہ نہیں چڑھائی تھی۔

چنانچہ تموجن اپنی سرخی مائل گھوڑی پر سوار ہو کر ان چوروں کے قدموں کے نشانوں پر چلتا چلا گیا لیکن ایک جگہ پہ نشان معدوم ہونے پر اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی تو اس کا ایک ہم عمر لڑکا نظر آیا جس سے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس نے چند لوگوں کو آٹھ گھوڑے ہانک کر لے جاتے دیکھا ہے اور وہ اس سمت گئے ہیں لیکن وہ کون تھے؟ تموجن نے بتایا کہ وہ لوگ میرے گھوڑے چرا کر بھاگے ہیں میں ان کا پیچھا کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ اکیلے تمھارے بس کی بات نہیں ہے کہ ان سے اپنے گھوڑے بازیاب کروا سکو۔ میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں اس لڑکے نے اپنا نام ''بغورچی'' بتایا۔ تموجن نے کچھ لیت و لعل سے کام لیا لیکن یہ بھی دوست کا متلاشی تھا نیز بخت وقت نے اسے دوستوں سے محروم کر دیا تھا، بھلی آواز کان میں پڑی تو اس کی مدد قبول کرنے پر مان گیا۔

بغورچی نے اس کی گھوڑی کو اپنے مقام پر چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور اسے ایک تازہ دم سفید گھوڑا دیا۔ پھر دونوں ہم رکاب بن کر مشترکہ دشمن کے تعاقب میں چل پڑے۔ تھوڑی مسافت کے بعد انھیں دشمن کی چراہ گاہیں نظر آ گئیں۔ اردگرد کا ماحول بھانپ کر تموجن نے نہایت خاموشی اور راز داری سے کمندیں پھینک کر اپنے گھوڑے کھینچ لیے اور ہانک کر علاقے سے نکلنا چاہا لیکن پہریداروں کے ہوشیار ہونے پر بغورچی نے ان پر تیر برسائے جن کی آڑ لے کر تموجن آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ کافی دیر تعاقب میں ناکامی کے بعد جھنجھلاہٹ میں واپس چلے گئے۔ اس طرح یہ مہم دونو جوانوں کی ذہانت اور جوانمردی کی بدولت پایۂ تکمیل کو پہنچی اور گھوڑے بغورچی کی زمین پر پہنچ گئے۔ جس طریق سے یہ خطرناک مہم بہتر منصوبہ بندی اور بغیر کسی خون خرابے کے سرانجام دی گئی اس کی دھوم علاقے بھر میں پھیل گئی۔ اس مہم سے اس آواز کو تقویت پہنچی کہ جو گھوڑے دھکیل کر لا سکتا ہے وہ ان کی حفاظت بھی کر سکتا ہے۔ بہرحال اس مہم نے تموجن میں ایسا اعتماد بھر دیا جو آگے چل کر عیاری، چالاکی اور مکاری میں تبدیل ہو گیا۔ آئے روز اس کی چراہ گاہیں پر حملے ہوتے تھے اور وہ ان حملوں کے جواب میں بیحد سفاکی کا مظاہرہ کرتا، اس طرح وہ اپنی ہیبت بڑھاتا چلا گیا۔ اس کی عمر تیرہ سے بڑھ کر سترہ سال ہو چکی تھی۔ ان چار سالوں میں اسے دوست دشمن کی خاصی پہچان ہو گئی تھی۔ چار سال قبل جب اس نے بورتی کو جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کیا تھا تب اس کی ہوا ہی مختلف تھی۔ باپ کی سرداری کی چھتری تلے وہ جوانمردی کے گن سیکھ ہی رہا تھا کہ باپ کے قتل کی شکل میں افتاد اس کے اوپر آن پڑی۔

مشکلات کے ان چار سالوں میں وہ بورتی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول پایا تھا۔ اب جبکہ وہ بڑا خان تو نہ تھا لیکن اپنے قبیلے کا سردار تو تھا، اس کا دل چاہا، محبت نے جوش مارا تو وہ بورتی کے باپ سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ بورتی کے باپ نے اس کا پرتپاک استقبال کیا، اس کے شہر سواروں نے اسے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ بورتی کے باپ نے اسے درپیش خطرات پر بات کرتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کیا، اسے تموجن کی نوعمری کا وہ واقعہ یاد تھا جب وہ اپنی سرخ گھوڑی لے کر تیر کی طرح عمودی پہاڑی پر چڑھ گیا تھا اور بورتی کا باپ جس نے اسے گھڑ سواری کی دعوت دی تھی، دیکھتا ہی رہ گیا اور کوشش کے باوجود اپنے گھوڑے کو منا نہ سکا کہ وہ پہاڑی پر چڑھ جائے۔ تموجن لڑکا جس طرح اوپر چڑھا تھا اسی شان سے نیچے اترا تھا۔ اس واقعہ سے بورتی کے باپ کو تموجن کی بے خوفی کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔

اب جب وہ اس سے ملنے آیا تو بورتی کے باپ نے اسے بتایا کہ اسے یقین نہ تھا کہ وہ اسے زندہ دیکھ پائے گا۔ اب جبکہ وہ اپنے دشمنوں

کی صفوں کو پھلانگتا ہوا اس تک پہنچ گیا ہے تو وہ بورتی کے لیے کل سے زیادہ آج اہل ہے۔ بورتی اس کے پاس محفوظ رہے گی چنانچہ بورتی کو دلہن بنا کر لایا گیا اور تموجن بھوری آنکھوں والے مغل کے حوالے کر دیا گیا۔ کچھ مقامی رسوم کی ادائیگی ہونا باقی تھی۔ ایک رسم کے مطابق بورتی کو مختلف خیموں میں چھپنا تھا اور تموجن کو اسے ڈھونڈ نکالنا تھا۔ چنانچہ بورتی ایک خیمے میں چھپ گئی اور تموجن نے اسے ڈھونڈ کر زبردستی گھوڑے پر بٹھا لیا۔ اس طرح بورتی اور تموجن کی رخصتی عمل میں لائی گئی۔ بورتی کے باپ کو جن نے تموجن کی ماں کے لیے تحائف بھیجے۔ بورتی کا کام گھر سنبھالنا، تموجن کی ماں کے پاس رہنا، جانوروں کا دودھ دھونا (ضرورت پڑنے پر) اور مردوں کی غیر حاضری میں جانوروں کے گلوں کی دیکھ بھال کرنا شامل تھا۔ تموجن بورتی سے بہت پیار کرتا تھا اور اسے جی جان سے چاہتا تھا۔

طاقت اور بے خوفی کی اس سوچ کو پروان چڑھانے کے پیچھے جو جذبہ (Spirit) اور نظریہ (Ideology) آگے پہنچانا تھا وہ آنے والے وقتوں میں نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ تموجن کے پیروکار اپنے لیڈر کی جوانمردی اور قیادت کی اہلیت پر فخر کرتے تھے۔

پورگی نام کا ایک جوان شہزادہ تھا جو ہمیشہ لڑائی کے لیے جوش، جذبے سے بھرپور رہتا تھا وہ ایک قبیلے کا سردار تھا اور تموجن کا وفادار تھا جنگ شروع کرنے کے بارے میں وہ تموجن کے خیالات کا بھرپور حامی تھا۔

اب تموجن کے جانثار اور اتحادی قبائل کی مشترکہ افواج آمنے سامنے تھے، تموجن نے دستوں کو جنگ کے لیے ہائی الرٹ کر دیا تھا، وہ تموجن اور اس کی ماں کی زیر کمان باغیوں کی سرکوبی کے لیے نکلے۔ باغی بھی ان کا بھرپور مقابلہ کرنے پر مصر تھے۔ مورخین باغیوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار بیان کرتے ہیں۔ یہ تعداد مبالغہ آرائی کے نزدیک دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس دور میں فوجیوں کی باقاعدہ بھرتی اور تنخواہ کا کوئی نظام نہ تھا۔ تعداد موقع اور ضرورت کے مطابق تلاش کی جاتی تھی۔

ہر صورت میں ایک بڑی جنگ متوقع تھی۔ دونوں اطراف سے گھڑ سوار بجلی کی سی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے آتے اور ایک دوسرے پر تیروں کی برسات کرتے گزر جاتے۔ جب وہ ایک مقررہ مقام پر پہنچتے جہاں سے ان کے تیر کارگر ثابت ہوتے وہاں وہ تیر چلاتے، اس مقام سے آگے وہ کمان پھینک دیتے، بھالا نکال لیتے اور پاگل پن سے مخالف فوج کے ساتھ اس طرح ٹکراتے کہ دہشت کے اس ماحول کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ فضا چیخوں، آہوں اور زندگی کی آخری سسکیوں سے بھرپور تھی۔ صدمے کی اس کیفیت میں جو دستے اپنی جگہ برقرار رکھتے اور اپنے گھوڑوں پر جمے رہتے وہی دوسروں پر فوقیت اور برتری پاتے اور باقی کو جھکا لیتے۔ دوسری صورت میں وہ خاک و خون میں تڑپ رہے ہوتے۔

ایسے مناظر کے بیچوں بیچ تموجن اور پورگی مخالفین کے ساتھ لڑے۔ تموجن ثابت قدم رہا اور کامیاب ٹھہرا۔ یہ ممکن ہے کہ تموجن کے گرد افراد نے اس کو خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے خصوصی اقدام کیے ہوں گے۔ یہ کام وہ اس دور کی لڑائی میں آج کی نسبت زیادہ بہتر کر سکتے تھے چونکہ آج کے دور میں گن پاؤڈر تباہی پھیلانے کا بنیادی عنصر ہے۔ تموجن کے پیروکار اور دفاعی دستے اس کو حملہ آوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے، جس کے سبب وہ مخالف فوج کی یورش سے محفوظ رہا۔ آج کے جدید جنگی میدان میں کسی جرنیل کے بیٹے یا جوان شہزادے کی یوں حفاظت کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

بہر حال اسے قسمت کا دھنی کہیں یا اس کے وفاداروں کی وفاداری، تموجن کو اس خونی جنگ میں ایک خراش بھی نہیں آئی۔ اس کی بہادری

اور توانائی نے ہر ایک کو متاثر کیا۔ اس کی ماں نے بھی چشم زدن سے جنگ کا نظارہ کیا۔ اس نے بھی جنگ کے بدلتے پانسے اپنی موجودگی اور اشاروں سے بھی پلٹے۔ اس کی موجودگی نے بھی لشکریوں کے خون کو گرم رکھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس عورت کی عقلی اور تموجن کی شخصی موجودگی نے میدان تموجن کے ہاتھ رکھا۔ دشمن کی فوج کو میدان سے بھاگنے ہی میں عافیت تھی۔ ان کے لیڈروں میں سے ٹے چوٹ کو قتل کر دیا گیا دوسرا بھاگنے میں کامیاب رہا اور میدان تموجن اور اس کی ماں کے ہاتھ رہا۔

اس خونی جنگ کے نتائج سامنے آنے پر تموجن اب صرف ایک نوخیز لڑکا نہ رہا تھا بلکہ جنگجوؤں کے درمیان میں ایک جنگجو اور مرد تھا۔ اسے اس کی فوج کی طرف سے ان کا شہزادہ اور بااختیار حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے اپنی فوجوں اور سرداران سے خطاب کیا، انھیں انعام واکرام سے نوازا، انعام واکرام ملک کا دستور تھا۔ جن میں گھوڑے، اسلحہ، قیمتی لباس اور ذاتی زیورات شامل تھے۔ بلاشبہ ایسے لوگ جن کی صبح شام گھوڑے کی پشت پر گزرتی تھی۔ ایسے انعام بہت زیادہ قیمتی تھے۔ اس فتح کے براہِ راست نتائج یہ تھے کہ تقریباً سارا ملک جو باغیوں کے زیر تسلط تھا، کسی مزید قابل ذکر مزاحمت کے تموجن کے جھنڈے تلے چلا آیا۔ دوسرے قبائل جو اس کی سلطنت کی سرحد پر رہتے تھے۔ انھوں نے دوستی اور تعاون کے معاہدوں کے لیے پیغامات بھیجے۔ ان قبیلوں میں سے ایک خان کی طرف سے تموجن سے مطالبہ کیا گیا کہ اس کے ساتھ دوستی کے معاہدے کی مضبوطی کے لیے وہ اپنی بہن کی شادی اس سے کر دے۔ سیاسی دستور کے مطابق تموجن نے ایسا ہی کیا۔ اس جنگ کے بعد تموجن کی طاقت کا شہرہ تمام ہمسایہ ملکوں میں پھیل گیا، ہر طرف سے مبارک، تسلیمات نے اس کے اقتدار کو جلا بخشی۔

ملک کے طول وعرض کے دورے کے دوران تموجن بعض اوقات اپنی بیویوں کو ہمراہ لے جاتا اور بعض اوقات ان کو پیچھے کسی محفوظ مقام پر چھوڑ جاتا، دوسرے سال کے اختتام پر بورتی پھر ماں بننے والی تھی، تموجن اس موقع پر کسی فوجی مہم پر روانہ ہونے کو تھا، اسے خوف تھا کہ بورتی اس حالت میں سفر کی سختیاں برداشت نہ کر پائے گی۔ چنانچہ اسے گھر میں ہی رہنے دیا گیا۔ جب وہ جا چکا تھا گھڑ سواروں کا ایک دستہ جس کا تعلق اس کے دشمنوں کے ایک قبیلے مکریت سے تھا، اچانک شہر میں داخل ہوا اور تموجن کے چھوڑے محافظ دستے پر قابو پا کر ہر وہ شے جو انھیں قیمتی لگی اپنے ہمراہ لے گئے۔ انھوں نے پورتا کو بھی پکڑ لیا اور یرغمالی بنا کر لے چلے گئے۔ اس واقعے کے پیچھے اٹھارہ سال پرانی وہ دشمنی تھی جب تموجن کا باپ اولون (تموجن کی ماں) کو اٹھا لایا تھا۔ جب اس قبیلے کو علم ہوا کہ تموجن شادی کر کے دلہن لایا ہے تو انھوں نے حملے کا منصوبہ بنایا۔ لوٹ کا مال انھوں نے آپس میں تقسیم کر لیا لیکن پورتا ایک مخصوص خان کو بھیج دی گئی جو ایک ہمسایہ ریاست پر حکومت کرتا تھا اور جس کی حمایت حاصل کرنے کے اغوا کنندگان خواہش مند تھے۔ اس سردار کا نام وانگ خان تھا۔ وانگ کا تفصیلی تذکرہ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر اگلے سبق میں ملے گا۔ پورتا کو وانگ کی طرف بطورِ تحفتاً بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وانگ اس کو اپنی بیوی بنا لے۔ یہ خانوں کے ہاں مروجہ دستور تھا کہ وہ جس قدر زیادہ سے زیادہ بیویاں حاصل کر سکتے تھے، رکھ لیتے تھے چنانچہ جب جنگوں میں بلند مرتبہ خاندانوں کے لوگ قیدی بنائے جاتے تو ان میں خوبصورت اور جوان عورتوں کو وہ دلنشیں تحائف بنا کر بڑے اور طاقتور شہزادوں، خانوں اور سرداروں کو بھیج دیتے تھے اس سے ان کے درمیان دوستی اور یگانگت کے جذبات میں اضافہ ہوتا تھا۔ اس سے قطعی کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ تحائف کو وصول کرنے والا جوان ہے یا بوڑھا۔ بعض بوڑھے کی طرف سے ایسے تحفے کی وصولی پر زیادہ تحسین ملتی تھی۔

پورتا کے معاملے میں وانگ خان بوڑھا تھا بلکہ تموجن کے باپ کی عمر کا تھا اور وہ تموجن کو اپنا بیٹا بھی کہہ کر بلاتا تھا، کچھ سال قبل وہ تموجن

کے باپ یزونگی کا اتحادی بھی رہا تھا۔ جب تموجن محض ایک لڑکا تھا، تب سے وہ اسے بیٹا کہہ کر پکارتا تھا۔ ان حالات میں جب پورتا کو اس کے خیمے میں پیش کیا گیا تو وانگ خان نے کہا۔

''وہ بہت خوبصورت ہے لیکن میں اسے اپنی بیوی کے طور پر قبول نہیں کر سکتا کیونکہ وہ میرے بیٹے کی بیوی ہے۔ میں اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں رچا سکتا۔''

وانگ خان نے پورتا کو اپنے محل میں ٹھہرایا اور اس کی دیکھ بھال کی۔

جب تموجن اپنی مہم سے فارغ ہو کر گھر واپس لوٹا تو اسے معلوم ہوا کہ اسکی عدم موجودگی میں کیا واقعہ رونما ہو گیا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی گمشدگی پر مضطرب ہوا۔ جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے، اسنے فوراً ایک سفارت وانگ خان کی طرف روانہ کی تاکہ پورتا کو گھر واپس لایا جا سکے۔ اسکی درخواست پر، وانگ خان نے فوراً تعمیل کی اور پورتا گھر واپس روانہ کر دی گئی۔ اغوا کیے جانے سے قبل پورتا پیٹ سے تھی، ان حالات سے گزرنے کے بعد جب وہ گھر واپس لوٹ رہی تھی تو اسے راستے میں رکنا پڑا اسنے ایک بچے کو جنم دیا، یہ بیٹا تھا۔ جونہی بچے کی پیدائش کا عمل مکمل ہو گیا، اس نے سفر دوبارہ شروع کر دیا کیونکہ خطرہ تھا کہ مزید دیر کرنے سے کہیں سے دشمنوں کا کوئی نیا دستہ نمودار نہ ہو جائے اور پورتا اور اس کا نومولود بچہ پکڑ لیے جائیں کہا جاتا ہے پورتا نے نومولود کی نازک ٹانگوں کو کسی قسم کا مائع جیسا مادہ لگا کر محفوظ کرنے کی کوشش کی تاکہ سفر کے دوران چھکڑے میں لگنے والے جھٹکوں سے اسے بچایا جا سکے۔ وہ چھکڑے میں سفر کرنے پر مجبور تھی، اس حالت میں وہ بچے کو تمام راستے گھر تک اپنی گود میں لیے بیٹھی رہی۔

بالآخر وہ بحفاظت اپنے خاوند کے گھر پہنچ گئی۔ تموجن اسے دوبارہ اپنے سامنے پا کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ وہ خاص طور پر اپنے چھوٹے بیٹے کو دیکھ کر نہایت مسرور ہوا جسے بورتی حفاظتی طریقوں سے بچا کر لے آئی تھی۔ ایک خطرناک اور عجیب سفر سے بحفاظت واپس لوٹنے پر، باپ نے بیٹے کا نام اپنی زبان میں ''جوچی'' رکھا جس کا مطلب ہے ''بحفاظت پہنچنے والا''

تموجن کی عملی زندگی کا آغاز ہر اعتبار سے مہم جوئی اور خطرات سے بھرپور تھا لیکن وہ ایک پُرامید اور زرخیز دماغ کا حامل تھا۔ وہ سلطنت کے ان خدوخال سے مطمئن نہ تھا جو اس کے باپ نے اس کے لیے چھوڑی تھی وہ اسے بڑھانے کا خواہش مند تھا۔ اس نے ایک رات خواب دیکھا کہ اس کے بازو غیر معمولی طور پر بڑھ کر خوب لمبے ہو گئے ہیں، اس کے ہر ہاتھ میں ایک تلوار ہے جسے اس نے بڑھایا ہے ایک کا منہ مشرق کی طرف تھا اور دوسری کا منہ مغرب کی طرف صبح ہونے پر اس نے اپنا خواب اپنی ماں کو سنایا۔ اس کی ماں نے اس خواب کی تعبیر یوں بیان کی کہ وہ ایک عظیم فاتح ہو گا اور اس کی بادشاہت کی حدیں مشرق سے لے کر مغرب تک ہوں گی۔

اس خواب کے بعد دو سال تک تموجن کی زندگی کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا اور اس کی اچھی قسمت کا ستارہ چمکا۔ کہیں سے ایک ردعمل کی خبر آئی۔ اس کی سلطنت کے کچھ قبیلوں نے اس کی حاکمیت سے اظہار بیزاری کیا تھا، کئی خان سازشوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ اس کا اپنا قبیلہ اس کے خلاف ہو گیا تھا۔ سلطنت کے کئی حصوں میں بغاوت پھوٹ پڑی اور اسے کئی مہمیں سر کرنا پڑیں، وہ کبھی یہاں لڑتا تو کبھی وہاں تاکہ بغاوت پر قابو پا سکے۔

ایسی ہی مہموں میں سے ایک میں اسے قیدی بنا لیا گیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس واقعے کا تفصیلی تذکرہ پچھلے

صفحات پر موجود ہے۔ اس نے باغی سرداروں کو چند تجاویز دیں، اسے امید تھی کہ مذکورہ تجاویز ان کو کسی حد تک مطمئن کر دیں گی اور وہ دوبارہ اس کے حلقہ ارادت میں چلے آئیں گے۔ لیکن ان تجاویز کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ باغی خانوں کی خواہش تھی کہ تمیوجن کے اقتدار کو ختم کر دیا جائے اور اس کی سلطنت کو آپس میں بانٹ لیا جائے یا ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے تمیوجن کی جگہ اسے اقتدار سونپا جائے گا۔

آخر کار تمیوجن نے نتیجہ اخذ کیا کہ وہ فی الوقت اپنے دشمنوں کو زیر نہیں کر سکتا اور وہ طاقتور سے طاقتور ہوئے جا رہے ہیں جبکہ تمیوجن کے چاہنے والے تعداد میں کم اور جذبے میں ماند پڑتے جا رہے ہیں۔ وہ سوچنا شروع ہو گیا کہ وہ ایک ایسی سلطنت جو وحشی اور جنگجو اور دور کھنے والی خانہ بدوش قوموں پر مشتمل تھی پر حکومت کرنے کے لحاظ سے عمر میں چھوٹا ہے۔

اس نے اپنے بڑے ہونے تک بغاوت سرد کرنے کی اس کوشش کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا تاوقتیکہ حالات میں کوئی تبدیلی اُمڈ آئے۔ اس نے اپنی ماں سے مل کر عارضی طور پر میدان خالی کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مورخین کا خیال ہے کہ ممکن ہے منصوبہ اس کی ماں نے اپنے طور پر تشکیل دیا ہو اور تمیوجن پر دباؤ ڈال کر اسے تسلیم کرنے کا کہا ہو۔

منصوبہ تھا کہ تمیوجن ایک سفیر وانگ خان کے دربار میں بھیجے گا کہ وہ اس کا استقبال کرے اور اپنی سلطنت میں کچھ عرصے کے لیے تمیوجن کو پناہ دے تاوقتیکہ معاملات تمیوجن کی گرفت میں آ جائیں اگر وانگ خان کو اس تجویز سے اختلاف نہ ہو اور وہ اسے تسلیم کرے، اس صورت میں تمیوجن اپنے چچا کو اپنی عدم موجودگی میں اپنا نائب (گورنر) مقرر کرے گا جو سلطنت کے معاملات دیکھے گا۔ اس کی ماں نے ایک امیر مینگلک سے شادی کرنی تھی جسے وزیراعظم مقرر کیا جانا تھا۔ گورنر اور وزیراعظم کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اس وقت تک سلطنت کے معاملات کی دیکھ بھال کریں گے جب تک تمیوجن کی واپسی کی راہ ہموار نہیں ہو جاتی۔

اس منصوبے پر عمل درآمد کیا گیا۔ وانگ خان تمیوجن کو اپنے علاقے میں پناہ دینے پر فوراً رضامند ہو گیا ایسا اس نے تمیوجن کے باپ سے اپنی دیرینہ دوستی کے پس منظر میں کیا۔ تمیوجن کی ماں نے امیر مینگلک سے شادی کر لی اور مینگلک کو سلطنت کا پہلا شہزادہ قرار دیا گیا۔ تمیوجن کے چچا کو تمام تر اتھارٹی دے کر تمیوجن کی واپسی تک گورنر بنا دیا گیا۔ جب تمام کام حسب منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچ گئے تو تمیوجن چھ ہزار افراد پر مشتمل ایک محافظ دستے کے ہمراہ وانگ خان کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ اپنے ساتھ اپنے اہل خانہ، مصاحبین اور ملازمین کی ایک تعداد کو بھی لے گیا۔ ان میں اس کا بوڑھا اور تجربہ کار استاد اور گارڈین کراشر بھی شامل تھا جسے تمیوجن کے باپ نے تمیوجن کی تربیت کے لیے مقرر کیا تھا۔

مضبوط اور طاقتور محافظ دستے کی بدولت تمیوجن کا وانگ خان کی طرف کا سفر خیر و عافیت سے کٹ گیا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

قصہ وانگ خان کے دادا کا

سرزمین جس پر وانگ خان کی حکومت تھی، کاراختا کہلائی تھی۔ اس کی سرزمین کی سرحدیں ختا سے ملتی تھیں جو شمالی سمت میں چین کا حصہ تھا۔ یہ ختا کا وہ حصہ تھا جہاں تاتاری مقیم تھے۔ ابتدا میں وانگ خان کا نام ''تغرل'' تھا۔ وانگ خان کوئی نام نہ تھا بلکہ لقب تھا جو اسے مسند اقتدار پر بیٹھتے ہی دیا گیا۔ مورخین ناموں کی غلط فہمی سے بچنے کے لیے تغرل کی بجائے وانگ خان ہی استعمال کرتے ہیں چنانچہ ہم بھی اسے وانگ خان کہہ کر پکاریں گے۔

وانگ خان خانوں کی اس طاقتور لڑی سے تھا جس نے کئی نسلوں سے کاراختا پر حکمرانی کی تھی۔ یہ خان وحشی اور لاقانونیت سے بھرپور نسل تھی جو حکمرانی کے لیے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے اور ایک دوسرے کے جانوروں کے گلوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ اس ضمن میں رشتہ داروں کے مابین کئی خونی جنگیں لڑی گئیں۔ ایسے ہی ایک واقعے میں وانگ خان کے دادا مرگس کو کسی دوسرے خان نے لڑائی کے دوران قیدی بنالیا۔ وہ اگرچہ رشتہ دار تھے لیکن مرگس کی کسی حرکت پر اس قدر نالاں تھے کہ انھوں نے قیدی مرگس کو بہت دور ایک ریاست کے سردار کی طرف بھیج دیا گیا اس ریاست کا نام کرگھا تھا۔

کرگھا کے سردار نے مرگس کو ایک بوری میں بند کر کے اس کا منہ سلوا دیا اور اسے لکڑی سے بنائی گدھے کی شبیہہ میں اس طرح رکھوا دیا کہ وہ بھوک اور دم گھٹنے سے ہلاک ہو جائے۔

جب مرگس کی بیوی کو اپنے خاوند کے ساتھ ہونے والے ظالمانہ سلوک کی اطلاع ملی تو سخت غصے میں آ گئی اور انتقام لینے کے درپے ہو گئی۔ وہ رشتہ دار جس نے مرگس کو قیدی بنایا تھا اور کرگھا کے خان کی طرف بھیج دیا تھا، کبھی مرگس کی بیوی کا عاشق رہا تھا۔ اس واقعے کے بعد مرگس کی بیوی نے اپنے اس سابقہ عاشق کی طرف پیغام بھیجا جس میں اپنے خاوند کے بہیمانہ قتل پر غم وغصے کا اظہار کیا گیا تھا اس پیغام میں اس نے صرف کرگھا کے خان کو اس قتل پر موردِ الزام ٹھہرایا تھا، اس نے یہ کہا کہ وہ اس کے لیے ایک تڑپ سینے میں رکھتی ہے اور اگر وہ اس کے لیے ویسے ہی محبت بھرے جذبات رکھتا ہے جیسا وہ کبھی رکھتا تھا، تو وہ اس سے شادی کر کے اس کی بیوی بننے کو تیار ہے۔ اگر اسے منظور ہے تو مقررہ جگہ پر ملاقات کے لیے آ جائے وہ اسے مل جائے گی۔

خوبصورت بیوہ نے جو جال بچھایا تھا، وہ سردار جس کا نام نادر تھا اس میں پھنستا چلا گیا۔ اس نے فوراً اس پیغامِ الفت کو قبول کرلیا اور ملاقات کے لیے طے شدہ مقام کی طرف نکل پڑا۔ چند محافظ اس کے ساتھ تھے جن میں نادر کے دوست اور ذاتی ملازم شامل تھے۔ دوسری طرف جوان اور خوبرو بیوہ اپنے ساتھ کوئی بڑا محافظ دستہ نہ لے کر آئی تا کہ معاملہ شک وشبہ سے بالاتر رہے۔ اس کی اپنی سواری کے علاوہ اس کے ساتھ ایک

ٹرین نما بگھی تھی جس پر قیمتی پارچہ جات اور تحائف لدے ہوئے تھے اور اس بگھی کو کتے کھینچ رہے تھے۔ یہ تحائف نئے خاوند کو بطور تحفہ پیش کیے جانے تھے۔اس کے ساتھ لکڑی کی تکونی شکل والے ڈبے تھے جن میں مسلح افراد کو چھپایا گیا تھا۔ان ڈبوں کو اسی طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ان میں چھپے افراد ایک اشارے پر اندر سے ان ڈبوں کے ڈھکن اٹھا کر باہر آ سکتے تھے اور ایکشن کر سکتے تھے۔اس عورت کے پاس نشہ آور شراب کی ایک کثیر مقدار تھی جو منگول اور تاتاری ان دنوں میں بنانے اور استعمال کے عادی تھے۔ جونہی دونوں پارٹیوں کا ملاقات والی جگہ پر آمنا سامنا ہوا جوان بیوہ نے اپنے عاشق ناور کو ایک خوش کن مبارک دی اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ دعوت قبول کر لی گئی، تحائف کے منہ کھل گئے۔دعوت میں شریک مہمانوں کو شراب کی کثیر مقدار پیش کی گئی جوان دنوں کی محفلوں کا عام دستور تھا جلد ہی تمام مہمان نشے میں سدھ بدھ کھو چکے تھے لیکن جوان شہزادی نے ابھی تک خود پر کنٹرول رکھا تھا تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔آخر کار وہ لمحہ آ گیا جس کے لیے تمام جال بُنا گیا تھا۔شہزادی نے مخصوص اشارہ دے دیا اور لکڑی کے ڈبوں میں بند مسلح افراد بوتل کے جن کی طرح باہر نکل آئے اور نشے میں دھت مہمانوں کی طرف لپکے۔ جوان بیوہ نے اپنی کمر کس سے خنجر نکالا اور ناور کے عین دل میں پیوست کر دیا۔ ناور کے ساتھی نشے کے ہاتھوں اور یکدم پیش آنے والی حیرانگی کے ہاتھوں ایک دم ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے۔ان کی طرف سے مزاحمت برائے نام تھی۔تمام کے تمام قتل کر دیے گئے۔

انتقام سے فارغ ہو کر مرگس کی بیوہ نے اپنے آدمیوں کو اکٹھے کیا، نقلی تحائف دوبارہ پیک کیے اور گھر واپس ہو لی۔اس طرح کے کئی واقعات اس دور کی تحریروں میں مرقوم ہیں جن کی صحت کی تصدیق یا انکار ان نیم وحشی قبائل کی طرز زندگی اور عمل سے ہوتا ہے۔

وانگ خان مرگس کا پوتا تھا جسے بوری میں سی دیا گیا تھا۔اس کا باپ شہزادی کا بڑا بیٹا تھا جس نے اپنے خاوند کی موت کا بدلہ لینے کا ایک انوکھا منصوبہ بنایا اور اس پر کامیابی سے عمل بھی کیا۔کہا جاتا ہے کہ وانگ خان جب دس سال کا تھا، وہ جنگوں میں اپنے باپ کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو تموجن کے باپ کے ساتھ اتحاد بناتے اور باہمی دوستی کے لیے اقدامات کرتے دیکھا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ تموجن سے عمر میں بڑا ہونے کے سبب اسے اپنا بیٹا قرار دیتا تھا اور اس نے تموجن کی بیوی کو اپنی بیوی بنانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب وانگ خان کے دادا کا انتقال ہوا تو بڑا بیٹا ہونے کے سبب اس نے کمان سنبھالی، جس کی وجہ سے اسے حسد کا سامنا کرنا، رشتہ داروں کی طرف سے کی جانے والی سازشوں اور مخالفتوں نے لڑائیوں کی شکل اختیار کر لی جس کے نتیجے میں اسے بھاگ کر یزونکی کے ملک میں پناہ ڈھونڈنی پڑی۔ یزونکی نے اس کا استقبال نہایت پرتپاک انداز میں کیا اور اسے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کرنے اور اس کے غاصب چچا کو مار بھگانے میں بھرپور مدد فراہم کی۔ یہ تب کی بات ہے جب وہ یزونکی کی سلطنت میں تھا، اس نے نوعمر تموجن کو دیکھا وہ عمر میں بہت چھوٹا تھا۔تب سے وہ اسے بیٹا کہتا تھا۔اب تاریخ خود کو دہرا چکی تھی۔تموجن پناہ کی تلاش میں وانگ کی سرزمین پر تھا جیسے تموجن کے باپ یزونکی نے وانگ کے باپ کو خوش آمدید کہا تھا ویسے ہی وانگ نے تموجن کو اپنی سلطنت میں خوش آمدید کہا۔

وانگ خان کے متعلق ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ تب کے عہد میں وہ ایک ایسا حکمران تھا جس کی شہرت یورپ تک جا پہنچی تھی۔ایشیا میں آنے والے عیسائی مشنریوں نے اسے پریسٹر جان کا نام دیا تھا۔ان عیسائی مشنریوں نے پوپ اور یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو ایرانیوں، ترکوں اور

تاتاریوں کے بارے میں اپنی کامیابیوں کے فرضی قصے سنائے تھے۔

انھوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ تاتاروں کا عظیم خان عیسائی ہوگیا ہے اور وہ گوسپل کا مبلغ بن گیا ہے۔اس نے پریسٹر جان کا نام رکھا ہے۔ لفظ پریسٹر پریسبائیٹرین کی کرپشن کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا۔اس طرح کے کئی خطوط ان عیسائی مشنریوں کی طرف سے پوپ اور عیسائی بادشاہوں کو لکھے گئے۔یہ خطوط مبالغہ آرائی سے بھرپور تھے لیکن ایک بات تاریخی حوالوں سے مستند ہے کہ ایک بادشاہ تھا جس نے مشنریوں کو اپنی سلطنت میں تبلیغ کرنے کی اجازت دی اور یہ بادشاہ کوئی اور نہ تھا بلکہ وانگ خان تھا وانگ پرفتن حالات میں ایک زبردست اور طاقتور شہزادہ تھا اور اس نے ایک وسیع علاقے پر حکومت قائم کی تھی۔اس کے صدر مقام کا نام قراقرم تھا۔ جتنا فاصلہ تموجن کو اس شہر تک پہنچنے میں لگا، دس دن کا تھا۔

وانگ خان نے تموجن کا استقبال نہایت مشفقانہ انداز سے کیا اور اس کی حفاظت کرنے کا عہد کیا جبکہ تموجن نے خود کو وانگ کے ساتھ وفادار رہنے کا عہد کیا۔

گلدستہ اولیاء

اللہ کے برگزیدہ بندوں کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک گرانقدر تصنیف جو اسلم لودھی کی عالمانہ عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔اس کتاب میں، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ قبول اولیا رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد عبدالکریم (عیدگاہ راولپنڈی شریف)، حضرت خواجہ صوفی نواب الدین (موہری شریف)، حضرت الحاج محمد معصوم (موہری شریف)، حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مخدوم حسام الدین ملتانی، حضرت حافظ محمد اسحاق قادری نقشبندی، حضرت سید سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ، عاشق رسول حضرت صوفی بندے حسن خان، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس قادری کے حالات زندگی رقم ہیں۔گلدستہ اولیاء کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **تحقیق و تالیف** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تموجن کی جلاوطنی اور بقا کی جدوجہد

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

وانگ خان نے تموجن کو اپنے دربار میں بڑی باعزت جگہ دی اور یہ اس کا حق بھی بنتا تھا کیونکہ تموجن اپنی جوانی کے عروج پر ایک شہزادہ تھا اور عادات واطوار کے اعتبار سے ایک پُرکشش شخص تھا۔ اگرچہ فی الوقت وہ جلاوطنی کے دور سے گزر رہا تھا لیکن کسی بھی اعتبار سے وہ رسوائی یا مایوس کن کیفیت میں نہ تھا۔ اس کا خاندان اور احباب وطن میں اپنے زوروں پر تھے اور وہ خود بھی وانگ خان کی سلطنت میں آتے ہوئے اپنے ہمراہ اہم فوجی دستے لے کر آیا تھا۔ اپنے حوصلے، تدبر اور عظیم فوجی صلاحیت کی بدولت وہ اپنے پناہ دینے والے کو اس کے جذبے کے بدلے اچھی خدمات فراہم کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار تھا۔ ایک لفظ میں، تموجن کی وانگ خان کے دربار میں آمد ایک ایسا واقعہ تھا جو سنسنی دوڑانے کے لیے کافی تھا۔

ابتدا میں ہر شخص چنگیز کے ساتھ خوش تھا، وہ وانگ خان کے دربار میں خاصا مقبول تھا لیکن جلد ہی دربار کے دوسرے جوان شہزادے اور ہمسایہ قبائل کے سرداران اس کی مقبولیت سے حسد کرنے لگے۔ وانگ خان نے چنگیز سے اپنی ذاتی انسیت کے سبب اور اس کے وطن میں اس کے مرتبے کی بناء پر اسے دوسروں پر برتری دی۔ اسے ایک خودمختار شہزادے کا پروٹوکول دیا جاتا تھا جس سے وانگ خان کے دربار میں موجود دوسرے سرداران کا مرتبہ چنگیز کے سامنے خود بخود گھٹ گیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ مطمئن نہ تھے۔ وہ بڑبڑانا شروع ہوگئے۔ ابتدا میں رازداری سے اور پھر کھلم کھلا اور جلد ہی اس ''نئی پسند'' جسے وہ اس نام سے پکارتے تھے، کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بننے لگے۔

ایک واقعے کے رونما ہونے سے چنگیز کے مخالفین کی دشمنی میں یکدم اضافہ ہوگیا، انھیں ایک طاقتور لیڈر اور سربراہ مل گیا تھا جس کے نام ''یموکا'' تھا، وہ ایک بااثر سردار تھا یموکا وانگ خان کی بیٹی شہزادی وسل جین کی زلفوں کا اسیر تھا، وہ اس کے باپ سے شہزادی کا ہاتھ مانگنے کی تیاری کر رہا تھا، ابھی یہ بات آگے بڑھنے کو ہی تھی کہ تموجن نمودار ہوگیا۔ شہزادی وسل جین کی تمام تر توجہ اس نوجوان اور پُروقار شہزادے کی طرف مبذول ہوگئی جس کی شخصیت میں بلا کا کرنٹ تھا۔ وہ بلاشبہ اس کے بوڑھے عاشق کی نسبت ایک جوان اور تنومند مرد تھا۔ شہزادی نے اپنے باپ کو یہ باور کروانے میں چنداں وقت ضائع نہ کیا کہ وہ یموکا کی بجائے تموجن کا اپنے خاوند کے طور پر انتخاب کرے گی۔ یہ سچ ہے کہ تموجن کی اس وقت ایک یا دو بیویاں تھیں لیکن اس زمانے کے دستور کے مطابق اس سے کچھ فرق نہ پڑتا تھا۔ ایشیائی شہزادے اور سرداران اپنی دولت اور حسب نسب کے اعتبار سے جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ یموکا کو انکار کردیا گیا اور وسل جین کی شادی تموجن سے کردی گئی۔

یموکا غصے میں آگ بگولا ہوگیا تھا۔ اس نے اس بےعزتی پر انتقام لینے کی قسم کھائی اور سلطنت میں موجود دوسرے ناراض اراکین دربار اور جماعتوں سے جو تموجن اور وانگ خان سے حسد اور بغض رکھتے تھے، گٹھ جوڑ شروع کردیا اور تموجن کی تباہی کے لیے ایک سازش تیار کی گئی۔

سازشیوں نے پہلے مرحلے میں چنگیز کے خلاف من گھڑت واقعات گھڑ کر وانگ خان کے کان بھرنے شروع کردیے لیکن اس کا خاطرخواہ

نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ تموجن نے اپنی ذہانت، جوش اور ولولے سے اپنے گرد پرانے اور نئے جانثاروں دوستوں کی ایک مضبوط جماعت دربار میں تیار کر لی تھی جو مخالفین پر بھاری پڑی، ایک وقت پر تو ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے مکروہ مقاصد میں ناکام ہو جائیں گے۔

اندرونی محاذ پر ناکامی سے دوچار ہونے کے بعد، سازشیوں نے وانگ خان کے غیر ملکی دشمنوں کے ساتھ رابطے استوار کرنا شروع کر دیے اور ان کے ساتھ ایک اتحاد تشکیل دیا۔ جس کے تحت وہ وانگ خان اور تموجن کے خلاف مشترکہ طور پر جنگ لڑیں گے اور انھیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ تاریخ ان غیر ملکی جماعتوں کے نام اور تعداد بتانے سے قاصر ہے البتہ اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ سازشیوں کی تحریک پر ایک بڑی فوج اکٹھی ہو گئی تھی جس نے وانگ خان کی سلطنت پر ہلہ بولنا تھا اور جنگ کے ذریعے مسئلے کا حل ٹھونسنا تھا۔ مختلف سرداران اور خان جن کے دستوں نے اس بڑی فوج کو تشکیل دیا تھا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق حلف اٹھایا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وانگ خان اور تموجن کو تباہ نہیں کر دیتے۔

انھوں نے حلف درج ذیل طریقے سے اٹھایا ”وہ ایک میدان میں ایک کھلی جگہ پر اکٹھے ہوئے، ان کے ساتھ ایک گھوڑا، ایک جنگلی بیل اور ایک کتا تھے۔ ایک مقررہ اشارے پر وہ تلواروں کے ساتھ ان جانوروں پر پل پڑے اور انھیں ظالمانہ طریقے سے ٹکڑوں میں تبدیل کر دیا۔ جب ان کا کام مکمل ہو گیا تو وہ اکٹھے کھڑے ہو گئے اور درج ذیل الفاظ میں یہ نعرے لگائے:

”سنو! اے خدا! اے آسمان! اے زمین! ہم وانگ خان اور تموجن کے خلاف حلف اٹھاتے ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی ان کے گرفت میں آنے پر ان پر رحم کرے گا یا انھیں تباہ کرنے کا اپنا وعدہ توڑے گا۔ ہمارا بھی وہی حشر ہو جو ہم نے ان جانوروں کا کیا ہے جنھیں ہم نے ٹکڑوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔“

انھوں نے یہ الفاظ ان ذبح کردہ جانوروں کے خون اور جسم کی باقیات کے درمیان کھڑے ہو کر باآوازِ بلند کہے۔ گو یہ تیاریاں نہایت رازدارانہ انداز میں مکمل کیں گئیں لیکن ہواؤں کے دوش پر ان تیاریوں کی بھنک وانگ خان کے صدر مقام قراقرم میں پڑ گئی۔ جب تموجن نے یہ خبر سنی تو وہ جوش و جذبہ سے سرشار ہو گیا اس نے فوراً تجویز دی کہ وہ اپنے دستے لے کر جائے گا اور دشمن کو کھلے میدان میں ان کی گردنوں سے جا پکڑے گا۔ اس نے کہا کہ وانگ خان جتنی سہولت سے اپنی فوج کے دستے اس کی کمان میں دینا چاہے دے سکتا ہے۔ اس کی اس تجویز کو وانگ خان نے مان لیا۔ تموجن اپنے دستوں کے علاوہ وانگ خان کی ڈیڑھ گنا فوج کے ساتھ دشمنوں کی سرکوبی کی مہم پر روانہ ہوا۔ اتنی ہی ڈیڑھ گنا فوج صدر مقام کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ وہ سرحد کی سمت اس تیزی سے بڑھا جدھر اس کا خیال تھا کہ دشمن فوجوں کی بڑی تعداد مجتمع ہے۔ مسلسل کئی دنوں کی پیش قدمی کے بعد، وہ وہاں پہنچا قبل اس کے کہ دشمن اس کی آمد کے لحاظ سے اپنی تیاری کرتا، تموجن ان کے سر پر تھا۔ تموجن کی ہر جنگی چال میں باغیوں کو لڑنے پر مجبور کرنا شامل تھا جبکہ جوابی جنگی چال میں دشمن جنگ سے پہلو تہی کرتا تھا۔ اس پہلو تہی کے پیچھے ان کا مقصد وقت ضائع کرنا تھا تاکہ انھیں دوسرے اتحادیوں کی جانب سے جو ابھی نہیں پہنچے تھے ملنے والی کمک دستیاب ہو جائے۔ آخر کار جنگی چالوں اور جوابی جنگی چالوں کے ایک طویل سلسلے کے بعد اب کھلی جنگ لڑی جانے والی تھی کہ تموجن اور اس کی تمام فوج ایک دن وانگ خان کو اپنے بیچ دیکھ ششدر رہ گئے، وہ ایک مختصر جمعیت

کے ساتھ تموجن تک پہنچ پایا تھا، ان سب کے حلیے بتا رہے تھے کہ وہ کسی جنگ سے فرار ہو کر آ رہے ہیں، وہ شکستہ دل، تھکے ماندے اور دل گرفتہ تھے جبکہ ان کے گھوڑے کمزوری اور نقاہت سے بے حال تھے۔ دریافت کرنے پر تموجن کو بتایا گیا کہ جیسے ہی تموجن صدر مقام سے فوج لے کر دشمنوں کا سر کچلنے کے لیے نکلا اور یہ خبر پھیلی کہ تموجن ایک بڑی فوج لے کر گیا ہے جبکہ پیچھے محافظ فوج کی تعداد کم ہے۔ یہ اطلاع پا کر وانگ خان کے ایک دشمن قبیلے نے جو ایک مخالف سمت میں مقیم تھا، اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اس کے علاقوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے اردو کی رفتار اور کارکردگی ایسی تھی کہ وانگ خان کی شہر کو بچانے کی تمام تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں اور اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کی فوج کی ایک کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ شہر کو قبضے میں لے کر تباہ و برباد کر دیا گیا۔ وانگ خان کا بیٹا جو اپنے چند دستوں کے ہمراہ خود کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پہاڑوں کی طرف فرار ہو گیا تھا۔ بقول وانگ خان ''ان دگرگوں حالات میں اس نے سوچا کہ جس قدر ممکن ہو یہاں سے نکل کر تموجن کے کیمپ تک پہنچ جاؤں جہاں سے اسے مدد اور حوصلہ ملنے کی توقع تھی۔

تموجن شروع میں اس کہانی کو سن کر بڑا حیران ہوا لیکن اس نے اپنے سسر کی حوصلہ شکنی نہ کی بلکہ مکمل انتقام لینے کا عہد کیا اور آنے والی جنگوں میں اپنے دشمنوں پر مکمل قابو پانے کا وعدہ کیا۔ یہ ارادہ کر کے تموجن جنگی تیاریوں کی تکمیل کے انتظامات کے لیے آگے بڑھ گیا۔ اس نے فوج کی کمان وانگ خان کے سپرد کر دی اور خود اس نے فوج کے بہت سے حصوں میں سے ایک کی کمان منتخب کر لی۔ اس کا حکم کا مقصد یہ باور کروانا تھا کہ فوج میں سردار کا درجہ مرتبے میں اس کے بعد ہے۔ اس حکم کے ساتھ وہ جنگ میں کود گیا۔

یہ جنگ بلاشبہ ایک خونی جنگ تھی جس کے اختتام پر تموجن کی جماعت فتح یاب ٹھہری۔ مخالف دستوں کو شکست فاش ہوئی اور انھیں میدان سے باہر دھکیل دیا گیا۔ جنگی سٹریٹجی کے اعتبار سے تموجن خود بھی ایک فتح کی تلاش میں تھا جو دشمنوں کے دل میں اس کی ہیبت قائم کر سکے کیونکہ جدوجہد طویل عرصہ اختیار کر گئی تھی لیکن ابھی تک نتائج شک و شبہ سے بالاتر نہ تھے۔ مکمل اور متاثر کن فتح کے حصول کے لیے تموجن کے فوجی دستوں نے آخرکار ایک آخری اور نتائج سے بے پرواہ حملہ کیا اور اس تیزی سے دشمن فوج میں گھستے چلے گئے کہ کوئی شے ان کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔ اس بے خوف جنگی چال نے فوجی دستوں کو اس قدر حوصلہ دیا کہ انھوں نے دشمن کے ٹھکانوں کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا اور انھیں میدان سے پرے دھکیل دیا۔

مذکورہ جنگ، اس کے بدلتے حالات، جنگی چالیں، تموجن کا بے جگری سے اپنے دستوں کو لڑانا اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ وہ کوئی معمولی سردار نہ تھا۔ اس فتح کا براہِ راست اثر تموجن کی ملٹری کمانڈر کی حیثیت سے صلاحیتوں پر پڑا اور اس اعتماد کا مظہر تھا جو وانگ خان نے اس کی ذات پر کیا تھا۔

تموجن کی فتح نے باغیوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی لیکن وانگ کے لیے اپنے تخت اور صدر مقام کی بازیابی کے لیے واپسی کا راستہ ابھی تک کھلا نہ تھا، اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے بھائیوں میں سے ایک نے عنانِ حکومت سنبھال رکھی تھی اور اس کی جگہ پر قراقرم میں اقتدار کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس کے بھائی کا نام آرکیکرا تھا۔ اسے تموجن کے سرکردہ مخالف رہنماؤں میں سے ایک تصور کیا جاتا تھا اور یہ احساسات فطری اور غلط بھی نہ

تھے۔ بادشاہ کا بھائی یقیناً اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ اسے اپنے بھائی کے دربار میں سب سے افضل جگہ ملے لیکن اگر یہ جگہ کوئی "نئی پسند" لے جائے تو احساسات کا منفی ہو جانا کسی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ اس نے وانگ خان اور تمو جن کے خلاف ہونے والی سازشوں میں حصہ لیا۔ بلکہ کئی لحاظ سے اسے ان سازشیوں کا سرغنہ قرار دیا گیا تھا کیونکہ جب وانگ خان کو صدر مقام سے باہر نکلنا پڑا تو اس کے بھائی نے اس کے جاتے ہی تخت سنبھال لیا تھا۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ وانگ کو تخت پر کس طرح بحال کیا جائے اور اس کے غاصب بھائی کو کس طرح اتارا جائے۔

تمو جن نے اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے تانا بانا بننا شروع کر دیا تھا۔ اس نے جنگ کے بعد اپنی قوتوں پر توجہ مرکوز کی اور دوسرے قبائل کے ساتھ گفت و شنید شروع کر دی۔ یہ قبائل اس سے قبل تذبذب کے عالم میں تھے کہ کس پارٹی کی حمایت کی جائے لیکن تمو جن کی فتح نے انھیں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی فراہم کر دی۔ اس دوران باغی بھی غافل نہ تھے، انھوں نے از سر نو خود کو اکٹھا کیا اور اپنی کھوئی ساکھ بحال کرنے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ آرکیکرا نے قراقرم میں خود کو ہر ممکن حد تک مضبوطی سے قلعہ بند کر لیا تھا اور اسلحے اور گولہ بارود کے انبار لگا لیے تھے اگلے سال کی آمد تک تمام متحارب پارٹیوں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں تھیں اور وہ آخری معرکے کے لیے تیار تھیں۔

ایک بڑی جنگ لڑی گئی جس میں فتح تمو جن کا مقدر ٹھہری۔ آرکیکرا کو قتل کر دیا گیا اور اس کے ساتھیوں کو نکال باہر کیا گیا۔ قراقرم دوبارہ لے لیا گیا۔ وانگ خان فتح مند ہو کر اپنے دستوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور ایک مرتبہ پھر تخت پر رونق افروز ہوا۔

بلاشبہ اب وانگ خان کے دربار میں تمو جن کا اثر اور مرتبہ پہلے سے کہیں زیادہ تھا۔ اب اس کی عمر 22 یا 23 سال تھی۔ اس وقت تک اس کی تین بیویاں تھیں۔ یہ کہنا یقینی نہیں کہ اس کی تینوں بیویاں اس کے ساتھ وانگ کے دربار میں تھیں۔ ایک بہادر اور جوان کمانڈر کی حیثیت سے تمو جن فوج میں بہت مقبول تھا۔ وانگ خان تمو جن پر خاصا اعتماد کرتا تھا اور اس پر انعام و اکرام کی بارش کرتا رہتا تھا۔ تمو جن اس وقت تک کوئی ایسی منصوبہ بندی کرتا نظر نہیں آتا کہ وہ اپنے مادرِ وطن لوٹ جائے۔

تمو جن بہت سالوں تک وانگ خان کی سلطنت یا اس کے دربار میں مقیم رہا۔ اس دوران وہ وانگ کی ملازمت میں رہا اور وانگ کے ساتھ اس کے تعلقات مثالی تھے لیکن یہ تعلقات زیادہ عرصہ مثالی نہ رہے بلکہ ایک تلخ دشمنی میں تبدیل ہو گئے۔ جب وانگ خان نے اپنا کھویا تخت و تاج دوبارہ حاصل کر لیا اور لڑائی میں اس کا غاصب بھائی آرکیکرا مارا گیا تھا، بہت سے دوسرے باغی سرداران بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ان میں سے کچھ جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کا بچ نکلنا ایسے ہی تھا جیسے آگ بجھ جانے پر بھی کوئی چنگاری دبی رہ جائے اور یہ چنگاری بعد میں شعلہ بن کر لپکے، بالکل ویسا معاملہ ان زندہ بچ جانے والے سرداران کی طرف سے وانگ خان کو درپیش آیا، انھوں نے درپردہ اپنی کوششیں جاری رکھیں اور وانگ خان کو کمزور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ ان حالات میں قراقرم میں امن قائم نہیں ہو پایا تھا۔ یموکا پہلے کی طرح اب بھی تمو جن سے ناراض اور حسد کرتا نظر آتا تھا، اس کے لب و لہجے میں سے انتقام کی بو آتی تھی۔ حالات میں البتہ معنی خیز خاموشی تھی اور وانگ کے دربار میں پہلے کی طرح کسی کھلے پن کا اظہار نہ کیا جا رہا تھا۔ وانگ اس دوران ہمسایہ اردو کے ساتھ برسرِ پیکار ہی رہا تھا۔ ان جنگوں میں اس نے تمو جن کی صلاحیتوں پر زیادہ تر انحصار کیا۔ تمو جن کی کمان میں اس کے اپنے لائے دستوں کے علاوہ وانگ خان کے دیے دستے اور وہ دستے شامل

تھے جو کسی معاہدے کے نتیجے میں شامل ہوئے تھے۔ اسے اپنی کمان میں چار ماتحت جرنیلوں کی خدمات حاصل تھیں، ان چار جرنیلوں کو وہ اپنے چار ''نڈر'' اور بے خوف بہادر کہتا تھا۔ وہ چاروں بلا کے بہادر اور ماہر کمانڈر تھے۔ تموجن وانگ خان کے دشمنوں کے سراڑاتا یا دور دراز کے میدانوں یا پہاڑوں میں لمبی مہمات سر کرتا پھرتا تھا۔ اس دوران وہ وانگ خان کے جنگی مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہا جن میں حملہ کرنا، لوٹ مار کرنا یا جوابی حملہ کرنا اور انتقام لینا شامل تھا۔ تموجن اپنی ماتحت سپاہ میں بہت مقبول تھا۔ سپاہ اس کی شکل میں ایک نڈر، جاندار اور توانا لیڈر دیکھتی تھی جس میں زبردست سکیمیں بنانے کی صلاحیت تھی اور ان سکیموں پر عمل کرنے کے لیے شاندار جذبہ بھی موجود تھا۔ وہ اس کی قیادت میں خطرناک سے خطرناک حالات میں بھی کودنے سے گھبراتے نہیں تھے۔ وہ جوان خطرات سے کھیلتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، وہ تو یقیناً شکایت کرنے کے لیے زندہ ہی نہ بچتے لیکن وہ جو زندہ بچ نکلتے وہ خاصے مسرور تھے کہ جو شخص انھیں ان جان لیوا خطرات سے زندہ نکال کرلے آیا۔ عظمت کی یہ فصل مغل سردار تموجن کے لیے نہایت عظیم تھی۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

یموکا کی سازش اور وانگ خان کا خاتمہ

تموجن اگرچہ اپنے ساتھیوں میں خاصا پسندیدہ تھا لیکن جب وہ ناراض ہوتا تھا تو حد درجے بے رحم اور نیم وحشی جنگجو ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی کئی ایک جنگوں میں سے ایک کے بعد جب اس نے باغیوں اور دوسرے دشمنوں کے اردو پر مکمل فتح حاصل کی اور ان کی ایک کثیر تعداد کو بندی بنالیا۔ اس نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے اور ان پر پانی کے بڑے بڑے ستر برتن رکھے جائیں جب پانی مکمل طور پر ابلنا شروع ہو جائے تو شکست خوردہ فوج کے سرکردہ افراد کو پکڑ کر اس اُبلتے پانی میں پھینک دیا جائے، جس میں پک کر وہ جان دے دیں۔ اس کے بعد وہ دشمن کے علاقے میں داخل ہوتا اور وہاں موجود تمام عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر بطور غلام بیچے جانے کے لیے آگے بھیج دیتا۔ مال مویشی قبضے میں کر لیتا اور باقی شہر میں اس کے حکم سے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا جاتا۔ دشمن کی جائیداد پر قبضہ کرنا، اسے اپنا بنالینا، غریب اور کمزور لوگوں کو غلام بنا کر فروخت کرنا کسی طرح بھی قابل فخر کارنامہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ بربریت اور دہشت گردی اس عہد کا دستور تھا۔ لیکن اپنے دشمنوں کو دردناک موت سے ہمکنار کرنا تموجن کے شخصی کردار میں ایک مخصوص ظالمانہ عنصر کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مذکورہ واقعہ درست رپورٹ نہ کیا گیا ہو، ایسے واقعات تموجن کے دشمنوں بالخصوص یموکا اور سینکم کی ذہنی اختراع ہوں کیونکہ اس کے یہ دشمن وانگ خان کے ساتھ تموجن کے اثر رسوخ کو کم کرنے کے مختلف طریقوں پر کام کرتے رہتے تھے تاکہ اسے وانگ کی نظروں سے گرا کر اس کی طاقت کو کمزور کر سکیں لیکن تموجن ان کے لیے تر نوالہ نہ تھا۔ اس کے حریفوں کی سر توڑ کوششوں کے باوجود فوجی مہمات میں اس کی شاندار کامیابیوں نے اس کا نام سربلند رکھا۔ جہاں تک وانگ خان کا تعلق تھا وہ تموجن کے ایک کردار سے خوش تھا لیکن دوسرے کردار سے خائف تھا۔ وہ ایک ماتحت سردار پر اس قدر انحصار کرنے کے لیے تیار نہ تھا کوئی بادشاہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے درباریوں میں سے کوئی طاقت اور برتری میں اس کی برابری کرے۔ وانگ خان بہت خوش ہوتا اگر وہ کسی طرح تموجن کی طاقت اور وقار کو کم کر پاتا، لیکن اس کے پاس ایسے کوئی ذرائع نہ تھے کہ وہ پُرامن اور خاموش انداز میں یہ کام کر پاتا۔ تموجن اپنے فوجی دستوں کی معیت میں قراقرم کے اس مقام

سے دور رہتا تھا جہاں وانگ رہتا تھا اس طرح وہ نسبتاً آزاد تھا۔ وہ اپنی فوج کی تعداد کو موثر سطح پر رکھنے کے لیے اپنی بھرتی کرتا تھا، اگر اس کی فوج کی عام اور باقاعدہ رسد کی سپلائی میں کوئی کمی بھی رہ جاتی تو اس کے لیے گزارہ کرنا ہمیشہ آسان ہوتا تھا۔

کئی مواقعوں پر یموکا نے وانگ کے اس درجے کان بھرے کہ تموجن نے اس (وانگ) کے خلاف سازش تیار کی ہے جس کے تحت اس پر جان لیوا حملہ ہوگا۔ ان باتوں کے زیر اثر وانگ نے ایک مرتبہ رات کے وقت تموجن سے دور ایک مقام پر پڑاؤ کیا تاکہ وہ ایسی کسی ممکنہ سازش سے محفوظ رہ سکے۔ رات کے وقت اس کے دشمنوں کے ایک گروہ نے اس کے کیمپ کو گھیر لیا۔ خطرے میں گھرا دیکھ کر وانگ نے قاصد تموجن کی طرف دوڑائے کہ وہ اپنے وفاداروں کے ساتھ اس کی مدد کو آئے اور اس کی جان بچائے۔ تموجن نے اس خطرے میں اس کی مدد کی اور اس کے دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ وانگ اس خدمت کے لیے نہایت ممنون تھا۔ اس واقعے نے دو دوستوں کو پھر سے ملا دیا اور وہ پہلے سے زیادہ متحد اور بااعتماد ساتھی بن گئے۔ اس واقعے نے یموکا کی مایوسیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ تموجن اور وانگ خان نے اپنے تعلق کو مزید مضبوط کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تموجن کے ایک بیٹے کی شادی وانگ کی ایک بیٹی سے ہونا طے پائی اور وانگ خان کے ایک بیٹے کی تموجن کی بیٹی سے شادی کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ نیا ملاپ زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوا۔ جونہی وانگ خان نے محسوس کیا کہ اس پر منڈلانے والا خطرہ جس میں تموجن نے اس کی مدد کی تھی، گزر چکا ہے تو اس نے یموکا اور سنکم کے نمائندوں کے باتوں پر پھر سے کان دھرنا شروع کر دیا جو ابھی تک مصر تھے کہ تموجن ایک نہایت خطرناک شخص ہے اور اس پر اعتبار کرنا درست نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تموجن موقع پرست اور بغیر اصول کا شخص ہے جو وانگ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے صرف موقع کی تلاش میں ہے تاکہ اسے تخت سے اتار سکے۔

انھوں نے اپنی باتوں کے حق میں بہت سے دلائل دیے، ان میں سے کچھ سچے اور کچھ مبالغہ آرائی پر مبنی تھے اور کچھ جھوٹ بھی تھے۔ لیکن ان باتوں سے وہ خان کے دماغ میں خلل ڈالنے میں کامیاب رہے جس کے زیر اثر یہ خیال وانگ کے ذہن میں گھر کر گیا کہ تموجن کی طاقت کم کرنے کے لیے کچھ کیا جانا چاہیے۔

اسی سوچ کے زیر اثر اس نے کسی نہ کسی بہانے تموجن کو اپنے صدر مقام قراقرم سے دور بھیجنے کا ارادہ کیا کیونکہ تموجن اس کے شاہی محافظوں اور دوسری محافظ فوج میں حد درجہ مقبول تھا اور وانگ میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اس کے خلاف کھلم کھلا کوئی اقدام کر سکے۔ وانگ نے تموجن کے وطن ایک قاصد بھیجا تاکہ وہ وہاں کے سرکردہ افراد کو تموجن کے خلاف وانگ کی مہم جوئی پر آمادہ کر سکے۔ یاد رہے کہ جب تموجن نے اپنا وطن چھوڑا تھا تو اس کی عمر چودہ سال تھی۔ اس کی ماں نے ایک بڑے سردار مینگلک سے شادی رچالی تھی۔ اب وانگ نے اسی مینگلک کو تموجن کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لیے اتحاد کرنے کا لکھا اور کہا ''یہ سچ ہے کہ تم نے اس کی ماں سے شادی رچائی ہے لیکن ذاتی طور پر وہ تمہارا کچھ نہیں۔ اگر ایک مرتبہ اسے راستے سے ہٹا دیا جائے تو تمھارے لیے منگلوں کا بڑا خان بننا آسان ہو جائے گا جبکہ آج تمہاری پوزیشن اس کے ماتحت کی سی ہے، وہ کسی بھی وقت واپس آ کر تمھیں تمھارے منصب سے ہٹا سکتا ہے۔'' وانگ کا خیال تھا کہ مینگلک پر ان دلائل کا کچھ اثر ضرور ہوگا اور وہ تموجن کے کانٹے کو صاف کرنے کے پروگرام میں شریک ہو جائے گا لیکن مینگلک نے اس پیغام کو وانگ کے اندازے کے برعکس ایک مختلف انداز میں وصول

کیا۔اس نے پیغام کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ اس نے فوراً تمیوجن کو اس خطرے سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا اور خود تمیوجن کو وانگ کے خیالات کے بارے میں اطلاع دینے اس کے کیمپ کی طرف روانہ ہوگیا۔اسی اثنا میں وانگ نے اپنے منصوبوں کو حتمی شکل دینے کے لیے تمیوجن کے ساتھ ایک مقررہ جگہ پر ملاقات کا پروگرام بنایا۔ملاقات کا مقصد ان کے بچوں کی شادی جو پہلے طے کی جا چکی تھی، کے بارے میں بات کرنا تھی۔تمیوجن کو وانگ کے اس پیغام میں سازش کی کوئی بو محسوس نہ ہوئی اور اس نے وانگ کے قاصد کا استقبال بڑے پرتپاک انداز میں کیا اور کہا وہ ضرور آئے گا۔ ضروری تیاریوں کے بعد وہ اپنے خاص وفاداروں کے جلو میں اور وانگ کے قاصد کے ہمراہ مقررہ جگہ پر جانے کے لیے نکلا۔راستے میں مینگلک نے اس کا راستہ روکا اور اسے خطرے سے آگاہ کر دیا۔جونہی تمیوجن کو معلوم ہوا کہ اس کا سوتیلا باپ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے، اس نے سفر ملتوی کر دیا اور اسی قاصد کو آگے بڑھنے کا کہہ کر خود اپنے کیمپ واپس چلا آیا۔ایک کیمپ قراقرم سے کچھ فاصلے پر واقع تھا، یہ کیمپ وانگ خان نے ایک حکم کے ذریعے قائم کیا تھا تاکہ اسے تمیوجن کے خلاف کچھ کرنے کا موقع مل سکے۔تمیوجن اپنے کیمپ میں نہایت طاقتور تھا۔اس کی فوج کے چار بڑے ڈویژنوں کے کمانڈر اس کے چار وفادار تھے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔اس کا بوڑھا استاد اور گارڈین کراشر بھی اس کے ساتھ تھا اور وہ اس مہم میں اس کا بہترین مشیر اور دوست تھا۔

جب وانگ کو قاصد کے ذریعے معلوم ہوا کہ تمیوجن نے مقررہ جگہ پر آنے سے انکار کر دیا ہے اور واپس چلا گیا ہے تو اس کا ماتھا ٹھنکا کہ اس کی سازش بے نقاب ہو چکی ہے۔اس نے جلد ہی فیصلہ کیا کہ تمیوجن پر کاری ضرب لگانے کا وقت آ گیا ہے ورنہ تمیوجن ہوشیار ہو جائے گا۔اس کا اندازہ غلط نہیں تھا لیکن اسے یہ اندازہ نہ تھا کہ قراقرم میں پسندیدہ شخصیت مانی جانے والے تمیوجن تک وانگ کا منصوبہ اس کے خاص ملازموں کے ذریعے پہنچ گیا تھا جنھوں نے وانگ کو اپنے بیویوں میں سے ایک سے بات کرتے سن لیا تھا۔وانگ کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ مسلح فوج کو ساتھ لے کر رات کے وقت تمیوجن کے کیمپ کو گھیر لے گا اور اسے حیرانگی میں جا لے گا، اس کا خیال تھا کہ وہ بڑی آسانی سے تمام کیمپ کو قبضے میں کر لے گا اور تمیوجن اور اس کے جرنیلوں کو قتل کر دے گا یا قیدی بنا لے گا۔جن دو افراد نے غداری کی وہ گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مامور سائیس تھے اور ان کی وانگ کے اندرونِ خانہ تک رسائی تھی۔ان کے نام بدوا اور کشک تھے۔ایک روز یہ افراد وانگ خان کے لیے دودھ لے کر جا رہے تھے کہ ان کے کانوں نے وانگ اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والا مکالمہ سن لیا جس کے ذریعے انھیں تمیوجن کی تباہی کے خفیہ منصوبے کا علم ہوگیا۔انھوں نے سنا کہ مہم اگلی صبح روانہ ہوگی۔اس وقت کے گھروں یا خیموں کی مخصوص دیواروں کے سبب ان کے کانوں تک ایسی آوازوں کا پہنچ جانا زیادہ حیرانی کی بات نظر نہیں آتی۔

دونوں غلاموں نے فی الفور تمیوجن تک اس خبر کو پہنچانے کا فیصلہ کیا، وہ رات کے وقت روانہ ہوئے اور اگلی صبح تمیوجن کے کیمپ میں پہنچ گئے۔انھوں نے تمیوجن کو اس خبر کے بارے میں بتایا جو انھوں نے سنی تھی۔تمیوجن اس خبر کو پا کر سخت حیران ہوا لیکن اس خبر نے چند دن قبل اسے سوتیلے باپ کی طرف سے ملنے والی خبر کی تصدیق کر دی تھی۔اس نے فوراً کراشر اور اپنے چند دوستوں کو بلایا تاکہ صورتِ حال کے بارے میں مشورہ کیا جا سکے۔یہ طے پایا کہ وانگ خان کے منصوبے کو ایک حکمتِ عملی سے ناکام بنایا جائے۔غلاموں کی اطلاع کے مطابق اسے اس رات حملہ کرنا تھا۔ وانگ خان کا سامنا کرنے کی فوری تیاریاں کی گئیں۔جوابی منصوبے کے مطابق تمیوجن اور اس کے دستوں کو کیمپ سے باہر نکال لینا تھا اور ایک

نزدیکی جگہ پر چھپا دینا تھا انھوں نے چند آدمی اس انداز سے پیچھے چھوڑے جن کا کام ہی یہی تھا کہ روشنیاں جلا کر رکھیں اور آگ بجھنے نہ دیں ہر چیز اس طرح نظر آئے جیسے محافظ دستے وہاں موجود ہیں۔ان کی توقع تھی کہ جب وانگ خان پہنچے تو وہ اپنا حملہ اپنے اصل منصوبے کے مطابق کرے اور جب اس کی فوجیں اس واقعے میں پوشیدہ حیرانگی سے دوچار ہوں تو تمیوجن اور اس کے محافظ دستے باہر نکل کر انھیں دبوچ لیں گے اور وہ فتح یاب ہوں گے اگرچہ تمیوجن کا خیال تھا کہ وانگ خان کے ہم رکاب دستے تعداد میں زیادہ مضبوط ہوں گے۔

تمیوجن نے جیسے ہی منصوبہ بندی کی اس نے اسی وقت اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔اس نے حکم دیا کہ اس کے کیمپ میں پڑی ہر قیمتی چیز ہٹالی جائے اور محفوظ جگہ پر رکھ دی جائے۔اس کے بعد وہ اپنے آدمیوں کو لے کر چھپنے کے لیے ایک طے شدہ محفوظ جگہ کی طرف سرک گیا صرف پیچھے ایک چھوٹا سا محافظ دستہ چھوڑ گیا۔یہ جگہ اس کے کیمپ سے دو لیگ کے فاصلے پر تھی۔تمیوجن نے خود کو پہاڑوں کے درمیان گھاس اور درختوں سے گھری وادی میں چھپا لیا، یہ جگہ اس سڑک سے زیادہ دور نہ تھی جہاں سے وانگ خان نے گزرنا تھا۔وادی تنگ تھی اور ہر سمت سے پہاڑوں میں گھری ہوئی تھی۔اس کے داخلے والی جگہ پر ایک لکڑی کا پشتہ تھا جس نے چھپنے والوں کو باآسانی چھپا لیا تھا۔اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی ندی بہتی تھی، وادی میں داخلے کے لیے اس ندی کے پانی میں سے گزرنا پڑتا تھا جہاں پانی زیادہ گہرا نہ تھا۔موقع پر پہنچ کر تمیوجن اپنے تمام دستوں کے ساتھ وادی کے اندر چلا گیا اور خود کو وہاں چھپا لیا۔پیچھے چھوڑے محافظ دستوں کو ہدایات تھیں کہ وہ کیمپ کی تمام شمعیں جلائے رکھیں تاکہ دور سے دیکھنے پر کسی کو غیر معمولی بات نظر نہ آئے۔جب ان پر حملہ ہو تو انھیں ہدایات تھیں کہ وہ رازداری سے دوسری مخالف سمت میں سرک جائیں گے اور فرار ہو جائیں گے۔

ان تیاریوں اور تمیوجن کے دستوں کی وادی کی طرف پیش قدمی میں سارا دن صرف ہو گیا، جب وادی میں آخری دستہ داخل ہوا تو شام ہونے کو تھی۔

یہ نقل و حرکت بمشکل ختم ہی ہو پائی تھی کہ وانگ خان وہاں پہنچ گیا۔وہ خود ہراول دستے کے ساتھ نہ تھا۔اس نے یہ مہم سنکم اور یموکا کے سپرد کی تھی کیونکہ وہ اس مہم کے حقیقی بانی تھے جب یہ لوگ اپنے دستوں کے ساتھ وادی کے قریب سے گزرے تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جو مڈبھیڑ وہ کیمپ میں توقع کر رہے تھے وہ مصیبت بن کر راستے میں ہی ان پر آن گرے گی۔تمیوجن اس سرعت سے ان کی طرف بڑھا کہ انھیں سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا، حملہ آوروں کی ایک کثیر تعداد ماری گئی، جو بچے وہ بھاگ نکلے۔سنکم کو چہرے پر ایک تیر لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا لیکن وہ گھوڑے سے گرا نہیں بلکہ ٹکا رہا اور بھاگ گیا جو لوگ جان بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ ٹکڑیوں میں بٹ کر بمشکل اس سڑک تک پہنچ پائے جو قراقرم جاتی تھی۔اس واقعے کے بعد، وانگ خان تمیوجن کے لیے اپنے جارح خیالات کو چھپا نہ سکا اور دونوں دھڑے کھلی جنگ کی تیاری میں لگ گئے۔

مختلف مورخین جو ہماری اطلاع رسانی کے لیے تاریخی مواد فراہم کرتے ہیں ان واقعات کو اپنے رنگ سے پیش کرتے ہیں۔ان کے بیان کردہ واقعات کو ملانے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کھلی جارحیت کے بعد کے حالات میں دونوں گروہوں نے ہمسایہ قبائل کے ساتھ رابطے کرنا شروع کیے تاکہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کر سکیں۔تمیوجن نے بہت سے تاتار شہزادوں کے ساتھ تعاون اور اتحاد کے معاہدے کیے۔یہ شہزادے ملحقہ علاقوں کے رہنے والے تھے اور ان کے اپنے مضبوط اردو تھے۔ان میں سے کچھ سردار اس کے رشتہ دار تھے۔دوسرے قبائل کو بھی آمادہ کیا گیا کہ وہ تمیوجن کے ہاتھ مضبوط کریں وہ وانگ خان کی نسبت نہ صرف زیادہ قابل اعتماد اور طاقتور ہے بلکہ اچھا سیاست دان اور جنگجو ہے۔

علاقے میں ایک طاقتور خان لڑکلی موجود تھا کبھی اس کے اور تموجن کے درمیان گاڑھی چھنتی تھی۔ لڑکلی کا قبیلہ ایک مضبوط قبیلہ تھا۔ اس کے علاقے میں داخل ہونے سے قبل تموجن کو یقین نہ تھا کہ لڑکلی اس کے لیے دوستانہ جذبات رکھتا تھا یا نہیں، چنانچہ اسنے ایک سفیر لڑکلی کی طرف بھیجا تا کہ وہ تموجن کی آمد کی اطلاع دے اور دریافت کرے کہ لڑکلی تموجن کے لیے دوستی کے وہی جذبات رکھتا ہے جیسے ان کے درمیان کبھی تھے۔ لڑکلی یہ فیصلہ کرنے میں شاید کچھ وقت لیتا کہ وہ وانگ یا تموجن کے درمیان کس کا ساتھ دے لیکن تموجن اپنے فوجی دستوں کے ساتھ اس کے دروازے پر کھڑا تھا، ان خصوصی حالات میں لڑکلی کا جواب یہ تھا کہ وہ تموجن کا ساتھ دے گا۔ بدلتے موسم دیکھ کر بہت سے دوسرے سرداران بھی بالکل اسی انداز میں تموجن سے مل گئے۔ اب تموجن کی زیر کمان فوجوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ فوجیں بڑھانے اور زیادہ حلیف بنانے کی مہم میں وہ اپنے دستوں کے ساتھ ایک ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں نمک سے بھرپور ایک ندی بہہ رہی تھی، وہاں کے پانی کا ذائقہ بھی تلخ تھا اور انسانی استعمال کے لیے ناموزوں تھا۔ تموجن نے اس ندی کے کنارے پر قیام کرنے کا ارادہ کیا، یہاں کیمپ کے دوران اس نے ایک عظیم رسم منعقد کی جس میں اس نے اور اس کے اتحادیوں نے اتحاد، یگانگت کا شاندار مظاہرہ کیا۔ اس رسم کے دوران، ایک گھوڑے کو نمک کی ندی کے کنارے قربان کیا گیا تموجن نے چھوٹی ندی سے کچھ پانی لیا اور اسے پی لیا، ایسا کرتے وقت اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر اس کو گواہ بنایا اور قسم کھائی کہ جب تک وہ زندہ ہے وہ اپنے افسروں اور جوانوں کے ساتھ ہر قسم کی تلخی اور مٹھاس برداشت کرے گا، اگر وہ اس حلف سے منحرف ہو تو آسمان اس پر لعنت برسائے۔ اس کے تمام اتحادیوں اور افسروں نے اس کے بعد عہد وفاداری کے لیے ایسا ہی حلف اٹھایا۔

یہ رسم فوج میں ایک طویل عرصے تک یاد رکھی گئی خاص طور پر جب تموجن عظمت اور اقتدار کے آسمان پر سورج بن کر چمک رہا تھا۔ اس کے ہر فوجی جرنیل جس نے اس رسم میں شرکت کی، اس پر جیسے امتیازی شہرت کی مہر لگ گئی اور اسے منگول معاشرے میں ممتاز سماجی مرتبہ حاصل ہو گیا جس پر وہ اور اس کی آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی تھیں۔

تموجن اس وقت تک خود کو نہایت طاقتور محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور ایک ندی کے کنارے پڑاؤ کیا۔ یہ جگہ وانگ خان کی ریاست سے زیادہ دور نہیں تھی۔ آگے بڑھنے سے قبل اس نے وانگ خان کے ذہن کو ٹٹولنے کے لیے ایک خط اس کی طرف روانہ کیا اس خط کے مندرجات کچھ یوں تھے۔

''بہت سال قبل میرے والد کے زمانے میں جب تم تمھارے دشمنوں کے ہاتھوں تخت سے بیدخل کر دیے گئے۔ میرے والد نے تمھاری مدد کی، ہمارے دشمنوں کو للکارا، انھیں شکست دی اور تمھیں تمھارے تخت پر بحال کیا۔ بعد میں جب میں تمھاری سلطنت میں چلا آیا تمھارے بھائی نے مرکٹس اور نیمنز کے ساتھ مل کر تمھارے خلاف سازش کی اس مرتبہ میں نے تمھارا دفاع کیا اور تمھیں بچایا، تمھارے دشمنوں کو شکست دی اور تمھیں طاقت دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دی۔ جب تم دباؤ میں تھے، میں نے اپنے دستے اور ہر وہ چیز جو میری دسترس میں تھی تمھارے ساتھ بانٹی۔

ایک دوسرے موقع پر جب تم خطرے میں تھے اور مایوسی سے دوچار تھے، تم نے میرے پاس پیغام بھیجا کہ تمھیں میرے چار وفادار مدد کے لیے چاہیے، میں نے انھیں تمھاری درخواست کے مطابق بھیجا اور انھوں نے تمھیں خطرے سے نکال باہر کیا۔ انھوں نے تمھیں تمھارے دشمنوں پر فتح

پانے میں مدد کی اور ان سے ایک کثیر مالِ غنیمت وصول کیا۔

بہت سے دوسرے معاملات میں جب تمھارے بھائی تمھارے خلاف اکٹھے ہو گئے تھے میں نے تمہاری موثر امداد کی تا کہ انھیں زیر کیا جا سکے۔ تب یہ کس طرح ممکن ہوا کہ مجھ سے اتنے سالوں تک فوائد حاصل کرنے کے بعد، تم نے مجھے ہی تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنائے اور وہ بھی اس گھٹیا انداز میں؟''

تموجن کے اس مذکورہ خط نے وانگ خان کے ذہن میں اپنا نقش چھوڑا لیکن اب وہ سنکم اور یموکا کی باتوں اور دباؤ کے زیر اثر رہ کر کوئی بہتر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس نے سنکم کو خط بھیجا کہ مجھے تموجن کے خط کا جواب کس طرح دینا چاہیے۔ سنکم جو پہلے ہی تموجن سے عناد اور حسد کا گہرا جذبہ رکھتا تھا، پھر تموجن کے ہاتھوں چہرے پر پہنچنے والے زخم کو وہ اب تک چاٹ رہا تھا، اس سے کسی خیر کے جواب کی توقع وانگ خان نے رکھ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔

بادشاہ وانگ خان اور تموجن کے درمیان اقتدار اور بالا دستی کی کشمکش اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ وانگ کی سلطنت کے قرب و جوار میں رہنے والے تاتار اور منگول تاتار اس جھگڑے پر نظریں گاڑے تھے۔ تموجن نے نہایت پھرتی سے ان سے مذاکرات کیے اور انھیں اپنے ساتھ تعاون پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ تموجن ایک جوان اور ابھرتا سورج تھا جبکہ وانگ ایک عمر رسیدہ اور ڈھلتا سایہ تھا۔ مزید براں اس کی سوچ سنکم اور یموکا کی سوچ تلے دب کر دم توڑ گئی تھی۔ اسی کو تقدیر کہتے ہیں جب تقدیر نے کچھ کروانا ہو تو عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ کمانڈر کی حیثیت سے تموجن پہلے ہی بہت شہرت پا چکا تھا اور اس کی مقبولیت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی جبکہ وانگ خان کی شہرت روبہ زوال تھی۔ بہت سے خان تموجن کے ساتھ ہاتھ ملا چکے تھے، جو باقی رہ گئے تھے انھیں آمادہ کیا جا رہا تھا کہ انھیں وانگ کے ظلم و جبر سے نجات دلائی جائے گی۔ تموجن نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ آسمانوں کا بھیجا پیامبر ہے جسے نجات دہندہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس عہد کے ایشیائی قبیلوں میں یہ عقیدہ عام تھا کہ آسمان ان کی بھلائی کے لیے فوجی پیامبر بھیجتا ہے۔ تموجن کے اس نعرے نے بھی علاقے میں طاقت کا توازن اس کے حق میں کرنے میں مدد کی۔ دوسری قوموں کے درمیان جنھوں نے تموجن کے ہاتھ مضبوط کیے۔ اس کے ہم وطن منگول تھے جن کا تعلق خاص منگولستان سے تھا۔ اس کے سوتیلے باپ نے اس کا بڑی خوش دلی سے استقبال کیا اور اپنی اور اپنی زیرکمان رعایا کی طرف سے آنے والی جنگ میں بھرپور ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اس پالیسی اور طرزِ عمل سے تموجن نے اپنے لیے اس وقت کی اقوامِ عالم کی اخلاقی اور فوجی امداد، تعاون حاصل کیا۔ تموجن کا یہی انداز آج دنیا کی ایک بھرپور ترقی یافتہ قوم کی قیادت نے بھی اپنایا ہے اور اپنے طرزِ عمل اور...... پالیسی سے اقوام عالم کی حمایت حاصل کر رکھی ہے جبکہ مسلم امہ کی حالت وانگ خان جیسی ہے جو طاقت ور تو تھا لیکن عقل، شعور سے بے بہرہ تھا۔ وہ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکا اور اپنے وقت کے خطرناک ترین انسان سے بھڑ گیا۔

ایک وقت جب تموجن کے پیروکاروں کی تعداد میں قابل ذکر حد تک اضافہ ہو گیا تھا اس نے ہر طرف سے اپنی جنگی پوزیشن مضبوط کرنے کے بعد ایک سفیر وانگ خان کی طرف بھیجا تا کہ جنگ کی بجائے کچھ اور راہ نکالی جائے۔ ایسی تجویز موصول ہونے پر وانگ خان نے اپنی مشاورتی کونسل کا اجلاس طلب کیا تا کہ اس تجویز کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جا سکے۔ لیکن سنکم اور یموکا کسی قسم کی بات سننے پر قطعی تیار نہ تھے۔ انھوں نے

اعلان کیا کہ وہ امن یا کسی اور شرط کے بارے میں کچھ نہیں سنیں گے بلکہ تمیوجن ہتھیار ڈالے اور وانگ خان کو حقیقی حکمران تسلیم کر کے اس سے کنفیڈریشن کرے۔ سنکم نے یہ پیغام خود تمیوجن کے سفیر کے حوالے کیا۔

اس نے کہا ''باغی منگولوں کو بتا دو کہ وہ اپنے خان کی بات مان کر کسی قسم کے امن کی امید نہ رکھیں بلکہ میں تمیوجن کو اس وقت تک نہیں دیکھوں گا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہو اور میں اسے مارنے کے لیے آگے بڑھوں۔''

اس کے فوراً بعد سنکم اور یموکا نے چند چھوٹی مہمیں منگولوں کی سرزمین کی طرف روانہ کیں ان کا کام لوٹ مار کرنا اور دہشت پھیلانا تھا لیکن ان ٹولیوں کو تمیوجن کے دستوں نے مار کر بھگا دیا اور ان کا مقصد ناکام ہو گیا۔ ان جھڑپوں کا ایک ہی نتیجہ نکلا یعنی کھلی جنگ۔

حالات میں کروٹ آتے دیکھ کر تمیوجن نے تمام اتحادیوں کی گرینڈ کونسل کا اجلاس بلایا یہ اجلاس جس جگہ طلب کیا گیا اس کا نام مینکر رُول تھا۔ اس اجلاس کا مقصد جنگ کی ممکنہ سختیوں اور نتائج پر تبادلہ خیال کرنا اور سرداران اور خانوں کو وانگ کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے پر آمادہ کرنا تھا۔ ہر سردار کے ساتھ فوجی دستوں کی ایک قابل ذکر تعداد تھی۔ جب بحث کا آغاز ہوا تو چند سرداران نے تجویز پیش کی کہ وانگ کے ساتھ معاملات مذاکرات سے نمٹا لیے جائیں لیکن تمیوجن نے انھیں یقین دلایا کہ ہتھیار ڈالنے کی شرط کے سوا معاملے میں سلجھاؤ کی کوئی توقع نہیں۔ اس صورت میں وانگ خان اس سے کم پر راضی نہ ہو گا۔ ان حالات میں تمیوجن تمام اتحادیوں کو باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ جنگ کے سوا اب کوئی باعزت راستہ نہیں رہا۔ اب تمیوجن نے ان دو غلاموں کو جنھوں نے جان جوکھوں میں ڈال کر خفیہ معلومات اس تک پہنچائی تھیں، انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے بعد فوج کی تشکیل کی گئی اور حملے کا طریقہ وضع کیا گیا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا کھلے میدان میں ہوا۔ وانگ خان کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا اور کسی طرح نیمن تک پہنچ گیا اور ان سے پناہ طلب کی۔ نیمن کو وانگ سے اپنی رشتہ داری کا پاس تھا لیکن ان کے لیے تمیوجن جیسے سردار سے دشمنی مول لینا ممکن نہ تھا۔ لیکن ہاتھ آئے دشمن کو چھوڑ دینا بھی قرین مصلحت نہ تھا۔ چنانچہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ایک دن مقررہ وقت اور مخصوص جگہ پر ہلہ بول کر وانگ خان کو قابو کر کے اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ وانگ خان اور اس کے بیٹے کے سروں کو چاندی کی طشتریوں میں رکھ کر عوام کے لیے بطور نظارہ رکھ دیا گیا۔ اس طرح مغل جنگجو تمیوجن کی جلاوطنی کے دور کا ایک اہم باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ ابھی تک کے گزرے واقعات کے نتیجے میں تمیوجن کے فطری میلان میں اس کی بہادری کے ساتھ ساتھ انتقام اور بے رحمی کے عناصر بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان عناصر کے پیچھے بورتی کے اغوا، مخالف سرداروں کی سازشیں اور دشمنوں کی یورش جیسے واقعات کارفرما تھے۔ ان واقعات میں اس کی بہادری اور غیر معمولی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئی تھیں جو اسے (تمیوجن) کو دوسروں پر ممتاز کرتی تھیں۔ واقعات کی بو سونگھ کر وقت سے قبل متحرک ہو جانا اس کی ذات کا زبردست شیوہ تھا۔ اس غیر معمولی حس سے کام لے کر اس نے بارہا خود کو اور اپنے قبیلے کو خطرے سے بچایا تھا۔

ایک مرتبہ وہ ایک دوسرے قبیلے کے سردار کی دعوت پر گیا، اس کے ساتھ اس کے قبیلے کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد تھی۔ جب وہ تمام لوگوں سے مل کر بیٹھنے کی مخصوص جگہ تک لے جایا گیا تو اسے خطرے کا احساس ہوا اس نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ بعد میں حالات جاننے پر پتہ چلا کہ قالینوں کے نیچے ایک گہری خندق اس کی منتظر تھی جسے اسے اور اس کے قبیلے کی قبر بنائے جانے کی سازش کی گئی تھی۔ تمیوجن کے

بروقت فیصلے نے اس کے قبیلے کو محفوظ رکھا ورنہ آج تاریخ مختلف ہوتی۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ منگول کوئی باقاعدہ شہر بنا کر تو نہیں رہتے تھے بلکہ وہ ایک مخصوص شکل کے خیموں میں رہتے تھے۔ جب بھی انھیں نقل مکانی درکار ہوتی خیموں کو بڑے بڑے چھکڑوں پر لاد کر آگے چل پڑتے تھے۔ ان چھکڑوں کو بیل کھینچتے تھے۔ یہ نقل مکانی موسم گرما کی سختیوں سے بچنے کے لیے یا سرمائی چراہ گاہوں کی تلاش میں کی جاتی تھی۔ ایسے ہی ایک سفر میں جب تموجن اپنے قبیلے والوں کو ایک ریوڑ کی شکل میں لے کر سرمائی چراہ گاہوں کی تلاش میں آگے بڑھ رہا تھا اچانک اس کے اشارے پر بڑھتے قدم رک گئے۔ تموجن کا خیال تھا کہ کہیں سے خطرہ ان پر منڈلا رہا ہے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اس نے عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو چھکڑوں کے حصار کے اندر کر دیا اور ان کی حفاظت کے لیے کم سن لڑکوں پر مشتمل ٹولیوں کو تیر اندازی پر مامور کر دیا۔ جلد ہی انھوں نے دیکھا کہ ایک لشکر جرار ان کی طرف بھاگا چلا آ رہا ہے۔ یہ تائجون تھے جو ان کے پرانے رقیب تھے۔ تائجون کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئے تھے اور ان کے ارادے نیک نہ تھے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ وہ تموجن اور اس کے ساتھیوں کو حیرانی میں جالیں گے جب وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مصروف سفر ہوں گے۔ اس طرح وہ مردوں کو آسانی سے کاٹ کر عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو ہانک کر لے جائیں گے۔ لیکن ان کی سکیم کے برعکس، تموجن ہوشیار اور چوکس تھا۔ گو اس کی عددی تعداد تائجوت سے خاصی کم تھی۔ سترہ ہزار منگول اور تیس ہزار تائجوت موت کا کھیل کھیلنے کے لیے تیار تھے۔ سورج فلک سے یہ نظارہ دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ موت کا شیطانی رقص شروع ہوا۔ دونوں اطراف نے خوب مقابلہ کیا، دونوں فریق اپنے اپنے طریقوں اور پینتروں سے جنگ کا نقشہ اپنے حق میں موڑنا چاہ رہے تھے۔ شطرنج کے کھیل کی طرح بازی کبھی ادھر پلٹتی کبھی ادھر، گروہ منتشر ہوتے پھر یکجا ہو جاتے۔ ان تمام کے پیچھے جو اَن دیکھی قوتیں کارفرما تھیں ان میں اعلیٰ قابلیت اور بلند، بالا اور قوی جذبوں کا یقین محکم تھا جس کی بدولت تموجن کا پلہ بھاری رہا اور تائجوت ہزاروں لاشیں گدھوں کے حوالے کر کے رات اندھیرے کی آڑ لے کر فرار ہو گئے۔ اس اچانک حملے میں تموجن کی فتح نے اسے وہ نفسیاتی برتری دلائی کہ وہ اس زمانے کے دستور کے مطابق ہاتھی دانت سے بنی جریب ہاتھ میں لیے نظر آتا تھا جس کا مطلب تھا ''لوگوں کا سردار۔''

منگول برادری

اب اس کے گرد موجود انسانوں کے سروں میں قابل ذکر اضافہ ہو رہا تھا۔ دولت کی پہلے ہی اس کے پاس کمی نہ تھی۔ اسے جانثار ساتھیوں اور جنگجوؤں کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وہ روزانہ تنگری سے دعا کرتا کہ وہ اسے آدمیوں کی مدد بھیجے تاکہ وہ زمین پر اقتدارِ اعلیٰ قائم کر سکے۔ تنگری سے دعا کے لیے وہ اس بلند پہاڑی پر چڑھ جاتا جس کی چوٹی تک پہنچنا کسی چھوٹے موٹے کا کام نہ تھا۔ تصورِ عام تھا کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر آسمانی ارواح ''تنگری'' کا مسکن تھا۔ بہر کیف اس کی دعائیں رنگ لاتی نظر آ رہی تھیں۔ جلد ہی اس کے گرد جانثار اور وفادار بہادروں کا ایسا دستہ تیار ہو گیا جس نے بعد میں تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا۔

وانگ خان کے خاتمے کا مطلب تھا قرابت قبیلے کا خاتمہ۔ اس خاتمے نے تموجن کی دھاک ہر طرف بڑھا دی۔ خانہ بدوش روایات کے

مطابق اب اسے چین کی بانسری بجانا چاہیے تھی اور جب لوٹا ہوا مال واسباب اور مویشی ختم ہو جاتے یا کم پڑ جاتے تو پھر نئی لوٹ مار کے لیے مہم ترتیب دیتا۔ لیکن تموجن ایسا نہ تھا، اس میں چیتے کی سی پھرتی، لومڑی کی سی مکاری اور بھیڑیے کی سی چالاکی تھی وہ اپنے زمانے سے آگے کی سوچ کا حامل تھا۔ اس کے دشمنوں نے اس کی شخصیت کی تشکیل کی تھی اور مشکلوں اور صعوبتوں نے اسے طاقت ور بنایا تھا۔ یہ بات طے تھی کہ اس کے ذہن میں ایک سوچ انگڑائی لے رہی تھی کہ تمام قبیلے مل کر ایک برادری (Commonwealth) تشکیل دیں جس کا ایک مرکز اور ایک سردار ہو۔ تمام کے دشمن مشترکہ ہوں اور ان کا مقابلہ بھی مشترکہ ہو۔ اس طرح آپس کی لڑائیوں اور صحرائے گوبی کو کشت وخون سے نجات مل جائے گی۔

یہ سوچ اس عہد کے لیے ایک نیا خیال تھا۔ جب ایک قوم ایک نعرے کی بات کی گئی تو اگلا سوال لامحالہ یہی تھا کہ وہ کون سرکردہ رہنما ہوسکتا تھا جو ان منتشر قبائل کو ایک لڑی میں پرو دے اور پھر اس زنجیر کے ایک سرے کو مضبوطی سے تھام کر دوسرے سرے کو غیر اقوام پر ہتھوڑے کی طرح برسائے، ان خیالات کو عملی شکل دینے کی غرض سے تمام سرداران کا ایک مشترکہ اجلاس طلب کیا گیا جس میں یہ طے کیا جانا تھا کہ ان سب کا ایک سردار یعنی سردارِ اعظم کون ہوگا۔

چنگیز خان کا ظہور

ایک نجومی نے پیش گوئی کی کہ اس سردار کا لقب چنگیز خان یعنی ''خانوں کا خان'' ہوگا۔ اس نے علم کی رو سے اس شخص کا نام تموجن بتایا۔ اس شخص کی پیش گوئی نے خاموشی کو زبان دے دی اور تمام حاضرین نے تموجن کی شاندار صلاحیتوں کے اعتراف میں اسے ''چنگیز خان'' کا لقب عطا کر کے اپنا سردار مان لیا۔ اس تاریخی اجلاس کو مقامی زبان میں کرولتائی کہا گیا۔ تموجن کے ایک دیرینہ خواب کی تکمیل ہوئی کہ تمام قبائل متحد ہوں اور ان کا سردار ایک ہو۔ اس وقت چنگیز کی عمر 46 برس تھی۔

اب قوم تو اس کے سامنے تھی لیکن متحد نہ تھی۔ اسے ایک آ کائی بنانے کے لیے کسی ایک قانون کی ضرورت تھی جو قدیم روایات اور خالص نئے نظریات کا مرکب ہو۔ اس کی پاسداری ہر قبیلے پر فرض ہوگی یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ہر قبیلے کی اپنی اپنی رسومات تھیں اور ان رسومات کا باہمی ٹکراؤ کسی بھی وقت امن کی بساط لپیٹ سکتا تھا۔ ان واقعات کی روک تھام کے لیے چنگیز خان نے اعلانِ عام کر دیا کہ اس نے منگولوں کو ایک آ کائی بنانے کے لیے ''قوانین کا مجموعہ'' (یاسا) تشکیل دیا ہے جس کی اطاعت ہر ایک پر لازم ہوگی۔ یاسا میں نسل درنسل چلی روایات کو خیر آباد نہیں کہا گیا جیسے کسی عالی نسب کا خون نہ بہایا جائے، منگول سفیر کو قتل کرنے کا مقصد منگولوں کے خلاف اعلانِ جنگ ہوگا وغیرہ وغیرہ یاسا قوانین میں تحریر شدہ قانون کی زبان درج ذیل تھی:

حکم دیا جاتا ہے کہ ''تمام انسان ایک خدا کی پرستش کریں جس نے زمین، آسمان بنائے، وہ اپنی مرضی کا مالک ہے، جسے زندگی دے یا موت، غریبی دے یا امیری جس کی طاقت کائنات کے ذرے ذرے پر ہے۔

اخلاقی قوانین کے بارے میں قرار دیا گیا کہ والدین کی اطاعت کی جائے، چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی نافرمانی مت کرے۔ امیر غریبوں

کی مدد کریں۔ ہلکے لوگ سرداروں کی تعظیم کریں۔ حسب ونسب کی عزت کی جائے۔ چوری اور زنا کے مرتکب افراد کی گردن ماردی جائے۔ منگولوں پر لازم تھا کہ وہ کسی حال میں منگول کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، مغلوں کی آپس لڑائی ترک کردی گئی، چونکہ منگول نشے کے عادی تھے۔ معاشرے میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لیے انھیں پابند کیا گیا کہ وہ روزانہ شراب پینے سے اجتناب کریں گے اور مہینے میں تین مرتبہ شراب کے نشے میں مدہوش ہو سکتے ہیں۔ اس دور کی بربریت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اخلاقی قوانین کا نفاذ انقلابی فیصلوں کی غمازی کرتا ہے۔ دورِ جدید میں یورپ اور امریکہ بھر میں شراب پی کر گاڑی چلانا ممنوع ہے۔ ان قوانین کے نتیجے میں منتشر قبائل زندگی میں ترتیب اور وحدت کا عنصر واضح نظر آنے لگا۔ کچھ ہی عرصے میں منگول ایک طاقت بن کر ابھرے۔

ٹنگٹ کے خلاف مہم

نائیمنز پر فتح (1204) اور ٹنگٹ کے خلاف کامیاب مہم جوئی (1209) کے درمیانی عرصے میں چنگیز خان نے اپنی تمام تر توانائی جنگ کی بجائے تنظیمی امور کی درستگی پر مرکوز رکھی۔ یہ وہ عرصہ تھا جب اس نے جنگی معاملات اپنے جرنیلوں پر چھوڑ دیے تھے جبکہ وہ خود اپنی ایمپائر کے اندرونی ڈھانچے کی بنیاد اور شاہی خاندان کی طاقت کی مضبوطی کا سامان فراہم کر رہا تھا۔

اس نے ایک غیر معمولی کام کیا۔ 1206ء کے کرولتائی کے اختتام پر، اس نے بروک خان کے خلاف مہم جوئی کا فیصلہ کیا۔ یاد رہے کہ یہ وہی بروک خان تھا جو وانگ خان اور تموجن کے ہاتھوں شکست کے بعد سیاہ ارتش کی طرف نکل گیا تھا۔ بروک خان نے چنگیز کے خلاف جدوجہد میں اپنے بھائی کا ساتھ نہ دیا تھا لیکن اس کا کیمپ چنگیز خان کے دشمنوں کا گڑھ بن گیا تھا۔ تیانگ خان کا بیٹا کچلوک اور ٹوکترو کا بیکی اکثر وہاں آتے جاتے تھے۔ بروک خان کو چنگیز کے ارادوں کا اندازہ تھا۔ وہ شکار کی مہم پر نکلا ہوا تھا کہ منگولوں نے حملہ کر کے اسے پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا اور اس کے بیوی بچوں، مال مویشی اور مال واسباب اغوا کر کے لے گئے۔

اس فتح کے بعد کرغز (Kirghiz) نے 1207 میں اظہار اطاعت کے طور پر چنگیز خان کے دربار میں سفیر بھیجے جن کے ہاتھ خوبصورت سفید باز چنگیز کی خدمت میں بھیجے۔

Oirals نے 1208 میں منگولوں کو بیکی اور کچلوک کی کمین گاہ کے بارے میں اطلاع بہم پہنچائی۔ ان کی ملاقات منگول دستوں کی اگلی ٹولی سے اتفاقیہ طور پر ہوئی جسے مرکٹس اور کچلوک کے خلاف ایکشن کے لیے بھیجا گیا تھا۔ Oirals نے انھیں دشمن کے ٹھکانے کی طرف رہنمائی فراہم کی جو بیرک خان کے ہاں پناہ لیے ہوئے تھا۔ بیکی اور کچلوک منگول دستوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور دریائے ارتش پر ان سے لڑائی کے لیے کمر کس لی۔ بیکی کو ایک اندھا تیر چاٹ گیا اس کے بیٹوں کے پاس کوئی موقع نہ تھا کہ وہ اس کی لاش وہاں سے اٹھا کر لے جاتے یا اٹھا کر دفن کر دیتے چنانچہ انھوں نے اس کا سر کاٹ لیا اور نائیمن اور مرکٹ کی مشترکہ فوجیں واپس لوٹ گئیں، بہت سے سپاہی ارتش دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گئے، جو بچے وہ جا بجا پھیل گئے۔ کچلوک کارا خطائی کی طرف بھاگ گیا اور مرکٹس اور بیکی کے بیٹے کیپچکس کے ساتھ مل گئے۔

چنگیز خان کی شہرت سارے وسطی ایشیا میں پھیل چکی تھی اور اس کی فتوحات کی خبریں اور طاقت کے سنگھاسن پر فائز ہونے کی اطلاع ایگورز(Uighurs) کے حاکم بارچک تک پہنچی۔ اس کا لقب ''اِری کٹ'' تھا۔ اری کٹ جوایک ترکی لقب تھا جس کا مطلب ''مقدس بادشاہ'' تھا، وہ کاری ختائی کوخراج ادا کرتا تھا، اور باجگزاری کی اس قید سے رہائی چاہتا تھا، اسے امید تھی کہ انھیں چنگیز کی مدد میسرآ جائے گی۔ سانپ کے سال 1209 کے موسم بہار میں اری کٹ نے چنگیز کی طرف ایک سفارت بھیجی اور اسے ایگورز پر حکمرانی کی پیش کش کی۔ اگر آپ چنگیز خان ہماری حمایت کریں تو میں آپ کا پانچواں بیٹا بن جاؤں گا اور اپنی تمام طاقت آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا۔ چنگیز نے اس وفد کی گزارشات کومثبت انداز میں سنا وہ اپنی بیٹی التون کی شادی اری کٹ کے ساتھ کرنے پر تیار تھا۔ لیکن اسنے ایک شرط رکھی کہ اری کٹ بنفس نفیس اس کے سامنے حاضر ہو، وہ اپنے ساتھ سونے چاندی اور سلک پرمبنی قیمتی تحائف لے کر آئے۔ بارچک کو چنگیز کے اس جواب پر ردعمل ظاہر کرنے کی کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ انتظار کررہا تھا کہ حالات کھل کر سامنے آ جائیں۔ 1209ء کے موسم گرما میں چنگیز نے ایک دوسری سفارت اری کٹ کی طرف بھیجی اور بیل کے سال 1211ء میں بارچک نے چنگیز خان کے مطالبے کی تعمیل کر دی۔ وہ خود چل کر خان کے سامنے حاضر ہوا اور ٹنگٹ کے خلاف فتح پرمبنی مہم کے بعد کیرولن کے نزدیک خیمہ زن ہوا۔

ایگورز منگول قوم سے باہر پہلے لوگ تھے جنھوں نے چنگیز خان کی حاکمیت کو تسلیم کیا۔ سیاسی اعتبار سے یہ نہایت اہمیت کا واقعہ تھا۔ فوجی نقطہ نظر سے منگول جنوب مغرب کی طرف سے ممکنہ پریشانیوں سے آزاد ہو گئے۔ اسی سال اری کٹ کے واقعے کے بعد کارلوک کے ارسلان نے چنگیز کی طرف ایسا ہی خراج تحسین بھیجا جس کے جواب میں چنگیز نے اپنی ایک بیٹی کی شادی ارسلان سے کر دی۔

ٹنگٹ کے خلاف جنگ

منگول قبائل اب متحد تھے اور وسط ایشیا کے خانہ بدوش چنگیز خان کی قیادت میں متحرک ہو چکے تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ منگول خانہ بدوش کے لیے جانوروں کے گلے اور سرسبز، شاداب چراہ گاہیں زندگی اور موت کا مسئلہ تھے۔ منگولیا کے خانہ بدوش لوگوں کی معیشت نے کافی نقصانات برداشت کیے تھے۔ مسلسل جنگوں اور موسمی تبدیلیوں نے ان کے جانوروں کے گلے کے گلے ہلاک کر ڈالے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ جانوروں کی تعداد بڑھائی جائے۔ ٹنگٹ کے علاقے پر منگولوں کے ابتدائی حملوں کے پس منظر میں یہی بنیادی وجوہات کارفرما تھیں۔ ٹنگٹ ایمپائر جس کی شمالی سرحد جنوبی گوبی سے لے کر کامی کے نخلستان تک کی ان زمینوں سے متصل تھی جن کے آباد کار منگول تھے۔ یہ وہی منگول تھے جو گیارہویں صدی میں ایشیا کی زبردست فوجی طاقت بن چکے تھے اور اپنی سلطنت ننکسیا، اردوس اور گانسو کے کچھ حصوں تک بڑھا چکے تھے۔ آبادی کے بڑے حصے ٹنگٹ، تبتین، زرد ایگورز اور چینیوں پر مشتمل تھے۔ ٹنگٹ کے لوگ زراعت سے وابستہ، مویشی پالنے والے اور تجارت پیشہ تھے۔ ٹنگٹ کے پاس ایک بڑی فوج اور مضبوط شہر تھے جن کا دفاع اس قدر مضبوط تھا کہ منگول سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ان پر کیسے حملہ کیا جائے ٹنگٹ کے خلاف منگولوں کی ابتدائی مہمات محض حملے تھے۔ کرولتائی سے قبل 1205ء تک، منگول فوجوں نے ایلا آبائی کی زیر قیادت ٹنگٹ سرزمین پر حملہ کیا اور اونٹوں

اور دوسرے جانوروں پر مشتمل قیمتی خزائن لاد کر واپس لوٹے۔

1207ء کے موسم خزاں میں کی جانے والی دوسری مہم اسی طرح کی لوٹ مار تھی اور منگولوں نے وولوہائی کا شہر لینے کے بعد، علاقے میں لوٹ مار کی تھی اور 1208ء کے موسم بہار میں گھر لوٹ آئے۔ سیاح اور مورخ یوآنشی کا خیال ہے کہ ایسا موسم گرما کی جھلسا دینے والی لو سے بچنے کے لیے کیا گیا تھا لیکن ایسا شاید نئے ٹنگٹ حکمران لی۔آرکوان کے تخت پر بیٹھنے کے سبب کیا گیا۔ 1207ء میں اسے چین میں زی زیا کے حکمران کی حیثیت سے پہچانا گیا۔اس کے پیش رو لی۔چونیو کو ایک محلاتی انقلاب کے نتیجے میں تخت سے دستبردار ہونا پڑا کیونکہ وہ ایمپائر کا دفاع کرنے میں ناکام ہو گیا تھا جبکہ اس کے پاس عددی اعتبار سے ایک برتر فوجی قوت بھی موجود تھی۔

ٹنگٹ کے حساس جنگی محل، وقوع اور چین کی طرف جانے والے راستے پر موجودگی نے چنگیز خان کو ٹنگٹ کے خلاف مہم ترتیب دینے پر آمادہ کیا، اس مرتبہ اس کا ارادہ ٹنگٹ کو مکمل طور پر شکست دینے کا تھا تا کہ چین پر حملے کی راہ ہموار ہو سکے۔ 1209ء میں منگول فوج 650 میل کی پیش قدمی کے بعد گوبی کے ریتلے میدانوں سے ہوتی ہوئی چنگیز خان کی براہ راست کمان میں ٹنگٹ ایمپائر کی طرف بڑھی۔ مئی میں وولوہائی کو تباہ کرنے کے بعد، منگولوں کو وائینگ لینگو گونگ کی زیر کمان ٹنگٹ فوج کے ہاتھوں ایک پہاڑی درے کے نزدیک ہزیمت اٹھانا پڑی لیکن ٹنگٹ اس فتح کو برقرار نہ رکھ سکے اور دونوں فوجیں دو ماہ تک اپنی اپنی جنگی پوزیشنوں پر ڈٹی رہیں۔اگست میں منگولیا سے کمک پہنچنے پر منگول حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے پیچھے ہٹنے کی جھوٹی چال چلی تا کہ مخالف اپنے مورچہ بندیوں سے باہر نکل آئیں اور ان کے پیچھے آئیں۔ یہاں بھی ان کی ترکیب کارگر ہوئی۔ٹنگٹ بظاہر پیچھے ہٹتی منگول فوج کے تعاقب کے لیے نکلے۔منگولوں نے پلٹ کر کاری وار کیا اور ٹنگٹ کمانڈر وائمنگ کو پکڑ لیا۔ٹنگٹ کے صدر مقام کی طرف جانے والا راستہ اب کھلا تھا، انھوں نے آگے بڑھ کر محاصرہ شروع کر دیا۔ٹنگٹ نے خوب مزاحمت کی منگول تب تک قلعہ بند شہروں کا محاصرہ کرنے میں اتنے تجربہ کار نہ تھے۔محاصرہ اور مزاحمت طول پکڑنے پر اکتوبر میں چنگیز نے ایک بڑے ڈیم کی تعمیر کا حکم دیا جس کا مقصد پانی کا ذخیرہ کر کے اس کا منہ شہر کی طرف کرنا تھا۔صدر مقام اب انتہائی خطرے والی کیفیت میں تھا۔ٹنگٹ حکمران نے ایک تیز رفتار قاصد چن بادشاہ کی طرف مدد کے لیے بھیجا۔بادشاہ کے مشیروں نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اسے ٹنگٹ والوں کی درخواست پر ہاں کہنی چاہیے۔بادشاہ کے مشیر بادشاہ کی نسبت دور بین صلاحیتوں کے مالک تھے۔انھوں نے کہا کہ اگر زی زیا شکست کھا جاتا ہے تو منگول یقیناً ہم پر حملہ کریں گے۔بادشاہ کچھ سننے پر تیار نہ تھا۔اسنے کہا کہ "یہ میرے ملک کیلئے فائدے والی بات ہے اگر دشمن ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہیں۔ہمیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

ٹنگٹ کے صدر مقام کی قسمت کا حال نوشتۂ دیوار تھا لیکن ایک غیر متوقع واقعے نے تمام منظر ہی تبدیل کر دیا۔جنوری 1210ء میں ٹنگٹ کی جانب سے کی جانے والی چھاپہ مار کارروائی کے نتیجے میں پانی ڈیم سے باہر آ گیا ایسا ایک شگاف کے ذریعے کیا گیا۔ٹنگٹ والوں کا منصوبہ تھا کہ منگول کیمپ پر پانی کا سیلاب چڑھا دیا جائے اور عملی طور پر ایسا ہی ہوا۔امن مذاکرات شروع ہو گئے۔چنگیز نے مطالبہ کیا کہ ٹنگٹ اسے مددگار دستے فراہم کریں ٹنگٹ حکمران نے جواب دیا کہ ہم شہر کے بسنے والوں پر مشتمل قوم ہیں، ہم ایک تھکا دینے والی جنگ کے بعد طویل پیش قدمی کی غرض سے مددگار دستے فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو سکتے۔البتہ اس کے بدلے میں اس نے کثیر تعداد میں مال وزر، اونی، سلکی کپڑا، اونٹوں کے گلے،

تربیت یافتہ باز اور اپنی ایک بیٹی چنگیز کو بطورِ بیوی دینے کا وعدہ کیا۔

موجودہ صورتِ حال میں چنگیز کو اس پیش کش سے مطمئن ہونا پڑا لیکن وہ یہ بات بھول نہ پایا کہ ٹنگٹ والوں نے اسے مدد گار دستے فراہم کرنے سے انکار کیا تھا۔ اپنی کامیاب مغربی مہمات سے فراغت کے بعد چاہے وہ خرابی طبیعت کا شکار تھا لیکن وہ اہل ٹنگٹ سے پرانا بدلہ چکانا نہ بھولا۔

ٹنگٹس نے چن کے رویے سے تنگ آ کر اس کے ساتھ 1165ء سے چلا آ رہا امن معاہدہ توڑ ڈالا تھا جس کے نتیجے میں چن کے سرحدی علاقوں پر ہلہ بول کر لوٹ مار کرنا آئے روز کا معمول بن گیا تھا۔ چن اور ٹنگٹس کے درمیان جارحانہ کاروائیاں 1225ء تک جاری رہیں جب ان کے درمیان اپنے مشترکہ دشمن منگول کے خلاف نیا معاہدہ وجود میں آیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اردو ادب کے مشہور افسانے

کتاب **اردو ادب کے مشہور افسانے** بھی کتاب گھر پر دستیاب ہے جس میں درج ذیل افسانے شامل ہیں۔ (آخری آدمی، پسماندگان، انتظار حسین)؛ (آپا، ممتاز مفتی)؛ (آنندی، غلام عباس)؛ (اپنے دُکھ مجھے دے دو، وہ بڈھا، راجندر سنگھ بیدی)؛ (بلاؤز، کالی شلوار، سعادت حسن منٹو)؛ (عیدگاہ، کفن، شکوہ شکایت، منشی پریم چند)؛ (گڈریا، اشفاق احمد)؛ (توبہ شکن، بانو قدسیہ)، (گنڈاسا، احمد ندیم قاسمی)؛ (حرام جادی، محمد حسن عسکری)؛ (جینی، شفیق الرحمٰن)؛ (لحاف، عصمت چغتائی)؛ (لوہے کا کمر بند، رام لعل)؛ (ماں جی، قدرت اللہ شہاب)؛ (مٹی کی مونا لیزا، اے۔حمید)؛ (اوورکوٹ، غلام عباس)؛ (مہالکشمی کا پل، کرشن چندر)؛ (ٹیلی گرام، جوگندر پال)؛ (تیسرا آدمی، شوکت صدیقی) اور (ستاروں سے آگے، قراۃ العین حیدر)۔

یہ کتاب **افسانے** سیکشن میں پڑھی جا سکتی ہے۔

چین پر یورش اور ختا

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

ملک چین ہمیشہ سے خانہ بدوش حملوں کا نشانہ رہا تھا۔چین کی غیر معمولی دولت نہ صرف ان کے لیے باعث کشش تھی بلکہ اس قدیم اور مہذب قوم کا فاتح کہلوانا ایشیا بھر میں باعث عزت، افتخار سمجھا جاتا تھا۔خانہ بدوش البتہ سرحدی علاقوں میں لوٹ مار کر کے مطمئن ہو جاتے تھے۔ چنگیز خان کے خروج کے پیچھے ''گولڈن خان'' کی خانہ بدوش طاقت کا خوف تھا۔اس نے چن بادشاہ کی حاکمیت ایک مدت سے قبول کر رکھی تھی، اسے ٹیکس ادا کرتا تھا اور اس کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دینے پر اسے چاؤ۔کرسی کا لقب اور نشان عطا کیا گیا تھا۔یہ نشان وانگ خان کے قافلے کی بھی علامت تھا لیکن اب چونکہ چنگیز خان منگول بھر کا خان بن چکا تھا اس لیے اسے یہ توقع تھی کہ چن بادشاہ کے لیے منگولیا میں طاقت کی نئی شکل کو قبول کرنا مشکل ہوگا۔سرحدوں پر ایک طاقتور حکمران چن کے لیے ایک مسلسل خطرہ تھا اگرچہ چن حکمرانوں نے 1206ء تک اس کا اظہار نہ کیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ سنگ کے ساتھ ان کی جنگ چھڑ چکی تھی۔ 1208ء میں امن کے حصول کے بعد سنگ کو دگنا خراج ادا کرنے اور چن کو اپنا حکمران تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

ملک چین کو زمانے کی دست، برد سے بچانے والی عظیم دیوار کے پیچھے رونما ہونے والے واقعات بلند و بالا ایشیا سے قطعی مختلف تھے۔ یہاں تقریباً پانچ ہزار سال پرانی انسانی تہذیب آباد تھی۔جس کی تیس صدیوں پر محیط تاریخ رقم کی جا چکی تھی اور یہاں بسنے والے انسان جنگ و جدل کے ساتھ ساتھ مراقبوں اور ریاضتوں میں بھی اپنی زندگیاں گزار چکے تھے۔

کبھی ان انسانوں کے آباد خانہ بدوش ہوا کرتے تھے، گھڑ سواری اور تیر کمان کا استعمال ان کی زندگیوں کا لازمی جزو تھا لیکن تین ہزار سالوں سے انھوں نے کہیں نقل مکانی کرنے کی بجائے، شہر تعمیر کرنا شروع کر دیے تھے اور اس دور میں خاصا کام کر بھی ڈالا تھا۔ان کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی اور جب انسان بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے پر ہجوم کی سی حالت ہوتی ہے۔وہ دیواریں تعمیر کرتے ہیں اور خود کو انسانوں کی مختلف ذاتوں اور درجوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

عظیم گوبی صحرا کے باسیوں کے برعکس، عظیم دیوارِ چین کے پیچھے رہنے والوں میں غلام، کسان، مفکر، سپاہی اور بھکاری سبھی کچھ تھے۔ان میں تعلیم یافتہ چینی عامل، ڈیوک اور شہزادے بھی تھے۔ان کا ایک بادشاہ تائی بی ہوتا تھا۔جسے وہ ''آسمانوں کا بیٹا'' کہتے تھے۔اس کی ایک عدالت تھی۔

سال 1210ء بارہ جانوروں کے چینی کیلنڈر میں بھیڑ کا سال منایا جاتا تھا، تخت پر چن یا گولڈن خاندان براجمان تھا۔عدالت جدید بیجنگ کے مقام کینز دیک ہی ین کنگ (Yen King) کے مقام پر تھی۔

ختا ایک بوڑھی عورت کی طرح تھی جو مراقبے اور ریاضت میں ڈوبی رہتی تھی، اس کا لباس بھاری بھرکم کپڑوں پر مشتمل تھا، وہ ہر وقت بچوں میں گھری رہتی تھی جو اسے کم ہی ستاتے تھے۔ اس کے جاگنے اور سونے کے اوقات پہلے سے طے شدہ تھے۔ وہ گاڑیوں (چیریٹ) کے قافلے میں سفر کرتی خدمت پر نوکر چاکر مامور ہوتے اور مُردوں کی نشانیوں کے طور پر لگائی ٹیبلٹس (یادگاری تختیوں) کے پاس رُک کر دعا کرتی۔

بوڑھی عورت کا لباس متفرق رنگوں والا اور سلکی ہوتا تھا۔ جبکہ اس کے نوکر سوتی کپڑے کا پہناوا پہنتے اور اس کی چیریٹ کے آگے آگے ننگے پاؤں بھاگتے تھے۔ اس کے اعلیٰ مناصب پر فائز عمالوں کے سروں پر چھتریاں تانی گئی ہوتی تھیں۔ ان کی رہائشی بستیوں کے اندر داخلے کے مقام پر سکرینیں نصب کی گئیں تھیں تا کہ آوارہ شیطانوں کے داخلے کو روکا جا سکے۔ اس نے انسانوں کا رویہ درست رکھنے کے لیے کئی رسومات اختیار کر رکھی تھیں۔

ایک صدی قبل شمال کی طرف ملک چین میں داخل ہونے والے نیم وحشی خود چن تھے، انھوں نے عظیم دیوار کے پیچھے خود کو انسانوں کے سمندر میں جذب کر لیا، ان کی رسومات کو اپنا لیا، ان کے پہناوے پہن لیے اور کیتھے کے طرزِ زندگی اور رہن سہن میں گھل مل گئے۔

کیتھے کے شہروں کے اندر گنگناتی ندیاں اور پانی پر چلنے والی بجرے تھے، جہاں مرد شراب، شباب کے مزے لوٹتے تھے۔ عورتوں کے ہاتھ میں روایتی گھنٹیاں تھیں جن کی مدھر تا مردوں کو لبھاتی تھیں۔ پگوڈا کی چھت پر بیٹھ کر مندر کے پجاریوں کی باتیں سنتے۔ انھوں نے بھولے وقتوں کی تحریر کردہ یمبو کتب کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور ٹی آ نگ کے منعقد کردہ جشنوں کا تذکرہ کیا۔ وہ چن کے آدمی تھے جن کا اولین کام سلطنت کی تابعداری تھا۔ اگر چہ ماسٹر کوآ نگ کے دور میں وہ شاہی سواری کو دیکھ کر فقرہ کستے تھے کہ بدی آگے اور نیکی پیچھے جا رہی ہے یا کوئی آوارہ منش شاعر نشے میں دُھت دریا کنارے چاند کی روشنی کے سحر میں کھویا دریا میں جا گرتا ہے اور ڈوب جاتا ہے۔ یہ موت اسے دوام بخش جاتی ہے۔

قرونِ وسطیٰ کا رمتا گویا شاعر مستغرق تھا، ستارہ شناس چھت پر بیٹھا ستاروں کی حرکات میں محو تھا۔ دیواروں کے پار سے کسی پرندے کی کوک صدا نہیں دے رہی تھی صرف لمبی رات کی خاموشی میں ہوا سرگوشیاں کر رہی تھی اور موت کے بھوت غم و یاس کی کیفیت میں اِدھر اُدھر سرگرداں تھے۔ ڈوبتا ہوا چاند گرتی برف پر چمکنا چاہ رہا تھا۔ ہر تیر ضائع ہو چکا تھا، ہر کمان ٹوٹ چکی تھی۔ جنگ کے گھوڑے کی طاقت جواب دے گئی تھی۔ یہ فوج کے پنجہ استبداد میں جکڑا ہان لی (Han-li) کا شہر تھا۔ گویا مغنی شاعر ایک ایسی تصویر دیکھ رہا تھا جس میں خود موت ہر سو رقصاں تھی۔

اہل ختا کے پاس جنگی انجن اور قدیم چیریٹ تھے جنھیں گھوڑے کھینچتے تھے۔ اس کے علاوہ پتھر پھینکنے والی منجنیقیں تھیں جن کے رسے کھینچنے کے لیے دو سو انسانوں کی طاقت درکار تھی ان کے پاس اڑنے والی آگ تھی جسے بانس کے سوراخ دار ڈنڈوں کے ذریعے پھینکا جاتا تھا۔ جب سے مسلح دستوں اور ان کے چیریٹ نے ایشیا کے میدانوں میں نقل و حرکت کی تھی اور جنگی کمانڈ کے منصوبوں پر غور کرنے کے لیے ایک قلعہ نما عمارت تعمیر کی گئی تھی، تب سے اہل ختا کے لیے جنگ لڑنا ایک آرٹ کا مقام پا چکا تھا۔ وان تی (Kwan-ti) جو جنگ کا دیوتا تھا اس کے پاس پیروکاروں کی کمی نہ تھی۔

اہل ختا کی طاقت ان کی تربیت یافتہ افواج اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد کے نظم وضبط میں پنہاں تھی۔ ایک کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے،

ایک ختائی جرنیل نے سات صدیاں قبل لکھا تھا کہ ''ایک حکمران اپنی فوج کو بادشاہت کی طرح چلا کر اس پر بدقسمتی کے سائے ڈال سکتا ہے جب اسے ان حالات کا علم نہ ہو جو فوج کو درپیش ہیں، اسے لنگڑی فوج کہتے ہیں اور اس سے سپاہ میں بے چینی پھیلتی ہے اور جب کہیں فوج میں بے چینی پھیلتی ہے تو انارکی جنم لیتی ہے اور فتح کہیں دور رہ جاتی ہے۔

ختا کی کمزوری اس کا حکمران بادشاہ تھا جو خود تو ین کنگ سے نکلتا نہیں تھا اور قیادت، سیادت کی جملہ ضروریات اپنے جرنیلوں پر چھوڑ دیتا جبکہ عظیم چینی دیوار کے اس پار بیٹھی خانہ بدوش منگول فوج کی طاقت اس کا بے مثال خان تھا جو خود فوج کی کمان کرتا تھا اور اپنے عہد کا یکتا رہنما اور جرنیل تھا۔

چنگیز خان کا معاملہ اٹلی کے ہنی بال سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے پاس جنگجوؤں کی تعداد معدودے چنداں تھی۔ ایک اکلوتی فیصلہ کن شکست خانہ بدوشوں کو ہمیشہ کے لیے ان کے صحرا میں واپس دھکیل سکتی تھی جبکہ ایک مشکوک فتح لاحاصل تھی۔ چنانچہ انسانی جانوں کا ضیاع چاہے زیادہ ہو یا کم فتح فیصلہ کن درکار تھی۔ وہ فوج کے ڈویژنوں کو جنگ میں اس طرح حرکت دیتا جیسا شطرنج کی بساط پر کوئی استاد چالیں چل رہا ہو۔

ماضی میں جب ختا کے اقتدار کا سورج پوری آب و تاب سے چمک دمک رہا تھا، بادشاہ نے عظیم دیوار کے پار بسنے والے خانہ بدوشوں سے مالِ غنیمت کا مطالبہ کیا تھا۔ کمزوری کے ایام میں، ختا کی سلطنتیں خانہ بدوشوں کی طرف چاندی، ریشمی سلک، تیار شدہ چمڑہ، قیمتی تراشا ہوا پتھر اور اناج اور شراب سے لدا ہوا کاروان بھیجنے پر مجبور تھیں، یہ ایک طرح کی سیاسی رشوت تھی تاکہ خانہ بدوش ان (ختا) پر حملہ آور نہ ہوں۔ کئی درباری مورخ اسے شان و شوکت کا اظہار گردانتے ہیں اور دوستی کے تحائف قرار دیتے ہیں۔ لیکن طاقت کے سالوں میں ایسے تحائف کے بدلے خانہ بدوش خانوں سے تاوان طلب کیا جاتا تھا۔ ماضی کے قبیلے نہ ان شاندار تحائف کو بھولے تھے اور نہ ہی ختائی عمال کے غم و غصے کو بلکہ ان کو سر پر ہیٹ پہننے اور کمر پر پٹی باندھنے والوں کی عظیم دیوار کے اس پار کبھی کبھار کی مہم جوئی بھی یاد تھی۔

چنانچہ مشرقی گوبی کے لوگ زریں بادشاہ کی براہِ نام رعایا تھے۔ کہنے کو مغربی میدانوں کے امراء کے پاس علاقے کا انتظام وانصرام تھا۔ چنگیز کا نام سرکاری عمالوں کی فہرست میں ''باغیوں کے خلاف کماندار'' کی حیثیت سے درج تھا۔ حسب دستور ین کنگ کے ہرکارے منگول خانہ بدوشوں سے گھوڑے اور مویشیوں کا تاوان لینے پہنچ گئے لیکن اس مرتبہ منگولوں نے یہ تاوان ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں صورتِ حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنگیز کے رویے کو دو الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ''ہوشیار اور منتظر۔''

گوبی کے اندر اپنی مہمات کے دوران، چنگیز نے عظیم دیوار کا بغور جائزہ لیا تھا اور اس کے میناروں کے اوپر بنے دروازے اور اینٹوں اور پتھر سے بنی اس مضبوط ترین تعمیر پر گہری نگاہ ڈالی تھی جس پر چھ گھڑسوار بیک وقت دوڑ سکتے تھے۔

عظیم دیوار کے ہر دروازے کے اوپر ین کنگ کا پھریرا لہرا رہا تھا لیکن مغربی میدانوں کی طرف سے کسی نے اس پر رتی بھر توجہ نہ دی۔ سرحدی قبائل، باہر کی آبادیوں کے لوگ اور خطا کے حکمرانوں کی خدمات پر مامور لوگ مصنوعی دہشت کے اس مظاہرے کی تہہ میں پہنچ چکے تھے اور آپس میں طے کر چکے تھے کہ زریں بادشاہ خانہ بدوشوں کے خان سے خوف زدہ تھا۔

چینی بادشاہ کی یہ حالت تھی، جبکہ لاکھوں ختائی دیواروں کی پناہ میں اور اپنے شہروں کی حفاظت میں ایک تہائی ملین خانہ بدوش جنگجوؤں کے لشکر سے چنداں خائف نہ تھے۔ زریں بادشاہ نے جنوب میں سنگ کے قدیم گھرانے کے ساتھ اپنی مسلسل جنگ سے چڑ کر خانہ بدوش گھڑ سواروں کی مدد طلب کی تھی۔ یہ درخواست ایلچیوں کے ہاتھ منگولوں کی طرف بھیجی گئی تھی۔

چنگیز نے کئی تومان فوراً بادشاہ کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ چپی نویان اور دوسرے کئی اورخونوں نے ان گھڑسوار ڈویژنوں کی کمان کی۔ انھوں نے زریں بادشاہ کی طرف سے کئی کارہائے نمایاں انجام دیے، اس کی تفصیلات دستیاب نہیں لیکن انھوں نے سلطنت ختا کا مشاہدہ کیا اور معلومات حاصل کیں۔ جب وہ اس مشن سے فارغ ہو کر واپس گوبی پہنچے تو ان کے پاس ختا کی جغرافیائی خصوصیات کے بارے میں بیش قدر معلومات تھیں۔

واپسی پر وہ اپنے ساتھ حیران کن کہانیاں لائے۔ ختا میں انھوں نے دیکھا کہ صاف ستھری پکی سڑکیں دریاؤں کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی تھیں، کنکریٹ کے پلیٹ فارم تھے، لکڑی کے تختے دریاؤں میں تیر رہے تھے۔ تمام بڑے شہروں کے گرد اونچی فصیلیں اور دیواریں بنائی گئی تھیں جو گھوڑے کی چھلانگ کے لحاظ سے بہت بلند تھیں۔

ختا میں مرد ہر رنگ کا سلکی کپڑا اور بنیان پہنتے تھے حتیٰ کہ ایک عام غلام زیادہ سے زیادہ سات بنیانیں زیب تن کرتا تھا۔ قدیم شاعروں کے برعکس، جوان شعرا دربار میں روایتی قصے کہانیوں کی بجائے سلکی سکرین پر الفاظ تحریر کر کے پیش کرتے تھے۔ عام طور پر یہ تحریریں یا اشعار عورتوں کی خوبصورتی پر مرکوز ہوتے تھے لیکن یہ کام فن کا نادر نمونہ تھے۔

چنگیز کے فوجی افسر اپنے خان کی طرف سے عظیم دیوار کی طرف پیش قدمی کے احکامات کے منتظر تھے۔ انھیں خوش کرنے کے لیے، ختا کے خلاف بپھرے قبائل کا منہ موڑنا چنگیز کے لیے نسبتاً آسان تھا لیکن اس کے نتائج خطرناک بھی ہو سکتے تھے۔ تاریخ کے اس موڑ پر جبکہ اس کی اپنی سلطنت نوزائیدہ تھی، مشرق میں ختا کی مہم میں شکست کی صورت میں اس کے دشمنوں کے لیے منگول نوآبادیات (Dominion) پر ہلہ بول کر اگلے پچھلے حساب برابر کرنا چنداں مشکل نہ ہوتا۔

صحرائے گوبی اس کا اپنا تھا لیکن جب وہ جنوب، جنوب مغرب اور مغرب کی سمت نظر دوڑاتا تھا تو اسے اپنے زبردست دشمن نظر آتے تھے۔ جنوب کی جانب تجارتی قافلوں کی گزرگاہ نان لو (Nan-lu) کے ساتھ، سیا کی ظالم سلطنت تھی جو ڈاکو ریاست کہلاتی تھی۔ یہ پتلے اور ٹیڑھے میڑھے تبتی باشندے تھے جو پہاڑوں سے اتر کر ختا ریاست کی حدود میں گھس گئے تھے اور لوٹ مار کر کے قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے تھے۔ ان کے مزید آگے ایک پہاڑی سلطنت تھی جہاں کر گز خانہ بدوش اردو آباد تھے، ان کا پھیلاؤ مغرب کی جانب تھا۔ یہ راستہ منگولوں کی یورش والے راستے سے ہٹ کر تھا۔

ان تمام شورش پسندوں کے درمیان میں رہتے ہوئے، چنگیز نے اپنی اردو کے چھوٹے بڑے دستے مختلف مہمات پر بھیجے، پہاڑی ڈویژن ارخوان کی زیر قیادت تھے۔ وہ خود سیا کی سرزمین پر جنگ کے لیے کئی موسموں تک ٹھہرا رہا۔ ان علاقوں میں برسرپیکار رہنے سے منگول خان کو یقین تھا

کہ ان مہمات کے نتیجے میں امن قائم ہو جائے گا۔ امن کا یہ تعلق ایک جذباتی رشتے کے ذریعے اس وقت مزید پکا ہو گیا جب شاہی خاندان کی ایک عورت چنگیز کو بطور بیوی پیش کی گئی۔ دوسرے تمام تعلقات مغرب میں استوار کیے گئے۔

فوجی زبان میں یہ اقدام احتیاطی تدابیر کے تحت فلینکس کی مضبوطی کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ اس پالیسی کے نتیجے میں بہت سے نئے سردار اتحادی بن گئے، مغل کو اردو کے لیے مزید فوجی بھرتی مل گئی تھی اور اردو کو ایک خوش کن تجربے کا احساس ہوا۔

اسی اثنا میں ختا کے حاکم کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے کو ڈریگن سے منسوب تخت پر بٹھا دیا گیا، تخت پر بیٹھنے والا لمبے قد کا داڑھی والا خوبصورت نوجوان تھا، اس کی ذاتی دلچسپی کا محور شکار اور مصوری تھا۔ اس نے خود کو وائی کنگ کہلوایا جلد ہی ختا کے منڈ ریز خراج کا زرِ کثیر لے کر نئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ ایک افسر کو چنگیز خان سے خراج وصول کرنے کے لیے گوبی کے صحراؤں کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہ اپنے ساتھ نئے وائی کنگ کا تخت پر جلوہ افروز ہونے کا اعلانِ عام بھی لیتا گیا۔ دستور کے مطابق بادشاہ کے حکم نامے کو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر وصول کیا جانا چاہیے تھا لیکن چنگیز نے اس دستور کے برعکس اس حکم نامے کو وصول کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کھڑا رہا، اس نے اس حکم نامے کو پڑھنے کے لیے ترجمان کو بھی دینا پسند نہ کیا۔

اس نے دریافت کیا، ''نیا بادشاہ کون ہے۔''

جواب ملا۔ یانگ زی

اپنا سر جنوب کی طرف گھمانے کی بجائے، خان نے تھوکا اور کہا ''میں سمجھا تھا کہ آسمانوں کا بیٹا ایک خاص آدمی ہو گا۔'' لیکن یانگ زی جیسا کمزور اور ادنیٰ شخص اس تخت کا حق دار نہیں ہو سکتا، میں کیوں ایسے شخص کے لیے خود کو بے عزت کروں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔ اسی رات ارخوان کو خان کے دربار میں طلب کیا گیا، انکے ساتھ نئے اتحادی بھی تھے جن میں مغربی ترک کے شیر دل سردار اور اڑی کل (Idikul) کے عقاب شامل تھے۔ اگلے روز ایلچی کو خان کے حضور طلب کیا گیا اور اسے ایک پیغام دیا گیا جسے اسے زریں بادشاہ کو پہنچانا تھا۔

منگول کا کہنا تھا ہماری ریاست اس قدر منظم ہو چکی ہے کہ اب ہم ختا کا دورہ کر سکتے ہیں۔ کیا زریں بادشاہ کا ملک اس قدر منظم ہے کہ وہ ہمارا استقبال کر سکے؟ ہم ایک ایسی فوج کی معیت میں آئیں گے جیسے ایک دھاڑتا سمندر چڑھائی کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہمارا واسطہ دوستی سے ہوتا ہے یا دشمنی سے اگر زریں بادشاہ ہمارا دوست بننا پسند کرتا ہے، ہم اسے اپنے ماتحت اس کی ریاست کی حدود میں عنانِ حکومت دیں گے، اگر جنگ کا انتخاب کرتا ہے تو یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہم میں سے ایک فاتح اور دوسرا شکست کا مقدر حاصل نہ کر لے۔ اس قدر تضحیک سے بھرپور پیغام اس سے قبل کبھی نہ بھیجا گیا تھا۔ چنگیز خان اس وقت سے ہی ختا پر حملے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ جب ختا کا بوڑھا بادشاہ ابھی حیات تھا قبائلی دستور کے مطابق چنگیز خان خود کو اس کا وفادار تصور کرتا تھا۔

ایلچی ین کنگ (Yenking) واپس ہو لیا جہاں وائی وانگ کی عدالت تھی۔ چنگیز کے ردِعمل نے یانگ زی کو شدید غصے میں مبتلا کر دیا۔ مغربی میدانوں کے والی سے منگولوں کا حال احوال دریافت کیا گیا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ تیر بنا رہے ہیں اور گھوڑے اکٹھے کر رہے ہیں۔ اس

اطلاع سے جھنجلا کر بادشاہ نے اسے جیل میں پھینکوا دیا۔

موسم سرما آخری انگڑائیاں لے رہا تھا اور راستے مسدود ہونے کے سبب منگول ان ایام فراغت کو جنگی تیاریوں کے لیے استعمال کر رہے تھے، وہ تیر بنا رہے تھے اور صحت و توانا گھوڑے اکٹھے کر رہے تھے۔ یہ زریں بادشاہ کی بدقسمتی تھی کہ چنگیز اس پر ایک فیصلہ کن حملے کے لیے بھرپور تیاریاں کر رہا تھا۔ چنگیز نے ختا کے شمالی حصے میں وائی کنگ کے حریف لاؤ تنگ (Liao-ting) کی طرف ایلچی بھیجے اور اسے تحفے تحائف روانہ کیے۔ چنگیز جانتا تھا کہ یہ جنگجو ماضی کے زریں بادشاہ کے ہاتھوں اپنی شکستوں کو بھولے نہ تھے۔

خان کا ایلچی لاؤ سلطنت کے شہزادے سے ملا اور دونوں کے درمیان اشتراک کا ایک معاہدہ طے پایا، خون کی لکیر کھینچی گئی اور دستور کے مطابق تعلق مضبوط کرنے کے لیے تیر توڑے گئے۔

طے پایا کہ لاؤ کے جنگجو ختا کے شمال کی طرف سے حملہ کریں گے اور منگول خان اس کے بدلے ان کے سابقہ تمام مقبوضات اور اعزازات لوٹا دے گا۔ چنگیز نے دل، جان سے اس معاہدے کی پاسداری کی اور ایک طرح سے لاؤ کے شہزادے کو اپنے ماتحت ختا کا حاکم بنا دیا۔

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

ماہا ملک کا یہ خوبصورت ناول ہمارے اپنے ہی معاشرے کی کہانی ہے۔ اسکے کردار ماورائی یا تصوراتی نہیں ہیں۔ یہ جیتے جاگتے کردار اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ زندگی کی راہوں میں ہم سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ یہ کردار محبت کے قرینوں سے بھی واقف ہیں اور رقابت اور نفرت کے آداب نبھانا بھی جانتے ہیں۔ انہیں جینے کا ہنر بھی آتا ہے اور مرنے کا سلیقہ بھی۔ خیر و شر، ہر آدمی کی فطرت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ہر شخص کا خمیر انہی دو عناصر سے گندھا ہوا ہے۔ ان کی کشمکش غالبؔ ایسے شاعر سے کہلواتی ہے۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

آدمی سے انسان ہونے کا سفر بڑا کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ لیکن "انسان" درحقیقت وہی ہے جس کا "شر" اس کے "خیر" کو شکست نہیں دے پایا، جس کے اندر "خیر" کا الاؤ روشن رہتا ہے۔ یہی احساس اس ناول کی اساس ہے۔

جو چلے تو جاں سے گزر گئے کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش

چینی تاریخ کا ایک باب: ہوجاکو

http://kitaabghar.com

سال 1211ء میں جب چنگیز خان نے منگول اور تاتار قوموں پر سپریم کمانڈر کی حیثیت اختیار کی۔ اس الیکشن کے پانچ سال بعد، وہ چینیوں کے خلاف مہم میں مصروف ہوگیا جو بڑے اہم نتائج کی حامل تھی۔ چین کی سلطنت منگول علاقوں کے جنوب میں تھی اور سرحد کی حفاظت مشہورِ زمانہ چینی دیوار کرتی تھی جو مشرق سے مغرب کی طرف پہاڑیوں اور وادیوں عظیم صحرا سے سمندر تک کئی سو میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ چین کے ہر بادشاہ نے اپنے دور میں اس دیوار کی نہ صرف حفاظت کی تھی بلکہ اسے آگے بڑھایا تھا۔ دیوار پر جابجا مینار تعمیر کیے گئے تھے اور مناسب اور مقررہ فاصلوں پر مضبوط شہر تعمیر کیے گئے جن پر طاقتور حفاظتی دستے مامور تھے۔ ان دستوں میں وہ ریزو دستے بھی تھے جو بوقت ضرورت دیوار کے ساتھ کہیں بھی تیزی سے نقل وحرکت کر سکتے تھے۔ چینی دیوار کو چین کی حتمی سرحد تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دیوار کے پار ایک وسیع علاقہ چینی حکومت کے کنٹرول میں تھا۔ اس علاقے میں مضبوط شہر اور قصبے تھے جہاں چینی دستے وطن کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے دیوار کے پار شہر سے باہر رہنے والے رہائشیوں کی اکثریت تاتار یا منگول نسل سے تھی۔ وہ جس قوم یا قبیلے سے تھے انھیں ''ختان'' کہہ کر پکارا جاتا تھا، وہ ہمیشہ سے چینی حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرز عمل کو دیکھتے ہوئے ہر چینی بادشاہ نے ایک حکم جاری کیا تھا جس میں ان صوبوں کے گورنروں کو حکم دیا گیا تھا کہ دیوار کے باہر ہر بڑے قصبے یا آبادی میں ختان کی تعداد سے دوگنا زیادہ چینی خاندان آباد کیے جائیں۔ اس قانون نے ختان کے باغیانہ خیالات کو مزید برانگیختہ کر دیا اور وہ بغاوت کے لیے پہلے سے زیادہ مواقع تلاش کرنے لگے۔

اس کے علاوہ کچھ عرصے سے چینی حکومت اور چنگیز خان کے درمیان تناؤ بڑھ رہا تھا۔ منگول دراصل ایک مدت سے چینی بادشاہ کے باجگزار تھے اور باقاعدگی سے تاوان ادا کرتے تھے۔ کافی سال پہلے جب چنگیز خان تموجن کے نام سے وانگ خان کی رعایا کی حیثیت سے قراقرم میں مقیم تھا، چینی بادشاہ نے ایک شہزادے یانگ زی کو منگول سرزمین کی طرف بھیجا۔ شہزادہ اور تموجن آپس میں ملے لیکن ان کے خیالات آپس میں نہ ملے۔ چینی شہزادے نے تموجن پر رعب ڈالنے کی کوشش کی جس پر تموجن نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ تموجن کا کردار اس وقت غیرت اور حمیت کی غمازی کرتا تھا اور وہ تاوان دینے کے سخت خلاف تھا۔ ہر موقع پر یانگ زی کو تموجن کے ہاتھوں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تموجن کے جارحانہ رویے سے بڑا اجز بز ہوا۔ چین واپسی پر اس نے تموجن پر شدید الزامات لگائے اور زور دیا کہ تموجن کو پکڑ کر موت کی سزا دی جائے لیکن بادشاہ نے ایسی کسی مہم جوئی کو خطرناک قرار دیتے ہوئے اس سے انکار کر دیا۔ یانگ زی کی تجویز کا البتہ تموجن کو علم ہوگیا اور اس نے ذہن میں ٹھان لی کہ ایک دن وہ یانگ زی سے انتقام لے گا۔

وقت نے کروٹ لی اور جب تموجن تخت پر چنگیز بن کر بیٹھا، چینی بادشاہ مر چکا تھا اور یانگ زی نے اس کی جگہ مسند اقتدار سنبھال لی تھی۔

اگلے ہی سال یانگ زی نے اپنا ایک افسر چنگیز خان کی طرف تاوان کی وصولی کے لیے بھیجا۔ جب یانگ کے افسر کو چنگیز کے کیمپ میں اس کے روبرو پیش کیا گیا، اس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ چنگیز خان نے پوچھا کس بادشاہ نے تمھیں اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے۔ افسر نے جواب دیا چینی بادشاہ یانگ زی نے! چنگیز حقارت سے منہ میں بڑبڑایا، ''یانگ زی'' چنگیز نے بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا، ایک چینی مقولہ ہے کہ ''لوگوں کے لیے بادشاہ کی شکل میں دیوتا ہونا چاہیے لیکن ایسا لگتا ہے کہ انھیں ایک عمدہ انسان منتخب کرنا آتا ہی نہیں۔''

یہ ٹھیک تھا کہ چینیوں میں مذکورہ قول خاصا مقبول تھا اور آج کی طرح تب بھی چینی قومی تشخص اور اہمیت کے معاملے میں خاصے حساس تھے۔ بہرحال چنگیز خان دھاڑا! جاؤ اور اپنے بادشاہ کو بتا دو کہ میں ایک خودمختار حکمران ہوں اور میں اسے کبھی اپنا حکمران تسلیم نہیں کروں گا۔

جب پیامبر اس منفی اور تلخ جواب کے ساتھ لوٹا تو چنگیز کے رویے نے یانگ زی کو برافروختہ کر دیا۔ غصے میں اس نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چنگیز نے بھی فوراً جنگی تیاریوں کا حکم دیا۔ اس نے چینی دیوار کے باہر کے علاقوں پر قابض سرداروں کے پاس سفیر بھیجے اور ان کو دعوت دی کہ وہ اس کی فوجوں میں شامل ہو کر اس کے ہاتھ مضبوط کریں۔ چنگیز نے ایک بڑی فوج اکٹھی کر لی اور اس کے بہت سے ڈویژنوں کو اپنے قابل ترین جرنیلوں کی کمان میں دے دیا۔ یانگ زی نے بھی ایک بڑی فوج تیار کر لی۔ مورخ کہتے ہیں کہ اس کی فوج کی تعداد تین لاکھ تھی۔ اس نے اپنی فوج اپنے ایک عظیم جرنیل ہوجاکو کی کمان میں دے دی اور شمال کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ آگے بڑھ کر چنگیز خان کی فوج کا راستہ کاٹ دے اور دیوار کی اور اس کے باہر آنے والے قلعوں کی حفاظت کرے۔ اس مہم جوئی میں چنگیز خان کو بہت سی کامیابیاں ملیں۔ منگولوں نے دیوار کے پار بہت سے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ چنگیز کو ملنے والی ہر فتح کے نتیجے میں بہت سے قبائل اور قومیں اس کی فوج میں شامل ہو کر اس کے ہاتھ مضبوط کرتے چلے گئے۔ بہت سے قبائل نے چینی اتھارٹی کے خلاف بغاوت کر دی اور منگولوں سے جا ملے۔ ان میں سے ایک سردار اتنا طاقتور تھا کہ اس کی کمان میں ایک لاکھ افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ چنگیز کے ساتھ اپنی وفاداری کے اظہار کے طور پر وہ چنگیز کے سفیروں اور دوسرے افراد کے ساتھ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ گیا اور ایک قدیم رسم ادا کی جس میں ایک سفید گھوڑے اور سیاہ بیل کی قربانی دے کر اور ایک تیر کو توڑ کر وفادار رہنے کا عہد کیا جاتا تھا۔

چنگیز اس سردار کی وفاداری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کے طور پر اسے اس تمام علاقے کا بادشاہ بنانے کا اعلان کر دیا۔ چنگیز کی اس حوصلہ افزائی نے بہت سے سرداروں کو اس کی حمایت کرنے پر آمادہ کیا اور وہ منگول سردار کی طرف جھک گئے، ان میں سے کئی ایک عظیم دیوارِ چین کے کئی دروازوں میں سے ایک کی نگہبانی کرتے تھے۔ اس حکمت عملی سے چنگیز نے چینیوں کی سلطنت کے اندر تک رسائی حاصل کی اور چینیوں کے دفاع کو کمزور کر دیا۔ چنگیز کی اس کامیابیوں نے یانگ زی اور ہوجاکو کو خبردار کر دیا۔

کئی پیش قدمیوں اور جوابی پیش قدمیوں کے بعد آخرکار چنگیز خان کو معلوم ہوا کہ ہوجاکو ایک پہاڑی کے دامن میں اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن ہے، اس کی پوزیشن جنگی لحاظ سے نہایت مضبوط تھی۔ لیکن چنگیز نے کسی مصلحت کو خاطر میں رائے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہوجاکو میدان ہار گیا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا وہ ایک نزدیکی قلعے کی طرف بھاگ گیا جو خاصا مضبوط قلعہ تھا۔ چنگیز نے اس کا تعاقب کیا اور قلعے کے گرد

محاصرہ ڈال دیا۔ خطرے کو بھانپتے ہوئے، ہوجا کو نے راہِ فرار اختیار کی۔ چنگیز شہر کو فتح کرنے کے قریب تھا کہ ایک دن اسے ایک تیر نے ایسا زخم لگایا کہ اسے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رکنا پڑا۔ یہ تیر اس پر عظیم دیوار سے چلایا گیا تھا۔

زخم اس قدر گہرا تھا کہ چنگیز خان نے محسوس کیا کہ وہ زخمی ہونے کی وجہ سے فوج کے آپریشنز کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا چنانچہ اس نے اپنے دستے شہر کے محاصرے سے ہٹا دیے۔ اور وطن واپس روانہ ہوگیا تا کہ وطن میں وہ اس وقت تک آرام کرے جب تک اس کا زخم ٹھیک نہ ہوجائے۔ چند ماہ میں وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا اور اگلے ہی سال وہ ایک نئی مہم کے لیے تیار ہوکر دوبارہ چین کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں ہوجا کو جسے پے در پے شکستیں ہوئی تھیں اور چنگیز کے ہاتھوں ایک سال قبل پیچھے دھکیل دیا گیا تھا، اپنے حریفوں، دشمنوں، فوج کے جرنیلوں اور دربار کے اعلیٰ افسروں کی نظروں میں ذلیل و رسوا ہوگیا تھا، اس رسوائی کے نتیجے میں اس کے خلاف بغاوت ہوگئی تھی۔ بادشاہ کو ایک یادداشت پیش کی گئی جس میں استدعا کی گئی تھی کہ ہوجا کو سپہ سالاری جیسے منصب کے لائق نہیں، وہ چین کی سرزمین کا دفاع کرنے میں ناکام رہا تھا اور اس نے بزدلی اور کم ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان درخواستوں کے نتیجے میں بادشاہ نے ہوجا کو کو اس کے منصب سے الگ کردیا۔

بادشاہ کے اس اقدام نے ہوجا کو کو بادشاہ سے شدید ناراض کردیا، اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ وہ موقع ملنے پر بادشاہ سے انتقام لے گا۔ دربار میں اس کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد نے مخالفوں کی شورش کو دبایا اور بادشاہ پر زور دیا کہ وہ ہوجا کو کی کمان دوبارہ بحال کردے۔ بادشاہ اور ہوجا کو کا یہ جھگڑا ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ اگلے سال چنگیز تازہ دم ہوکر آن دھمکا۔ بادشاہ اور ہوجا کو کے جھگڑے نے چینیوں کی جنگی کونسل اور اس کے جنگی آپریشنز کو اس قدر فالج زدہ کرکے رکھ دیا تھا کہ وہ چنگیز کے خلاف کوئی جنگی حکمت عملی مرتب نہ کرسکے اور چنگیز با آسانی ان پر فتوحات مارتا چلا گیا۔ چینی جرنیل بجائے متحد ہوکر ایک مشترکہ دشمن کے خلاف لڑتے، آپس میں الجھے رہے اور منگولوں کے ہاتھوں تر نوالہ ثابت ہوئے۔

آخرکار لڑائی کے اس ڈرامے کا اختتام اس وقت ہوا جب ہوجا کو بادشاہ کو تخت سے اتارنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، ایک روز ہوجا کو اچانک دارالحکومت کے دروازوں پر ایک بڑی فوج کے ساتھ ابھرا اور خبردار کیا کہ منگول آرہے ہیں۔ اس خطرے کی گھنٹی کو بجا کر وہ بادشاہ کے محل کی طرف بڑھا اور اس نے تمام مخالفین کو چن چن کر قتل کرنا شروع کردیا اور بادشاہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر خود بادشاہ بننے کا اعلان کر ڈالا۔ جب ہوجا کو اس سکیم پر عمل درآمد کرنے کی تیاری کر رہا تھا تو اس کی توجہ چنگیز ہٹ کی طرف سے ہٹ گئی اور چنگیز اپنی فوجوں کے ساتھ ملک چین میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

اس شور میں کہیں کسی نے ہوجا کو کے خلاف کوئی مزاحمت نہ کی اور ان لوگوں کو بچانے کی چنداں کوشش نہ کی گئی جو ہوجا کو کے ہاتھوں مارے گئے تھے یا گرفتار ہوئے تھے۔ ہوجا کو نے اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی تمام گرفتار شدگان کو قید میں ڈال دیا۔

اس طرح یانگ زی کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا اور وہ زندگی کی قید سے رہائی پا گیا۔ ہوجا کو جانتا تھا کہ چنگیز خان جیسے دشمن کی موجودگی میں وہ تخت پر بیٹھنے کا خواب نہیں دیکھ سکتا چنانچہ اس نے اپنے اس منصوبے کو ترک کردیا اور شاہی خاندان کے ایک فرد کو تخت پر بیٹھنے کے لیے منتخب کیا اور خود اپنے لیے سپہ سالار کا منصب برقرار رکھا۔ دارالحکومت میں موجود اپنے دشمنوں کی طاقت کو کچلنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اپنے دستوں

کی کمان کرتا ہوا چنگیز خان سے پرانا حساب برابر کرنے کے لیے نکلا۔

کسی حادثے کے سبب اس کا پاؤں زخمی ہو گیا اور وہ وقتی طور پر معذور ہو گیا لیکن اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ اس کی سب سے پہلی مڈبھیڑ خان کے ہراول دستے سے ہوئی جب وہ ایک دریا کو پل کے ذریعے عبور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہوجا کو نے ان کو جا لینے کی کوشش کی۔ اس کے پاؤں کی حالت ایسی تھی کہ چلنا تو درکنار وہ گھوڑے پر بھی نہیں چڑھ سکتا تھا لیکن اس نے خود کو ایک قسم کے چھکڑے پر لٹا دیا اور حکم دیا کہ گاڑی کو گھسیٹ کر میدانِ جنگ میں لے جایا جائے۔

منگولوں کو شکست ہوئی اور انھیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ ایسا شاید اس وجہ سے ہوا کہ منگول فوج کی کمان چنگیز خان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ وہ فوج کی پشت پر تھا۔ یا شاید ایسا اس لیے ممکن ہوا کہ ہوجا کو کا جذبہ (Fighting Spirit) عروج پر تھا اور قوموں کی لڑائی میں فیصلہ کن کردار جذبہ ہی کرتا ہے۔

ہوجا کو اگلے روز منگول فوج کا تعاقب کر کے اپنی فتح برقرار رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ میدانِ جنگ میں اس کے بہت زیادہ جوش و جذبے کی وجہ سے اسے بار بار اِدھر اُدھر لے جایا جاتا رہا جس سے اس کے پاؤں کا زخم انتہائی بگڑ گیا۔ رات کے وقت پاؤں سوج کر کپا بن جاتا اور دن کے وقت زخم دوبارہ کھل جاتا۔ ان حالات میں اسے خود کی بجائے اپنے جرنیلوں میں سے ایک کو منگولوں کے تعاقب میں بھیجنا پڑا۔ جس جرنیل کو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس کا نام کان کی تھا۔

کان کی دشمن کا تعاقب کرنے نکلا لیکن ناکام واپس لوٹا۔ ہوجا کو اس ناکامی کی خبر سن کر سخت بگڑا، شاید اس کے پاؤں کے زخم نے اس کو بے صبرا کر دیا تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ دشمن کا تعاقب کرنے میں کان کی ناکامی اس کی سستی تھی جو بزدلی اور غداری کے زمرے میں آتی ہے اور دونوں صورتوں میں اس کاہلی کی سزا موت تھی۔ اس نے فوراً اس معاملے کی ایک رپورٹ بادشاہ کو بھیج دی کہ کان کی کے لیے موت کی اس کی تجویز کردہ سزا کی تصدیق کر دی جائے اور اسے اجازت دی جائے کہ وہ کان کی کو پھانسی پر لٹکا دے۔ لیکن بادشاہ جانتا تھا کہ کان کی ایک بہادر اور وفادار افسر تھا، وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اسی اثنا میں جبکہ بادشاہ کا جواب واپس موصول ہوتا ہوجا کو کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ جب بادشاہ کا جواب ہوجا کو تک پہنچا تو اس نے کان کی سے کہا کہ وہ اسے ایک مرتبہ پھر آزمائے گا۔

”فوج کی کمان ایک مرتبہ پھر لے لو۔ ہوجا کو نے حکم دیا اور دشمن کے خلاف نکل پڑو اگر تم نے انھیں شکست دے دی تو میں تمھارے پہلے جرم سے صرف نظر کروں گا اور تمھاری جان بخش دوں گا، لیکن اگر تم دوسری مرتبہ شکست کھا جاتے ہو، تو تم مار دیے جاؤ گے۔“

چنانچہ کان کی نے فوج کی کمان سنبھالی اور منگولوں پر حملہ کرنے کے لیے نکل پڑا۔ وہ شمال کی جانب تھے اور اپنی جنگی حکمت عملی کے مطابق ایک ریتلے میدان کے نزدیک یا اوپر تھے۔ جب حملہ شروع ہوا ٹھیک اسی وقت ایک تیز رفتار آندھی شمال کی جانب سے چلی اور اس نے ریت اور مٹی اس قدر اڑائی کہ کان کی کی فوج کو کچھ نظر نہ آیا، ان کی آنکھیں ریت سے بھر گئیں جبکہ ہوا کے تھپیڑے ان کے دشمنوں کی پشت پر تھے، وہ بہت کم اس ریتلے طوفان سے متاثر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کان کی کی فوج کو سخت جانی نقصان برداشت کرنا پڑا اور انھیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ وہ بمشکل اپنی بچی کھچی

فوج کو سمیٹ کر ہوجا کو تک پہنچ پایا۔

کان کی اب بڑا بے چین تھا۔ ہوجا کو نے اعلان کر رکھا تھا کہ اگر وہ فتح کے بغیر واپس لوٹا تو اسے موت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اسے کوئی شک نہ تھا کہ ہوجا کو اپنے کہے کو پورا کرنے میں کسی تامل کا مظاہرہ نہ کرتا تھا۔ ان حالات میں اس نے خود کو ہوجا کو کے سامنے پیش نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ہوجا کو کے پھانسی گھاٹ پر دم توڑنے کی بجائے لڑتے ہوئے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کیا۔ اس خیال کے تحت اس نے اپنے فوجی دستوں کو اکٹھے کیا اور انھیں اعتماد میں لیا۔ اس کی طرح اس کے فوجی دستے بھی ہوجا کو سے نفرت کرتے تھے چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ شہر واپس پہنچ کر وہ مارچ کرتے ہوئے اپنے ہتھیار چھپالیں گے، محل کو گھیر لیں گے اور جرنیل کو قابو کر لیں گے، اسے قیدی بنالیا جائے گا یا مزاحمت کرنے پر قتل کر دیا جائے گا۔

پروگرام کے مطابق، فوجی دستے جب شہر کے دروازوں پر پہنچے، انھوں نے محافظوں سے اسلحہ لے لیا اور انھیں نہتا کر دیا اور تیزی سے مارچ کرتے ہوئے اپنے ہتھیار لہراتے اور نعرے بلند کرتے ہوئے محل کی طرف بڑھے۔ اہل شہر شروع میں ان کے نعرے سن کر حیران ہوئے لیکن معاملہ سمجھنے پر دہشت زدہ ہوگئے۔ جلد ہی ان دستوں نے محل کو گھیر لیا اور اندر داخل ہونے کے لیے محل کے دروازوں پر دباؤ بڑھا دیا۔ ہوجا کو اس اچانک حملے سے گھبرا گیا اور محل چھوڑ کر ملحقہ باغ کی طرف بھاگ نکلا، اس کا خیال تھا کہ وہ باغ کی دیواریں کود کر بھاگنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ اسی گڑبڑی میں وہ ایک بلند دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا، بلندی زیادہ ہونے کے سبب اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ وہ زمین پر لاچار پڑا تھا جب سپاہی اس کے سر پر پہنچ گئے سپاہیوں نے جوش میں اسے نیزے مار مار کر وہیں ڈھیر کر دیا۔

کان کی نے اپنے پرانے دشمن کا سر لیا اور دارالحکومت کی طرف چل پڑا، اس کا ارادہ اس سر کو بادشاہ کے حضور پیش کرنا اور خود کو قانون کے سامنے پیش کرنا تھا تا کہ فوجی بغاوت برپا کرنے اور اپنے سے بڑے جرنیل کو قتل کرنے پر اسے قانون کے تحت سزا سنائی جا سکے۔ تمام جنگی قوانین کی رو سے یہ جرم ناقابل معافی تھا۔

لیکن یہاں معاملہ ہی اُلٹ تھا، بادشاہ نے کان کی کا بڑی خوش دلی سے استقبال کیا، وہ خوش تھا کہ ایک بوڑھے اور شورش پسند جرنیل کو اس کے راستے سے ہٹا دیا گیا تھا جو اپنی خودسری، غیر اخلاقی رویے اور بے اصولی کے حوالے سے بدنام تھا۔ بادشاہ نے ایک حکم نامہ جاری کیا کہ ہوجا کو کو اس کے بے پناہ جرائم کے سبب قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ کان کی کو فوج کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے۔ اس طرح چینی تاریخ کی کتاب سے ہوجا کو کا ایک باب ختم ہوا۔

زریں بادشاہ

پہلی مرتبہ خانہ بدوش اردو ایک ایسی مہذب طاقت پر چڑھ دوڑنے کی سعی کر رہا تھا جو فوجی طاقت کے لحاظ سے برتر تھی۔ دنیا اب ایک منگول خان کو میدانِ جنگ میں دیکھنے والی تھی۔

اردو کا پہلا لشکر کافی مدت پہلے گوبی سے باہر روانہ کیا جا چکا تھا۔ ان میں جاسوس اور جنگجو دونوں شامل تھے، اس لشکر کا کام دشمن جاسوسوں کو پکڑنا اور اپنے ان لوگوں کو واپس لانا تھا جو عظیم دیوار کے اس پار پہنچ چکے تھے۔

ہراول دستہ جو کم و بیش دو سو سواروں پر مشتمل تھا، جوڑوں کی شکل میں علاقے میں پھیل گیا۔ ان سکاؤٹوں کے پیچھے، کچھ تیس ہزار گنے چنے جنگجو نسلی گھوڑوں پر سوار تھے، ہر جنگجو کے پاس دو گھوڑے ہوتے تھے۔ تین تمام تجربہ کار موہلی (Mohuli) تند خو چیپی نویون اور خان کے عقابی جرنیلوں میں سب سے کم عمر سوبیدائی کی زیر کمان تھے۔

اس پیش قدمی میں قاصد کے ساتھ گھوڑے کے سم سے سم ملا کر چلتے ہوئے اردو کا بڑا حصہ بنجر اور بے گیا میدانوں تک پہنچ گیا تھا، یہ وہ جگہ تھی جہاں مٹی کے بگولے اڑتے پھرتے تھے۔ مرکز میں ایک لاکھ منگول یاک ایک مدت سے خدمات سرانجام دے رہے تھے جبکہ دائیں اور بائیں بازوؤں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ چنگیز خان نے ہمیشہ مرکز سے کمان کی اور اپنے چھوٹے بیٹے کو ہدایات کے لیے اپنی طرف ساتھ رکھا۔

نپولین کی طرح، اس کا ایک شاہی محافظ دستہ تھا جو ایک ہزار چنے اور مانے جنگجوؤں پر مشتمل تھا، وہ سیاہ گھوڑوں پر چمڑے کے اسلحہ بند اوزاروں کے ساتھ سوار ہوتے تھے۔ ختا کے خلاف 1211ء کی پہلی مہم میں، اردو ایسی طاقت میں نہ تھا، اردو عظیم دیوار کی طرف بڑھا اور اس رکاوٹ کو بغیر کسی جانی نقصان کے عبور کرتا چلا گیا۔ چنگیز سرحدی قبائل کے ساتھ اچھے روابط رکھے ہوئے تھا۔ انہی تعلقات کا اسے یہ فائدہ پہنچا کہ اس کے بہی خواہوں نے دیوار کے کئی دروازوں میں سے ایک کو کھول دیا۔ دیوار کے اندر داخل ہوتے ہی منگول ڈویژن علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور شانسی اور چیلی کے مختلف حصوں میں گھس گئے۔ ان کے دستوں کا نظم و ضبط برقرار تھا۔ رسد کی انھیں کوئی فکر نہ تھی کیونکہ ان کے طرزِ زندگی میں ایسی کسی رسد کی سپلائی کا وجود ہی نہ تھا۔ جو کچھ بھی تھا وہ اپنے دو گھوڑوں پر ساتھ ساتھ اٹھائے پھرتے تھے۔

منگولوں کی وحشیانہ یورش نے ختا کی فوجوں کی پہلی صف جس کا کام آگے بڑھنے والے تمام راستوں کی حفاظت کرنا تھا، کے اوسان خطا کر دیے، اس دباؤ میں بادشاہ کی فوجوں کو اپنی جنگی پوزیشن سے سرکنا پڑا، منگول گھڑسوار دستے اس موقع کی تلاش میں تھے انھوں نے پیچھے ہٹتی اور بکھرتی سپاہ میں راستہ بنایا اور اندر تک گھستے چلے گئے۔ ختا کی فوج کی اکثریت پیدل سپاہ پر مشتمل تھی جسے ملٹری کی زبان میں ''انفنٹری'' کہتے ہیں۔ پوری قوت سے زمین کو دھکیل کر رفتار پکڑنے والے ان گھوڑوں کی پشت سے جب تیر برسائے جاتے تو آپس میں جڑی اس انفنٹری کو پہنچنے والے جانی نقصان کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

بادشاہ کی فوجوں کا ایک بڑا حصہ حملہ آوروں کے دباؤ اور یلغار کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور نزدیکی پہاڑیوں اور غاروں کی طرف بھاگ اٹھا۔ منگول فوج کے اس دستے کا کمانڈر جو بھاگتے ہوؤں کے تعاقب (Hotpersuit) میں تھا، اس علاقے سے ناواقف تھا اسے کسانوں اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے افراد سے راستہ پوچھنا پڑتا تھا۔ یہ دیکھ کر جبیی نویون اس کی طرف بڑھا، وہ علاقے کی سڑکوں اور وادیوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا تھا۔ وہ رات کو چن فوجوں کے تعاقب میں روانہ ہوا اور اگلے ہی دن ان کو پشت سے جالیا۔ اس بھاگتی فوج کو منگولوں نے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا اور جو باقی بچے مشرق کی طرف بھاگ گئے۔ یہ بچے کھچے دستے جب اپنے لوگوں میں پہنچے تو ان کی حالت زار دیکھ کر چن کی فوجوں میں دہشت پھیل گئی۔ ابتری کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ ان کا کمانڈر جرنیل دارالحکومت کی طرف نکل گیا۔ جس فوج کا جرنیل ہی بھاگ کھڑا ہو باقی فوج کا مورال کیا رہ جائے گا۔ اسی اثنا میں چنگیز خان ٹائیٹونگ فو پہنچا، ٹائیٹونگ فو دیواروں میں گھرے شہروں میں سے پہلے نمبر پر تھا۔ چنگیز نے شہر فتح کیا اور اپنی فوج کے ڈویژنوں کو لے کر ین کنگ کی طرف بڑھا، ین کنگ دارالخلافہ تھا۔ منگول اردو کے ہاتھوں پیش آنے والی تباہی، بربادی وائی وانگ کے لیے خطرے کا الارم تھا اور ڈریگون تخت پر بیٹھنے والا یہ شخص ین کنگ سے فرار ہوا ہی چاہتا تھا اگر اس کے وزیر اسے اس سے منع نہ کرتے۔

ختا کی سلطنت کے دفاع کا دارومدار اب وائی وانگ کی شخصیت پر تھا، یہ چینیوں کا وطیرہ تھا کہ جب بھی قوم کو کوئی حقیقی خطرہ لاحق ہوتا تو کیا درمیانہ طبقہ، مذہبی پروہت اور ماضی کے جنگجو آباء تخت کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

چنگیز خان نے اہل ختا کی پہلی مسلح مدافعتی لائین کو سرعت سے تخت تاراج کیا۔ اس کے ڈویژنوں نے کئی ایک چھوٹے بڑے شہروں کو روند ڈالا تھا اگرچہ مقام مغربی عدالت ٹائیٹونگ فو ابھی تک ناقابل تسخیر تھا۔ یہاں اس کا مقابلہ ایسے مضبوط دل والے لوگوں سے پڑا تھا جیسا روم سے قبل ہانی بال کو سامنا کرنا پڑا تھا۔ عظیم دریاؤں کے پار عظیم فوجوں کا اجتماع ہو چکا تھا۔ جنگ زدہ شہروں کی چھاؤنیاں بھر چکی تھیں چنگیز خود ین کنگ شہر کے بیرونی باغوں میں سے گزرا اور پہلی مرتبہ حدنگاہ تک پھیلی بلند و بالا دیواروں، ملحقہ پہاڑیوں، پلوں اور بالا حصار پر نظریں گاڑتا چلا گیا۔

اس نے لازماً یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس قلیل تعداد کے ساتھ ایسی جگہ کا محاصرہ کرنا بیکار ہو گا جب خزاں آیا اس نے پرچم برداروں کو گوبی واپس چلنے کا حکم دیا۔ آنے والے موسم بہار میں جب اس کے گھوڑوں کا دم خم لوٹ آیا تھا، وہ دوبارہ ان دیواروں کے آس پاس منڈلاتا نظر آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شہر جس نے اس کے سامنے پہلی مہم میں گھٹنے ٹیک گئے تھے، اب وہاں محافظ فوج موجود تھی اور مرنے مارنے پر آمادہ تھی۔ ان حالات میں اسے اپنا کام از سر نو شروع کرنا تھا۔ مغربی عدالت کے اس مقام کو پھر سے تسخیر کیا گیا اور اب وہاں منگول اردو بٹھا دیا گیا۔

اس نے محاصرے کو دشمن کی افواج کو گرفت میں کرنے کے لیے چارے کے طور پر استعمال کیا۔ شہروں کے گرد محاصرہ ڈال کر وہ ان افواج کا انتظار کرتا جو اہل شہر کی مدد کرنے کے لیے آتی تھیں اور چنگیز ان فوجوں کو ریخ میں آنے پر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔ ختا کے علاقے میں لڑی جانے والی جنگ میں دو باتیں سامنے آئیں۔ ایک یہ کہ منگول گھڑ سوار دستوں کی برق رفتار نقل و حرکت نے مخالف افواج پر واضح برتری

حاصل کی اور کھلے میدان میں ختا کی فوجوں کو تباہ و برباد کر ڈالا لیکن منگول بڑے اور مضبوط شہروں پر غلبہ نہ پا سکے۔ منگولوں کے اتحادیوں میں سے ایک شہزادہ لیو کا جب ساٹھ ہزار مسلح ختائیوں نے شمال کی طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اس نے چنگیز خان کو مدد کے لیے پکارا۔ چنگیز نے جیبی نویان کو ایک تمان دے کر بھیجا۔ نڈر جیبی نویان نے ختائی فوجوں کے عقب میں لیویا نگ کا محاصرہ کر لیا۔ منگولوں کی ابتدائی کوششوں کے کوئی خاص نتائج نظر نہ آئے جبکہ جیبی نویان نے صبر کرنا نہ سیکھا تھا، اس کا بے صبراپن مارشل نے جیسا تھا، آخر کار اس نے چنگیز خان کا دیا سبق دہرانے کی منصوبہ بندی کی اگرچہ چنگیز نے یہ تدبیر میدان میں آزمائی تھی کسی محاصرے کے دوران نہیں۔ جیبی نے ختائی آنکھوں کے سامنے اپنا کیمپ سمیٹا، مال واسباب چھکڑوں پر لادا اور گھوڑوں کے جتھے لے کر یوں نکل پڑا جیسے وہ مخالف افواج کی یورش یا خوف سے مہم ترک کر رہا ہو۔

دو دنوں تک منگول تمان ہلکی رفتار سے چلتا چلا گیا پھر وہ اپنے تازہ دم اور بہترین گھوڑوں پر منتقل ہو گئے اور ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر اس سرعت سے پلٹے کہ دو دنوں کا سفر ایک ہی رات میں طے کر ڈالا، پو پھٹنے تک وہ لیویا نگ شہر کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ ختائیوں کو اس دوران یقین ہو گیا تھا کہ منگول جا چکے ہیں، وہ منگولوں کا چھوڑا سامان لوٹنے میں مصروف تھے اور اسے اٹھا اٹھا کر شہر کی دیواروں کے پار لے جا رہے تھے۔ شہر کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے اور اہل شہر فوجیوں کے ساتھ گھل مل کر آ جا رہے تھے۔ منگول خانہ بدوشوں کی اچانک آمد نے انھیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ جیبی کی جنگی حکمت عملی کام کر گئی تھی۔ انسانی تاریخ کا ایک اور خونی قتل عام برپا کیا گیا جس کے بعد لیویا نگ شہر تباہ کر دیا گیا۔

جیبی نویان نے اپنا لوٹا مال نہ صرف برآمد کیا بلکہ ایک کثیر مقدار میں مال و زر بھی حاصل کیا۔ لیکن ہر موسم خزاں میں ان پر واپس جانا ضروری ہوتا تھا۔ اس دوران وہ تازہ دم گھوڑے اکٹھے کر چکے ہوتے تھے۔ موسم گرما کے دوران، وہ اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے چراگاہوں کی تلاش میں نکلتے لیکن شمالی چین کا موسم سرما اردو کے لیے سازگار نہ تھا، اس کے علاوہ دشمنوں کے بیچوں بیچ رہنے سے ایک فاصلے پر رہنا عین قرین مصلحت تھا۔

اگلے موسم بہار میں چنگیز نے چند حملے کیے تا کہ اہل ختا کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے۔ جنگ نقطۂ عروج پر پہنچ کر تعطل کا شکار ہو گئی تھی۔ ہنی بال کی پالیسی کے برعکس، وہ محافظ فوجوں کو ایمپائر کے مفتوح شہروں میں نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے منگول دیواروں کے پیچھے سے جنگ کرنے کے طریقوں سے ناواقفیت کی بناء پر موسم سرما کے دوران ختائیوں کے حملوں کا نشانہ بن کر تباہ ہو سکتے تھے۔

کھلے میدان میں پے در پے فتوحات کے پیچھے اس کے دستوں کی غیر معمولی نقل و حرکت اور ختائی فوجوں کے مقابلے میں ان کے متحدہ کر پیش قدمی کرنے کے واضح نتائج یوں برآمد ہوئے تھے کہ انھوں نے دشمن قوتوں کو شہر کی دیواروں کے اندر محدود کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ تو دونوں حریفوں کی نگاہ ایک دوسرے پر پڑی لیکن چن ماسٹر کو ناقابل تسخیر بالا حصار سے باہر نہ لایا جا سکا۔ چن افواج خان کے اتحادیوں لیوٹنگ (Liao-ting) کے جنگجوؤں اور ہیا کے حملہ آوروں پر بھاری پڑ رہی تھیں جو خان کے فلینکس کی معاونت کر رہی تھیں۔

ان حالات میں ایک خانہ بدوش سردار سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس عظیم سنگلاخ دیوار سے دور رہے اور پچھلے موسموں کی فتوحات جو اس عظیم چن طاقت پر حاصل کی گئی تھی، ان کی یادوں اور لوٹے گئے کثیر مال وزر پر تکیہ کرے۔ لیکن چنگیز باوجود یکہ وہ زخمی تھا، قطعی طور پر غافل اور شکست خوردہ نہ تھا۔ وہ ان واقعات سے تجربہ حاصل کر رہا تھا اور اس تجربے کو ہر اگلے قدم پر بروئے کار لا رہا تھا۔ گولڈن ایمپائر پر بدقسمتی کے سائے پھیل رہے تھے۔

1214ء کے موسم بہار کے پہلے گھاس کے زمین سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی یہ بدقسمتی خوف میں تبدیل ہوگئی۔ تین منگول لشکروں نے مختلف اطراف سے ختا پر ہلہ بول دیا تھا۔ جنوب میں خان کے تین بیٹوں نے شان شی کے پار سرحدی پٹی کو کاٹ ڈالا تھا، شمال میں اوچی نے کنگھن (Khingen) رینج عبور کر لی اور لیوٹنگ کے آدمیوں سے آن ملا۔ چنگیز اردو کے قلب کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتے عظیم سمندر کے کنارے پہنچا۔ یہ سمندر ین کنگ کے عین عقب میں تھا۔

ان تین فوجوں نے تاریخ میں ایک نئی جنگی سکیم رقم کی۔ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہی رہے۔ اپنی علیحدہ علیحدہ حیثیت اور کوشش سے انھوں نے بڑے شہروں کا محاصرہ کیا اور شہروں کے اطراف بسنے والے دیہاتی اور خانہ بدوشوں کو قیدی بنا کر بطورِ ڈھال (Human Shield) استعمال کیا۔ وہ ان قیدیوں کو اپنے آگے رکھتے تھے تاکہ قلعہ بند فوجوں کی طرف سے آنے والے آگ کے گولے اور تیر ان قیدیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا کر ان تک پہنچنے سے قبل ہی ٹھنڈے پڑ جائیں۔

اکثر ایسا نہیں ہوا لیکن جب بھی ختائیوں نے دیواروں کے اندر سے دروازے کھول دیے، ایسے مواقعوں پر ان کی جان بخشی کر دی گئی جبکہ باقی شہر اور اس کے گردونواح میں موجود ہر چیز کو ملیامیٹ کر دیا گیا، فصلیں اُجاڑ دی گئیں، ہرے بھرے باغ جلا دیے گئے غرضیکہ کھیت کھلیان کچھ نہ چھوڑا گیا، مال مویشی ہانک کر لے گئے، عورتیں، مرد اور بچے بلاتفریق گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالے گئے۔ بہت سے ختائی جرنیل اپنے زیر کمان دستوں کے ساتھ منگول فوج سے مل گئے تھے، انھیں انعام کے طور پر مفتوحہ شہروں میں لیوٹنگ کے دوسرے افسروں کے ساتھ لگا دیا گیا۔

علاقے میں قحط اور بیماری نے منگول اردو کو آن گھیرا۔ عیسائی مورخ اس بیماری کو بائیبل کی روشنی میں دنیا کا خاتمہ ہی سمجھ بیٹھے تھے۔ چار گھڑ سواروں میں سے ہر دو اس بیماری کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن رہے تھے۔ جیسے جیسے رواں موسم ختم ہونے کی طرف بڑھ رہا تھا، اردو کے نقصانات کی فہرست طویل ہوتی جا رہی تھی۔ گھوڑے کمزور اور لاغر ہو چکے تھے۔ چنگیز خان اردو کے قلب میں ین کنگ کی جنگی تنصیبات کے نزدیک پڑاؤ ڈالے تھا، اس کے افسروں میں بے چینی اور اضطراب تھا۔ اس اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ رواں موسم کے اختتام پر جب وہ وطن واپسی کے لیے روانہ ہوں گے تو ان کے پاس مال وزر اور تحفے تحائف نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ سب چنگیز کے دربار میں حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ شہر پر حملہ کیا جائے۔ چنگیز نے انکار کر دیا لیکن اس نے زریں بادشاہ کو ایک پیغام بھیجا۔ اس پیغام کے مندرجات کچھ یوں تھے۔

''اب میرے اور تمھارے درمیان جنگ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ دریا کے شمال میں واقع تمام صوبے میرے قبضے میں

http://kitaabghar.com
کتاب گھر کی پیشکش

ہیں۔ میں اپنے وطن جا رہا ہوں لیکن تم یہ پسند کرو گے کہ تم میرے افسروں کو تحفے بھیجے بغیر روانہ کر دو اور ان کے جذبات کو ٹھنڈا نہ کرو؟

اس دور کے سیاسی پیش منظر اور پس منظر میں چنگیز کا یہ پیغام اس کی غیر معمولی پالیسی اور مدبرانہ قیادت کی جھلک تھا۔ اگر زریں بادشاہ اس کا مطالبہ پورا کر دیتا تو اس کے پاس اتنے تحائف آ جاتے جنھیں وہ اپنے افسروں میں بانٹ کر انھیں مطمئن کر سکتا تھا جبکہ اس طرز پر مطالبہ پورا کرنے کی صورت میں ڈریگن تخت کا عزت و وقار خاک میں مل جاتا۔

چین کی دھرتی پر دو عظیم دریا بہتے ہیں جو مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ یہ دونوں دریا ایک دوسرے سے اس قدر فاصلے پر بہتے ہیں کہ وہ سرزمین کو تقریباً تین برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان دریاؤں کے شمالی جانب ہوانگ ہو ہے۔ منگولوں نے دو سال کے عرصے میں اس دریا کے شمال والے تمام علاقے کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ یہ تمام علاقہ چین کا ایک تہائی بنتا تھا، یہاں بے شمار مضبوط شہر تھے جنھیں فتح کرنے میں انھیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہی شہروں میں شاہی شہر ین کنگ بھی تھا جہاں بادشاہ بیٹھتا تھا۔ اس شہر کا دفاع اس قدر مضبوط تھا کہ منگول بھی اس شہر پر حملہ کرنے میں کتراتے تھے۔ آخر کار چنگیز خود اس جگہ آیا اور ایک عظیم فوج اکٹھی کی۔ بادشاہ اور اس کے درباری خبردار تھے اور ایک فوری حملہ متوقع کر رہے تھے۔ لیکن ابھی تک چنگیز ہچکچا رہا تھا۔ اس کے کچھ جرنیلوں نے اس پر زور دیا کہ دیواروں پر دباؤ بڑھایا جائے اور شہر کے اندر بزورِ شمشیر راستہ بنایا جائے۔ لیکن چنگیز ایک مختلف ہی پلان پر غور کر رہا تھا۔ اس نے اپنا سفیر امن کی تجاویز کے ساتھ بادشاہ کی طرف بھیجا۔

ان تجاویز میں چنگیز خان نے کہا کہ وہ شہر کو امان دینے پر تیار ہے لیکن اس کے سپاہی شہر پر حملہ کرنے اور اسے تاراج کرنے پر مصر ہیں، ان کی تشفی کے لیے ان کو کچھ تحائف دینا ضروری ہوگا۔ اگر بادشاہ کو میری تجاویز سے اتفاق ہے تو اسے میرے آدمیوں کو مطمئن کرنا چاہیے۔ اس صورت میں وہ شہر سے چلا جائے گا۔

بادشاہ اور اس کے وزیر اس تجویز کے آنے پر بڑے حیران و پریشان ہوئے۔ بادشاہ کے مشیروں میں اس تجویز پر متفرق آراتھیں کچھ اسے ماننے کا مشورہ دیتے تھے اور کچھ اسے صاف مسترد کرنے کا کہتے تھے، کچھ کا خیال تھا کہ منگول تجویز کو صرف مسترد ہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ غصے اور نفرت سے شہر کے دروازے کھول کر منگولوں پر حملہ کر دینا چاہیے۔

کچھ وزیروں نے بادشاہ پر زور دیا کہ وہ منگول تجویز مان کر امن کی راہ اپنائیں۔ انھوں نے کہا کہ دشمن پر حملہ کرنے کا خیال اگر ایک لمحے کے لیے دل سے نکال بھی دیا جائے اور دیواروں کے اس پار رہ کر دفاع کیا جائے تو دونوں صورتوں میں کوئی خاص فائدہ متوقع نہیں۔ اگر منگول حملے کو پسپا بھی کر دیا جائے تو یہ محدود وقت کے لیے ہوگا۔ منگول جلد ہی بڑی تعداد میں آئیں گے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مزید براں چینی سپاہ کی یہ حالات ہے کہ مدت سے اپنے خاندان اور بچوں سے بچھڑے ہوئے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ انھیں چھٹی دی جائے اور وہ اپنے بچھڑے پیاروں سے ملیں۔ چینی بادشاہ کو یہ مشورہ پسند آیا، اس نے ایک نمائندہ چنگیز خان کے کیمپ میں بھیجا اور دریافت کیا کہ کن شرائط پر امن کا حصول ممکن ہے۔

چند ختائی کونسلرز جو منگول اردو کی ناگفتہ بہ حالت سے آگاہ تھے، انھوں نے بادشاہ کے سامنے تجویز پیش کی کہ بادشاہ منگولوں پر ہلہ بولنے کا حکم دے اور ین کنگ میں فوجوں کی کمان کرے۔ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا، یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ لیکن چن حکمران نے زمانے کے نشیب و فراز کچھ اس قدر پاس سے دیکھے تھے کہ اس میں ایسا خطرناک قدم اٹھانے کی سکت نہ تھی۔ اس نے چنگیز کی طرف پانچ سو نوجوان اتنی ہی غلام لڑکیاں، عمدہ النسل گھوڑوں کا غول، سونے اور سلک سے لدے چھکڑے بھیجے دونوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت چن حکمران نے وعدہ کیا کہ خان کے اتحادی لیو شہزادے کو لیوتنگ میں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

اس معاہدے کے علاوہ خان نے یہ مطالبہ بھی داغ ڈالا کہ اسے بطور بیوی ایک ایسی عورت مہیا کی جائے جس کی رگوں میں شاہی خون ہو۔ چنانچہ برسراقتدار خاندان میں سے ایک عورت خان کو بھیج دی گئی۔ اسے کہتے ہیں "ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات" جونہی چنگیزی شرائط پر عمل درآمد مکمل ہوا، چنگیز نے مال وزر اور غلام اپنے افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کیے۔ محاصرہ اٹھایا اور شمال کی جانب چلا گیا۔

اس موسم خزاں میں چنگیز گوبی کی طرف واپس لوٹا۔ صحرائے گوبی نے اپنے دروازے پر ایک غیر اشتعال انگیز خونریزی کا منظر دیکھا جب خان کے حکم سے قیدیوں کا جم غفیر جو اردو کے ساتھ ساتھ ہانکا جا رہا تھا کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ منگولوں کی ایک قبائلی رسم نظر آتی ہے کہ جب وہ کسی مہم سے فارغ ہو کر وطن واپس لوٹ رہے ہوتے تو تمام قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ماسوائے ہنرمندوں، صناعوں اور ملازمین کے۔ صرف غلام ہی منگولوں کی آبائی سرزمینوں میں نظر آتے تھے۔ پیدل ہانکا جانے والا بدقسمت جم غفیر اس قابل نہ ہوتا کہ خانہ بدوشوں کے گھروں کے گرد پھیلے لق، دق اور بنجر میدانوں کو عبور کر پاتا۔

منگول ان کے بندھے ہاتھ کھولنے کی بجائے انھیں زندگی کی قید سے آزاد کر دیتے۔ منگولوں کی نظر میں انسانی زندگی کی چنداں وقعت نہ تھی، ان کا مطمع نظر اپنے جانوروں کے گلوں کے لیے چراہ گاہیں فراہم کرنا تھا اس مقصد کے حصول کے لیے وہ زرخیز زمینوں سے انسانی آبادی کا بوجھ کم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ختا کے خلاف مہم کے اختتام پر ان کا نعرہ تھا کہ ایک گھوڑا اس رفتار سے ختا کے مختلف شہروں کے درمیان سرپٹ دوڑے کہ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔

یہ کہنا غیر یقینی ہے کہ چنگیز خان نے ختا کو حالت امن میں چھوڑا۔ البتہ گولڈن کنگ نے اپنے طور پر سب اقدامات اٹھائے۔ اس نے ین کنگ میں اپنے سب سے بڑے بیٹے کو چھوڑا اور خود جنوب کی سمت نکل گیا، ین کنگ چھوڑنے سے قبل اس نے جو حکم نامہ جاری کیا اس کے الفاظ یوں تھے۔ "ہم اپنی رعایا کے لیے اعلان کرتے ہیں کہ ہم اپنی رہائش گاہ جنوبی دارالسلطنت کی طرف تبدیل کریں گے۔" اب ہماری عدالت ہنان کے صوبے کے سب سے بڑے شہر ہوآ نگ ہو میں ہوگئی۔

مذکورہ شاہی حکم نامہ اپنی عزت کی بحالی کا کمزور اظہار تھا۔ اس کے تمام کونسلروں ین کنگ کے گورنروں، بڑے چن امراء بھی نے اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے لوگوں کو یوں چھوڑ کر نہ جائے لیکن اس نے کسی کی نہ سنی اور یہ جا وہ جا۔ اس کے یوں فرار نے دشمنوں کے حوصلے بڑھا دیے اور

ین کنگ میں بغاوت ہوگئی۔

جب چن بادشاہ اپنے مصاحبین کے قافلے کے ساتھ شاہی دارالحکومت سے روانہ ہوا تو محل میں اس کا بڑا بیٹا موجود تھا، ایسا لگتا تھا کہ وہی اس کا وارث ہوگا۔ وہ ین کنگ میں طاقت اور حکمرانی کی علامت کے طور پر اپنے ملک کو یوں نہ چھوڑ سکتا تھا۔ چن خاندان نے اپنے جواں سال اور توانا خون کو اقتدار کی علامت کے طور پر دارالحکومت میں چھوڑا تھا تا کہ وہ عوام کا خیال رکھ سکے اور بجھتی شمع کو جلائے رکھے۔ ینکنگ میں محافظ افواج کثیر تعداد میں موجود تھیں۔

لیکن بادشاہ کی عدم موجودگی میں امراء نے جس افراتفری کا خدشہ ظاہر کیا تھا اس کے آثار واضح ہونا شروع ہو گئے تھے۔ بوڑھے بادشاہ کے رہے سہے حوصلے بھی جواب دے گئے تھے۔ جب اسے ین کنگ میں بغاوت کی خبر ملی تو اسے بیٹے کی سلامتی کی فکر لاحق ہوئی، اس نے احکام بھیجے جن میں اپنے بیٹے کو شہر چھوڑ کر باپ کے پاس آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بیٹے نے احکام پا کر تعمیل کی۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ٹوٹ پھوٹ کے اس عمل کا آغاز چن کی مسلح افواج سے ہوا۔ وہ دستے جو بادشاہ کے ہم رکاب تھے ان میں سے چند نے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی اور منگولوں سے جا ملے۔

شاہی دارالحکومت میں ایک شدید بغاوت نے سر اٹھایا۔ شاہی وراثت کے امین شہزادے سرکاری عمال اور منڈ ریز اکٹھے ہوئے اور انھوں نے شاہی خاندان کے ساتھ از سرنو اظہارِ یکجہتی کیا۔ باوجود یکہ ان کا حکمران انھیں اکیلا چھوڑ گیا تھا انھوں نے اپنے بل بوتے پر جنگ جاری رکھنے کا عہد کیا۔ ختائی سپاہیوں نے بارش میں ننگے سر اور گلیوں میں برسر عام یہ عہد کیا کہ وہ چن حاکم اور اس کے امراء کا بھرپور ساتھ دیں گے چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ وفاداری کے اس جذبے نے ایک لمحے میں دوبارہ سر ابھارا جو کمزور حکمران کے فرار کے سبب ماند پڑ گیا تھا۔

بادشاہ نے قاصدوں کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو ین کنگ میں پیغام بھجوایا کہ وہ جنوب میں اس کے پاس چلا آئے۔ بوڑھے اور تجربہ کار چن افراد نے ایسا کرنے پر شدید احتجاج کیا اور عرض کی کہ وہ ایسا نہ کرنے دیں گے۔ لیکن بادشاہ کی طبیعت پر ضد سوار تھی اور اس کی خواہش ہی سرزمین ختا پر سپریم قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ ین کنگ میں بظاہر چھوڑا گیا وارث، خاندان کی کچھ خواتین، قدیم شہر کے چند گورنر، محافظ فوج، خواجہ سرا اور چند رذیل افراد ہی رہ گئے تھے۔ چند مخلص امراء نے آزادی اور غیرت، حمیت کی جو شمع جلائی تھی وہ شعلہ بن کر منگول فوجوں پر لپکی۔ منگولوں کی بیرونی چوکیوں اور جا بجا پھیلے دستوں پر حملہ کر دیا گیا۔ حالات میں بہتری دیکھ کر ایک فوج مشکل میں پھنسے صوبے لیوتنگ کی مدد کے لیے روانہ کی گئی، اس فوج نے حیران کن حد تک کامیابی حاصل کی۔

حالات میں اچانک بدلاؤ دیکھ کر چنگیز خان نے مارچ روکنے کا حکم دیا اور جاسوسوں اور افسروں کی طرف سے مکمل رپورٹیں موصول ہونے کا انتظار کیا۔ جب وہ حالات کے بارے میں مکمل طور پر جان چکا تو اس نے فوری عمل کیا۔ اس نے اپنے سب سے متحرک ڈویژن کو جس کی قیادت منگن نامی جرنیل کر رہا تھا جنوب میں زرد دریا کی طرف بھاگتے بادشاہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔

جاڑے کا موسم شروع ہو چکا تھا لیکن منگول خراماں خراماں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے، ان کی مسلسل پیش قدمی چن حاکم پر دباؤ بڑھا رہی تھی کہ وہ دریا پار کر جائے، دریا کے پار چن حکمرانوں کے پرانے دشمن سنگ کی سلطنت تھی۔ چن حکمران کے سنگ کی سلطنت میں داخل ہونے کے باوجود منگولوں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اور برف سے ڈھکی پہاڑیوں میں دور تک گھستے چلے گئے حتیٰ کہ اس ڈویژن کا اردو کے ساتھ رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس ڈویژن نے راستے میں پڑنے والی گہری کھائیوں کو نیزوں اور درختوں کی شاخوں کی مدد سے عبور کیا۔ منگول ڈویژن ابھی تک چن بادشاہ کے قدموں کے نشان تلاش کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرح بھگوڑے چن بادشاہ نے سنگ حکمران سے مدد کی درخواست کی چنگیز خان نے قاصدوں کے ذریعے بھٹکتے ڈویژن کو واپسی کا حکم بھیجا جس نے ایسے تیسے سنگ شہروں کے اطراف سے ایک لمبا چکر کاٹ کر بر فیلے راستے سے ہوتے ہوئے زرد دریا عبور کیا اور بحفاظت پہنچ گیا۔

چنگیز نے جیبی نویان کو گوبی میں گھر کی خبر گیری کے لیے روانہ کیا تا کہ منگول سرداروں کو قابو میں رکھا جا سکے۔ خان نے سوبیدائی کو حکم دیا کہ وہ علاقے میں دور تک نکل کر حالات کی مکمل رپورٹ دے۔ حکم ملتے ہی یہ ارخوان غائب ہو گیا اور کئی ماہ تک خان کی نظروں سے اوجھل رہا۔ اس دوران وہ رپورٹیں بھیجتا رہا۔ لیکن ان رپورٹوں میں کوئی نئی بات نہ تھی صرف گھوڑوں کی حالت کے بارے میں اظہارِ رائے تھا۔ جب تک وہ شمالی ختا میں رہا اس کے پاس کوئی خاص بات نہ تھی لیکن جب وہ اردو میں واپس لوٹا تو ایک نئی سرزمین کوریا کے بارے میں اس کے پاس اطلاعات تھیں۔ اس تمام عرصے میں وہ مکمل خاموش رہا تھا اور نئی سرزمین کی کھوج لگانے کی دھن میں بحرِ لیوتنگ کے گرد چکر کاٹا تھا۔ مستقبل میں جب اسے فوجوں کا بااختیار کمانڈر بنایا گیا تو اس نے انہی معلومات کی بنیاد پر یورپ پر فوج کشی کی۔

خان خود عظیم دیوار کے نزدیک ہی اردو کے مرکز میں مقیم رہا۔ اس کی عمر پچپن سال ہو چکی تھی۔ اس کے پوتے کبلائی خان کی پیدائش ہو چکی تھی، اس کے بیٹے جوان ہو کر مرد بن چکے تھے لیکن اس معرکے میں اس نے اپنی ڈویژن کی کمانڈ ارخوانوں کے حوالے کی، ارخوان خود کو اردو کے کامیاب رہنما ثابت کر چکے تھے وہ اپنی قابلیت کے دم پر کسی سے ناانصافی نہ کرتے تھے، نہ ہی کسی کو ان کی زیرِ کمان کسی ضرورت کے پورا نہ ہونے کا شکوہ ہوتا۔

خان نے خصوصی طور پر جیبی نویان اور سوبیدائی کو پہاڑی ڈویژنوں کو کنٹرول کرنے کی تربیت دی تھی، اس نے تجربہ کار موہلی کا امتحان بھی لیا تھا۔

چنگیز خان نے ختا کے زوال کا منظر اپنے خیمے میں بیٹھ کر ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھا، اس نے جری شہ سواروں کی بھیجی رپورٹوں کو سنا جو اپنے مشن کے حصول کی دُھن کے اتنے پکے تھے کہ کھانا پکانے یا سونے کے لیے بھی گھوڑے سے نہ اترتے تھے۔

موہلی جب ین کنگ کی مہم پر نکلا تو لیوتنگ کے ایک شہزادے نے اس کی بھرپور اعانت کی۔ وہ پانچ ہزار منگول شہ سواروں کے ساتھ مشرق کی سمت بڑھا، اس کا نشانہ ختا کے وہ بھٹکے لڑاکے تھے جو جنگ سے پہلو تہی کر کے جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔ سوبیدائی اپنے فلینک کے

ساتھ ین کنگ کی بیرونی دیواروں سے پہلے اپنے خیمے گاڑھے ہوئے تھا۔

ین کنگ میں محاصرے کا جواب دینے کے لیے کافی مردم اور جنگی ہتھیار موجود تھے صرف کمی تھی تو اہل ختا کے عزم، حوصلے میں۔ وہ مربوط لیڈرشپ اور جنگی حکمت عملی کی عدم موجودگی کے سبب منتشر گروہ کی طرح تھے۔ جب ختا کے نواح میں لڑائی شروع ہوئی تو ہتھیاروں کی کھنک اور منگولوں کے وحشیانہ نعروں نے چن جرنیلوں میں سے ایک مون ین کے اوسان خطا کر دیے۔ وہ اپنی پوزیشن چھوڑ کر بھاگ اٹھا۔ شاہی خاندان کی ایک عورت نے اس سے درخواست کی کہ وہ اسے بھی اپنے ہمراہ لے چلے لیکن وہ اس عورت کو جل دے کر اندھیرے میں نکل گیا۔ اس واقعے سے قلعے کے اندر موجود لوگوں کے مورال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جلد ہی ختا کی گلیوں اور بازاروں میں لوٹ مار شروع ہوگئی اور بدقسمت عورت نعروں، چیخوں اور خوف زدہ سپاہیوں کے درمیان ناامیدی کی مورت بنی کھڑی رہی۔

شہر کے مختلف حصوں میں آگ کے شعلے نظر آنے لگے۔ محلات کے سنتری اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر لوٹ مار میں شریک ہوگئے۔ خواجہ سرا اور غلام اپنے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے زیورات اٹھائے جدھر کو منہ اٹھا بھاگے چلے جارہے تھے۔

ایک دوسرے ختائی جرنیل وینگ ین نے بادشاہ کے ایک سابقہ حکم نامے کی روشنی میں، ختا میں پکڑے تمام جرائم پیشہ افراد اور قیدیوں کو آزاد کرنے اور ختائی سپاہیوں کے لیے تحائف کا اعلان کیا۔ لیکن ایسے کام کے لیے یہ شاید موزوں وقت نہ تھا۔ اس اعلان کا خاطر خواہ اثر برآمد نہ ہوا اور وینگ ین کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اگر اس اعلان کو بروقت کیا جاتا تو شاید یہ کچھ نتائج جیت کر لے آتا۔ اس طرح ایک اہم اعلان غلط وقت (Bad Timing factor) کا شکار ہو کر بیکار ہو گیا۔

حالات ناامیدی کی طرف جارہے تھے، کمانڈنگ جنرل نے ختائی روایت کے عین مطابق موت کی تیاری شروع کر دی۔ وہ اپنے مخصوص کمرے میں چلا گیا اور بادشاہ کے لیے ایک عرض داشت تحریر کی جس میں اس نے اپنی ناکامی کو تسلیم کیا کہ وہ ین کنگ کا دفاع نہیں کر سکا اور اس جرم کی پاداش میں اپنے لیے موت کی سزا تجویز کرتا ہے۔

ناکامی کا یہ اقرار نامہ اس نے اپنے شاہی لباس (خلعت یا چوغہ) کے کالر پر تحریر کیا، پھر اس نے اپنے ملازمین کو طلب کیا اور تمام مال و زر اور لباس ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس نے ایک منڈیرین کو حکم دیا کہ وہ اس کے لیے زہر کا پیالہ تیار کرے، اس دوران وہ تحریر لکھتا رہا۔

وینگ ین نے کمرے میں موجود اپنے دوست کو باہر جانے کو کہا اور خود زہر پی گیا۔ ین کنگ شعلوں میں گھرا ہوا تھا اور منگول ایک ایسے شہر پر چڑھ دوڑنے والے تھے جو کسی دفاع کے بغیر موت کے خوف سے لرز رہا تھا۔ اب تاریخ کا ایک دوسرا زاویہ ایک دوسرے مورخ کی نظر سے ملاحظہ ہو۔

اپنی روانگی کے موقع پر شہزادے نے محافظ فوجوں کی کمان دو جرنیلوں کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ ان کے نام وان ین اور مون ین تھے۔ ان کا کام شہر کا دفاع کرنا اور منگول لشکر جو منگن کی زیر قیادت تھا، کو شہر سے دور رکھنا تھا جو شہر کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ دونوں جرنیل پریشان تھے

کہ دگرگوں حالات کو کس طرح سنبھالا دیا جائے۔ ان کی زیر کمان دفاع کے لیے بچھایا جال کمزور اور ناکافی تھا۔ ان حالات میں وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کیا جائے۔

آخر کار ان میں سے ایک وان ین نے دوسرے جنرل کو تجویز پیش کی کہ انھیں ایک دوسرے کو ہلاک کر دینا چاہیے۔ مون ین نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مون ین ہی وہ کمانڈر تھا جس پر فوجی دستے اعتماد کرتے تھے۔ مون ین اس امر کو خودکشی تصور کرتا تھا کہ کسی پوزیشن کو بے عزتی سے چھوڑ کر کسی بہانے پیچھے ہٹ جایا جائے۔ اس کا استدلال تھا کہ اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ فوج کے شانہ بشانہ لڑے اور اگر وہ دفاع کرنے میں کامیاب نہ ہوں تو انھیں موڑ کر کسی ایسی جگہ لے جائے جہاں وہ محفوظ ہوں۔

وان ین اپنی تجویز مسترد ہونے پر غصے میں پاؤں پٹختا اپنے رہائشی کمرے میں چلا گیا اور بادشاہ کے نام ایک مراسلہ تیار کیا جس میں اس نے حالات کے دگرگوں ہونے کا اظہار کیا اور شہر کو بچانے میں ناکامی کا عندیہ دیا، آخر میں اس نے تسلیم کیا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھا نہیں سکا جس پر وہ خود کو موت کا حق دار سمجھتا ہے۔

اس نے اپنے خط کو بند کیا، مہر لگائی، اپنے گھر والوں اور احباب کو بلایا اور اپنی ذاتی اشیاء ان سب میں تقسیم کر دیں۔ اس کے بعد ان سب کو جانے کا کہا۔ اب صرف ایک افسر اس کے پاس رہ گیا تھا۔ اس افسر کی موجودگی میں اس نے چند الفاظ لکھے اور اسے بھیج دیا۔ افسر کے روانہ ہونے پر اس نے زہر کا جام پی لیا جس کی تیاری کا حکم وہ پہلے ہی دے چکا تھا۔ چند لمحوں میں وہ ایک مردہ لاش بن چکا تھا۔

اسی اثنا میں دوسرا جنرل شہر چھوڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ صرف ان دستوں کو اپنے ہمراہ لے جائے جو بادشاہ کی خدمت کرنے کے قابل تھے اور شاہی محل اور شہر کے باسیوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ دے۔ شاہی محل کے رہنے والوں میں بادشاہ کی بیگمات جنھیں وہ فرار ہوتے وقت پیچھے چھوڑ گیا تھا اور صرف چند لاڈلی بیویوں کو ہی لے کر گیا تھا۔ چھوڑے جانے والی بیگمات کو جب معلوم ہوا کہ مون ین شہر چھوڑنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بادشاہ کے پاس جنوب کی سمت میں نکلنا چاہتا ہے تو وہ ایک گروپ کی شکل میں اس کے پاس آئیں اور التجا کی کہ وہ انھیں اپنے ہمراہ لے جائے۔

ان کی غمناک التجاؤں کو دیکھتے ہوئے اس نے بہانہ کیا کہ وہ فی الحال راستہ بنانے کے لیے اپنے ساتھ چند محافظ لے کر جا رہا ہے، وہ جلد ہی لوٹے گا اور انھیں بھی ساتھ لے جائے گا۔ وہ مون ین کے وعدے پر مطمئن ہوگئیں۔ مون ین فوراً ہی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ اس کا جانا تھا کہ منگول جرنیل منگن شہر کے دروازوں پر آن پہنچا، اسے کوئی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ با آسانی شہر میں گھستا چلا گیا۔ جلد ہی شہر پر دہشت، انارکی اور خوف کا راج تھا۔ سپاہی شہر بھر میں پھیل گئے جو ان کے راستے میں آیا، زندگی کی بازی ہار گیا۔ انھوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور بادشاہ کے محل کو بھی لوٹ کر آگ لگا دی۔ محل اور اس سے ملحقہ عمارتوں میں بھڑکتی آگ ایک ماہ یا اس سے زیادہ عرصے تک وقفے وقفے سے سلگتی رہی، اس کی وجہ ان عمارتوں میں کپڑے اور دوسری قیمتی اشیاء کے ذخائر تھے باوجود اس کے خزانے کی ایک بہت بڑی تعداد پہلے ہی منگول لے اڑے تھے۔

ان بیچاری خواتین کے ساتھ کیا واقعہ ہوا جنھیں پہلے ان کے شوہر، پھر بادشاہ اور پھر مون ین نے وعدہ خلافی کر کے دھوکہ دیا۔ قیاس ہے کہ وہ بھی اہل شہر کے ساتھ منگول قتل عام کا شکار ہوگئیں۔ منگول سپاہی شہر کو تباہ و برباد کر رہے تھے اور اپنے راستے میں آنے والے ہر ذی روح کو موت بانٹ کر خوشی محسوس کر رہے تھے۔

دوسری طرف مون ین جب بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو اسے خاصی ندامت کا سامنا کرنا پڑا جب اسے یہ بتانا پڑا کہ وہ شاہی خواتین کو درندوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلا آیا، بہرحال اس کا استدلال تھا کہ اگر خواتین اس کے ہمراہ ہوتیں تو اس کے لیے فوجی دستوں کو لے کر کامیابی سے نکل آنا ناممکن تھا۔ بادشاہ نے اس کے نقطہ نظر سے اتفاق کر لیا لیکن یہ تاثر زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور بادشاہ کے خلاف سازش کے الزام میں مون ین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

منگول جرنیل منگن نے شاہی خزانے پر قبضہ کر لیا جس میں سونے، چاندی اور سلک کے کثیر ذخائر تھے۔ یہ قیمتی خزائن چنگیز خان کو بھجوا دیے گئے جو شمال میں قائم کردہ عظیم لشکر گاہ جو اس نے تارتاری میں بنوائی تھی، میں مقیم تھا۔ اس مہم سے فراغت کے بعد چنگیز خان نے چین میں بہت سی دوسری لڑائیاں لڑیں جن میں وہ فتح یاب ہو کر جنوب میں مزید آگے بڑھا اور خود کو اس تاریخی سرزمین کا مضبوط حاکم منوایا۔

فتوحات کو یقینی بنانے کے بعد، اس نے چینی افسروں میں سے اہل اور وفادار افسروں کا انتخاب کیا اور انھیں مختلف صوبوں کے گورنر بنا کر اپنی ملازمت میں شامل کر لیا۔ اس طرح اس نے ان علاقوں کو اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا۔ ان افسروں نے بادشاہ کی بجائے چنگیز خان سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور اسے ان علاقوں سے خراج وصول کر کے باقاعدگی سے پہنچانے کا وعدہ کیا۔

موہلی کو اس بات سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ ایک خاندانی سلطنت دم توڑ رہی ہے، وہ خان کی خوشنودی کے لیے شہر سے لوٹا خزانہ اور اسلحہ اکٹھا کر رہا تھا۔ ختا میں جنگی قیدی بنائے جانے والے ختائی افسروں میں سے ایک لیوتنگ کا شہزادہ تھا جو ختائیوں کی ملازمت میں تھا۔ وہ قدآور اور کمر تک باشرع انسان تھا۔ خان کو اس قیدی کی مردانہ وجاہت سے بھرپور آواز نے متوجہ کیا، اس نے قیدی کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ یی لی چوتسائی تھا۔ چنگیز خان نے اس سے پوچھا، ''تم نے ایک ایسی شاہی سلطنت کا ساتھ کیوں دیا جو اس کے خاندان کی پرانی دشمن تھی۔'' جوان شہزادے کا جواب کسی تجربہ کار انسان کے جواب سے کم نہ تھا۔ اس نے کہا میرا باپ اور خاندان کے دوسرے افراد چن خاندان کے نوکر تھے، یہ ٹھیک نہ ہوتا اگر میں ان کے ساتھ اظہارِ وفاداری کی بجائے معاندانہ رویہ اختیار کرتا۔

اس جواب نے چنگیز کو مسرور کیا۔

''کیا تم نے اپنے سابقہ آقا کی خدمت کی تھی اسی جذبے کے ساتھ تم میری خدمت بھی کر سکتے ہو۔ میرے لوگوں میں ایک ہو کر رہنا۔''

بعض دوسرے افراد جنھوں نے شاہی سلطنت کے ساتھ غداری کی تھی اور اسے مصیبت میں تنہا چھوڑا تھا۔ خان نے ایسے افراد کے قتل کا حکم دیا کیونکہ وہ ناقابل اعتبار تھے۔ یہ لیو چوتسائی تھا جس نے خان کو کہا کہ تم نے اتنی بڑی سلطنت پر کاٹھی ڈال دی ہے لیکن تم اس پر حکومت نہیں کر

سکتے۔ آیا فاتح منگولوں نے اس نصیحت کی سچائی کو پرکھا یا محسوس کیا کہ ختائی سرزمین پر ان کے پاس ایسے آلات ہیں جیسے ان (منگولوں) کے پاس پتھروں کو کاٹنے اور آگ پھینکنے والے انجن تھے۔ چنانچہ ان ختائیوں کی فنی برتری کو دیکھتے ہوئے خان نے اس نصیحت پر کان دھرا۔ اس نے لیوٹنگ کے آدمیوں میں سے مفتوح ختا کے اضلاع کے لیے گورنر مقرر کیے۔ اس نے اس بات کی گہرائی کو محسوس کر لیا تھا کہ زرخیز اور مردم خیز ختائی سرزمین کو منگولوں کی خواہش پر صرف ایک سرسبز چراہگاہ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ چینیوں کے تجارت کرنے کے فنون، غلاموں اور عورتوں کی درجہ بندی کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس نے منڈ ریین کے حوصلے اور بہادری کو سراہا جنھوں نے اپنے سپہ سالار کی طرف سے تنہا چھوڑے جانے پر بھی جنگ پورے زور و شور سے جاری رکھی۔ ان کی ہمت، حوصلہ ظرفی اور شعوری سطح سے اس نے کافی سبق سیکھا۔

جب خان مختلف شہروں سے لوٹے خزانے لے کر قراقرم کی طرف عازم سفر ہوا تو اس نے ختا کے اُدبا میں سے بہت سوں کو ساتھ لے لیا۔ اس نے نئے صوبوں کے لیے فوجی حکومت چھوڑی اور سنگ کی فتح کو موہلی سے منسوب کیا، اس نے کھلے بندوں موہلی کی تعریف کی اور اسے ایک جھنڈا عطا کیا جس پر صحرائی بیل کے نو سینگوں کا نشان مزین تھا۔

خان نے منگولوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اس علاقے میں'' موہلی کے احکام کی اطاعت ویسے ہی کی جائے جیسے میرے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے۔ منگول روایت کے تحت کوئی بڑا کسی بھی پرانے جرنیل کے سامنے جھک نہیں سکتا تھا چنانچہ منگول خان نے بھی خود کو اس روایت کا پابند رکھا البتہ موہلی کو اس نئی ریاست میں اردو کے اس کے حصے کے ساتھ چھیڑا نہ گیا۔

یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ منگولوں کی یہ پالیسی کیا اس وقت کی مخصوص صورتِ حال کا نتیجہ تھا؟ خان اپنی مغربی سرحدوں کی مضبوطی کا خواں تھا، اس نے شاید یہ محسوس کیا ہوگا کہ تمام چین کو اس کے وسیع و عریض رقبے کی بدولت کنٹرول کرنا کئی سالوں پر محیط ہوگا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگی فتح حاصل کرنے کے بعد غیر ملکی سرزمین میں اس کی دلچسپی ختم ہوگئی تھی۔

ملک چین کی سرزمین کا وہ حصہ جسے چنگیز نے بزورِ شمشیر فتح کر کے اس کا الحاق اپنی سلطنت سے کر لیا تھا۔ تاریخ میں ختا کہلایا۔ اس الحاق نے اس کی سلطنت کو مزید وسعت دی۔ اب چنگیزی سلطنت اس کی براہِ راست حکومت، باجگزار صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل تھی جو شمال اور جنوب میں ایشیا کے اندرونی علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ملک چین میں بھڑکتی آگ ٹھنڈی کرنے کے بعد اس نے اپنی مغربی سرحدوں کی طرف توجہ مبذول کی جہاں تاتار اور منگول سرحد ترکستان اور مسلمانوں کے علاقوں سے جا ملی تھی۔ اس کا تذکرہ اگلے سبق خوارزم میں آئے گا۔

خوارزم دنیائے اسلام

ابھی تک چنگیز خان کی سلطنت کی حدود بعید ایشیا تک محدود تھیں۔ وہ صحراؤں میں پلا بڑھا تھا اور انسانی تہذیب کے ساتھ اس کا پہلا واسطہ ختا (Cathay) میں پڑا تھا۔ ختا کے شہروں سے وہ اپنے آبائی میدانوں کی سرسبز چراگاہوں میں واپس لوٹ گیا تھا۔ حال ہی میں شہزادہ کچلوک سے پیش آنے والے واقعات اور مسلم تاجروں کی ایک جماعت نے اسے ایشیا کے دوسرے حصے کے بارے میں معلومات فراہم کیں تھیں۔

اس سے قبل وہ اپنے مغربی سرحدوں کے اس پار کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا جہاں سرسبز شاداب وادیاں موجود تھیں اور برف نہیں گرتی تھی۔ اس سرزمین پر دریا بہتے تھے جو کبھی نہیں جمتے تھے۔ اس کے لوگوں کی کثیر تعداد قراقرم یا ین کنگ سے زیادہ قدیم شہروں میں رہتی تھی۔ انہی مغرب کی سمت میں بسنے والے لوگوں سے تجارتی قافلے آتے تھے جو اپنے ساتھ اسدور کی نادر اشیا، قیمتی پتھر، سرخ چمڑہ اور سفید کپڑا لے کر آتے تھے۔ چنگیز تک پہنچنے کے لیے، ان تجارتی قافلوں کو وسطیٰ ایشیا کا بیریر یعنی پہاڑی سلسلوں کا ایک نیٹ ورک عبور کرنا پڑتا تھا جو دنیا کی چھت تگدمبش (Tagh-dum-bush) کے شمال مشرق اور جنوب مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ قدیم ترین زمانوں سے یہ پہاڑی سرحد موجود تھی۔

قدیم زمانوں کے عربوں سے منسوب اصحاب کہف کا پہاڑ بھی یہیں تھا جو گوبی کے خانہ بدوشوں اور باقی دنیا کے مابین سرحد کی طرح تن کر کھڑا تھا۔ کئی مرتبہ خانہ بدوش اس رکاوٹ کو عبور کر کے آگے آئے لیکن طاقتور قوموں نے ان کا راستہ روکا اور انھیں مشرق کی جانب مزید آگے دھکیل دیا اس ضمن میں ہنز (Huns) اور اورز (Avars) کا نام سرفہرست ہے جو ان پہاڑی سلسلوں میں کہیں کھو گئے اور پھر کبھی نہ لوٹے۔ وقفے وقفے سے کئی مغربی فاتحین ان سلسلوں کے پار آنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ سات صدیاں قبل، ایرانی بادشاہ اپنی گھڑسوار فوج کے ساتھ مشرق کی جانب سندھ اور سمرقند کی طرف آیا تھا، ایسا تگدمبش شہہ سواروں کی نظروں کے سامنے ہوا۔ دو صدیاں بعد سکندرِ اعظم آندھی اور بگولے کی طرح اپنے فلینکس کے ساتھ اتنا ہی آگے بڑھ آیا۔ چنانچہ یہ پہاڑی سلسلے ایک طرح سے براعظم کی تقسیم کی حد بندی کرتے تھے جس کے ایک طرف چنگیز خان کے میدانی علاقوں کے بسنے والے اور دوسری جانب مغربی وادیوں کے رہنے والے تھے۔ ختائی انھیں بعید کی سرزمین قرار دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بہادر ختائی جرنیل اپنی فوج کے ساتھ ان ویرانوں میں دور تک مار کرتا چلا گیا تھا لیکن ابھی تک کوئی فوج ان پہاڑی سلسلوں کے پار جنگ چھیڑنے کی متحمل نہیں ہو سکی تھی۔ جیبی نویان جو منگول آرخوانوں کا ایک نہایت جری اور حوصلہ مند جرنیل تھا اس نے خود کو ان پہاڑی سلسلوں میں مقیم کیا تھا اور جوچی کیپچاک قبیلے کی دھرتی جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا، کی طرف نکل گیا تھا۔ ان دونوں قوی القلب انسانوں نے اس تاریخی اور پُراسرار پہاڑی سلسلوں میں دو سڑکوں کی نشاندہی کی تھی۔

ایک وقت تھا جب چنگیز کی دلچسپی تجارت میں تھی۔ سادہ طرزِ زندگی رکھنے والے منگولوں کے لیے وسط ایشیا کے پار سے محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی پیروکار مسلم دنیا کے ہتھیار اور اشیاء ضرور یہ خاص اہمیت کے حامل تھے۔اس نے اپنی رعایا میں شامل مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ تجارتی قافلے لے کر مغرب کی سمت جائیں اسے معلوم ہوا تھا کہ مغرب کی جانب اس کا ہمسایہ خراسان کا شاہ ہے جو خود ایک بڑی سلطنت کا فاتح ہے۔اس نے شاہ کی طرف سفیر بھیجنے کا اعلان کیا۔کبھی اس نے ایسا ہی ایک پیغام ختا کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا تھا لیکن وہ پیغام حد درجہ گستاخانہ اور جارح تھا جبکہ سلطنت علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی طرف اسنے دوستی اور باہمی تجارت کا ہاتھ بڑھایا تھا۔اس کا پیغام تاریخ کے صفحات پر آج بھی ان الفاظ کے ساتھ محفوظ ہے۔''میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں میں آپ کی سلطنت کی طاقت اور وسعت کے بارے میں جانتا ہوں، میں آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح تصور کرتا ہوں۔ میں نے ختا اور بہت سی ترک اقوام پر فتوحات حاصل کی ہیں۔ میرا ملک بہادر جنگجوؤں کا ایک کیمپ ہے جہاں سونے چاندی کی بہتات ہے، مجھے دوسری زمینوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ہمارے دونوں ملکوں کے لوگوں کے درمیان تجارت کی حوصلہ افزائی کرنے میں آپ کی بھی دلچسپی ہے۔''اس دن کے منگول کے لیے ایسا پیغام ایک انتہائی نرم گفتار لہجہ اور رویہ تھا جو غیر معمولی تھا۔تاریخ کے اس سفر میں مزید آگے بڑھنے سے قبل خوارزم کے حالات پر نگاہ دوڑاتے ہیں۔

تیرویں صدی کی دنیا میں جہاں ایک عفریت صحرائے گوبی کے اس پار سے مغرب کی جانب نظریں گاڑے تھی۔ دنیائے اسلام میں محمد علی شاہ سن 1200ء میں خوارزم کے تخت پر رونق افروز تھا۔اس نے سلطنت سلجوق خاندان سے حاصل کی تھی۔آخری سلجوقی حکمران قطب الدین محمد ترک نے دو لاکھ افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کیا تھا۔بے اندازہ دولت اور طاقت کے نشے میں محمد ترک نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔سلطنت میں اکثریت ایرانیوں کی تھی جو رعایا تھی جبکہ ترک حکمران طبقہ تھے اور وہ اقلیت میں تھے۔اکثریت لاچار اور غریب تھی جبکہ اقلیتی ترک بلا کے نشانہ باز اور جنگجو گھڑ سوار تھے۔کلگلس لوگ جن کا تعلق کیچاک قبیلے سے تھا، سلطان کے ذاتی محافظ تھے۔یہ لوگ قطب الدین ترک کی والدہ ترکان خاتون کی بدولت اس مقام تک پہنچے تھے،اس لیے کہ ترکان خاتون ان کے سردار کی بیٹی تھی۔ایسے مہم جو اور جنگجو لڑاکوں کے سامنے فارسی لوگ بیچارے کیا کر سکتے تھے۔

اس تناظر میں محمد دوم کے سامنے خراسان کی کوئی حیثیت نہ تھی چنانچہ خراسان کسی خاص تردد کے بغیر اس کے قبضے میں آ گیا۔تاریخ میں جن فقید المثال شخصیتوں کا تذکرہ ملتا ہے، جیسے سکندرِ اعظم، راجا پورس، صلاح الدین ایوبی، نورالدین زنگی وغیرہ سلطان اس پس منظر کے ساتھ کوئی زیرک یا دور بین سوچ رکھنے والی شخصیت نہ تھا۔وہ ایک سطحی دماغ اور گہری سوچ سے محروم شخصیت تھی۔ وہ طاقت کے نشے میں چور بدلتے مزاج کا انسان تھا۔اس نے جس آسانی سے خراسان کو پاؤں تلے روندا تھا، وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ وہ جب چاہے جس کو چاہے اسی طرح شکست دے سکتا ہے۔وہ رموزِ سلطنت سے ناآشنا حکمران تھا۔اس نے رعایا کی خوش حالی کے لیے کوئی اقدام کرنا گوارا نہ کیا۔جنگ وجدل کے بعد اسے سکون کے اچھے لمحات میسر آ گئے تھے۔زمانہ امن میں اگر اس کے پاس اپنی سلطنت کو مضبوط کرنے اور رعایا کی فلاح و بہبود کی کوئی سوچ ہوتی تو کرنے کو اس کے پاس بہت سا وقت تھا لیکن اس نے یہ سنہری موقع کھو دیا۔خراسان کا علاقہ معاشی اعتبار سے انتہائی پس ماندہ تھا،اس نے کسی شہر کو نہ بخشا اور پورے کا پورا علاقہ اپنے زیرنگیں کر لیا۔بہرحال اس کی پے در پے فتوحات نے اس وقت کی دنیا پر اس کی دھاک بٹھا دی۔رہی سہی کسر اس

کے درباریوں نے پوری کر دی۔ جنھوں نے چاپلوسی کر کے اسے سکندرِ اعظم دوئم قرار دیا اس کی نفسیاتی دھاک کی بدولت ہمسایہ ریاستیں اور ملک اس کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے خواں تھے کئی نے تو خوفزدہ ہو کر خراج ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ سلطان محمد دوئم کی سلطنت کے مشرق میں ٹرانسونیہ (Transoxnia) کی حکومت تھی، مشرقی جنوب میں کاراخطائی کی ریاست تھی جو بدھ مت کے ماننے والے تھے۔ کاراخطائی کے حکمران علاقے میں خاصے طاقتور تصور کیے جاتے تھے۔ ان کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے ٹرانسونیہ کی مسند اقتدار پر بیٹھنے والے شہزادے انھیں خراج ادا کرنے ہی میں عافیت تصور کرتے تھے۔ کاراخطائی کی سرحد وسیع مشرقی میدانوں کے ساتھ لگتی تھی جو بے آب و گیاہ اور ناقابل کاشت تھے۔ ان میدانوں کے پار منگول خانہ بدوش آباد تھے چنانچہ کاراخطائی کی ریاست محمد دوئم اور منگولوں کے درمیان بفر سٹیٹ (Buffer state) کا درجہ رکھتی تھی۔ جب سلطان محمد دوم کی غیر متوقع لیکن تیز رفتار فتوحات کا چرچا پھیلا تو ٹرانسونیہ کے شہزادے نے خراج بجائے کاراخطائی کو دینے کے خوارزم کو دینا شروع کر دیا۔ عثمانیہ والوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اس وقت کاراخطائی کے بدھ آپس کی ناچاقی کا شکار تھے اور ان کے لیے سلطان محمد دوم سے ٹکر لینا مشکل تھا۔

یہاں تک تو ٹھیک تھا لیکن جب منگولوں نے کاراخطائی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو سلطان نے حالات بدلتے دیکھ کر ٹرانسکونیہ پر چڑھائی کر دی اور برائے نام مزاحمت کے سبب خوارزمی فوج نے ٹرانسونیہ پر قبضہ کر لیا۔ جنگی اعتبار سے سلطان کی تاحال کی گئی فتوحات میں ایک بھی ایسی جنگ شامل نہ تھی جس میں اسے مشکل پیش آئی ہو، اس کا واسطہ نیم مردہ اور تر نوالہ قبیلوں، ریاستوں اور ملکوں کے ساتھ پڑا تھا۔ لیکن ٹرانسونیہ کی جنگ سے سلطان کو درج ذیل دوررس نتائج حاصل ہوئے۔

اس کا خزانہ مال و دولت سے بھر گیا۔ ٹرانسونیہ سے اسے کثیر تعداد میں دولت ہاتھ لگی تھی۔ اب اس کی مملکت تب کی دنیا کی امیر ترین مملکت بن گئی تھی۔ دنیائے اسلام میں اس کی جنگی مہارت کا ڈنکا بج گیا۔

ٹرانسونیہ کوئی امیر ریاست تو نہ تھی لیکن اس کی جغرافیائی لوکیشن نہایت اہم تھی۔ یہ امیو دریا (Oxus) اور سائر دریا (Jaxartes) کا درمیانی علاقہ تھا۔ ان کے جنوب میں لق و دق صحرا اور ویرانے تھے۔ مشرقی سرحد یعنی سائر دریا کے دھانے پر کوجنڈ نامی تجارتی مرکز تھا جہاں دنیا بھر سے تجارت کا مال آتا اور جاتا تھا، مغرب میں امیو دریا پر مساجد اور یونیورسٹیاں (مدرسے) کثیر تعداد میں تھیں، بخارا کے قالین یہاں سٹور کیے جاتے تھے، ان کے درمیان میں اپنی مثال آپ ایک خوبصورت شہر واقع تھا جس کا نام ''سمرقند'' تھا، اس شہر کی خوبصورتی اور باکمال ہونے کے سبب، محمد دوم نے اس شہر کو اپنے دارالخلافہ کے طور پر منتخب کر لیا تھا۔ اس شہر کی خوبصورتی کا ذکر کیے بغیر آگے بڑھنا قرین انصاف نہ ہوگا۔ سمرقند کی آبادی پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ سمرقند میں آبادیاں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں جن کے گرد درختوں کے جھنڈ تھے۔ یہ درخت قدرتی نہ تھے بلکہ ان کو دور دراز سے لا کر یہاں لگایا گیا تھا۔ شہر کے چاروں اطراف پانی کے فوارے تھے۔ یہ شہر باغات کا شہر کہلاتا تھا، کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا اپنا باغ نہ ہو۔ فیکٹریوں میں ریشم بافت کیا جاتا تھا۔ ایرانی صنعت کار اپنے فن میں لاجواب تھے۔ سجاوٹ اور کڑھائی کا کام اپنے عروج پر تھا۔ چاندی کوٹ کر ہزار اقسام کی سجاوٹوں کا کام ہوتا تھا، یہ کام ہر سطح کا ہوتا تھا۔ تانبے کے کام کا ایک وسیع نیٹ ورک تھا جو گھوڑوں کے ساز و سامان سے لے کر خوبصورت ڈھالوں کی

تیاری پر مشتمل تھا۔ چیتھڑوں کے محلول سے کاغذ تیار کیا جاتا تھا جو کوالٹی میں پائیدار اور خوبصورت تھا۔ یہ کاغذ عرب ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ یہ علاقہ زراعت کے لحاظ سے زرخیز تھا، ہر طرح کی پیداوار کی بہتات تھی۔ یہاں پر پیدا ہونے والی سبزیوں اور پھلوں کو دھات کے بکسوں میں برف کے ساتھ پیک کر کے دور دراز کے ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ ان برآمدات نے سمرقند کو ایک مالدار اور خوش حال شہر بنا دیا تھا۔

اس شہر پر قبضے نے محمد دوم اور اس کے درباریوں کو مشرق کے امیر ترین افراد بنا دیا تھا۔ اس کے درباریوں کے الگ الگ حرم تھے جن میں سینکڑوں خوبصورت عورتیں اور لونڈیاں ان کی خدمت پر مامور تھیں۔ ان کی ٹھاٹھ دار معیشت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ سونے اور چاندی سے مزین پوشاک زیب تن کر کے عربی گھوڑوں پر سوار ہو کر جب شکار کے لیے نکلتے تو یہ مشرق کی عظمت کا شاندار نظارہ ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ سدھائے چیتے ہوتے تھے جو ان کی آنکھ کے اشارے کے منتظر ہوتے تھے۔

سلطان محمد دوم ایک نااہل حکمران تھا۔ اس کی رعایا بدحال اور اس سے نالاں تھی جبکہ اس کے منظور نظر ترک دولت کی لوٹ مار میں مصروف تھے۔ اپنی دھاک بٹھائے رکھنے کی غرض سے وہ کبھی کبھار جنوب کی سمت میں چھوٹی موٹی مہم سر کرتا۔ اس کی رعایا رہنمائی کے لیے اپنے مذہبی رہنماؤں اور خلیفہ بغداد کی طرف دیکھتی لیکن وہ بے کار فلسفوں اور بحث میں الجھے رہے جس کا حقیقت سے دور کا واسطہ نہ تھا۔ الغرض سلطان محمد دوم کی سلطنت کے اندر خلفشار لاوے کی طرح پک رہا تھا اور وہ اپنی فوج کی مدد سے چین کی بانسری بجا رہا تھا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان محمد دوم نے جتنی فتوحات کی تھیں وہ بھاری ہتھوڑے کے ساتھ مکھی مارنے کے مترادف تھیں۔ ان میں کسی جنگ میں اس کا واسطہ اعلیٰ پائے کے کسی جرنیل یا حکمران کے ساتھ نہ پڑا تھا۔

سن 1216ء میں سلطان محمد شاہ نے غزنی کا محاصرہ کر لیا۔ غزنی کے محاصرے کے دوران سلطان پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کا بنایا نظام شکست و ریخت کا شکار ہے، رعایا کی ہمدردیاں خلیفہ بغداد کے ساتھ تھیں۔ سلطان نے خلیفہ کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس کی جگہ اپنا کٹھ پتلی خلیفہ بٹھا سکے۔ آذربائیجان کے ہتھیار ڈالنے کی یقین دہانی کے بعد وہ فوج لے کر بغداد کی جانب بڑھا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ خلیفہ اگرچہ بے بس تھا لیکن اللہ تو بے بس نہ تھا۔ اچانک چلنے والے برف کے طوفان نے سلطان کی فوج کو آن گھیرا، فوج جان بچانے کے لیے منتشر ہو گئی، کئی طوفان کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن گئے، کئی ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ سلطان بچی کچی فوج کے ساتھ بمشکل نکل سکا۔ اس طرح خلیفہ بغداد سلطان محمد دوم کے ہاتھوں وقتی طور پر تو محفوظ ہو گیا لیکن اب اسے سلطان کی طرف سے مستقل دھڑکا لگا رہتا۔ ان حالات میں خلیفہ کی نظریں کسی نجات دہندہ کی متلاشی تھیں۔

ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان جب بخارا پہنچا تو تین پیغامبروں کو اپنا منتظر پایا۔ یہ منگولوں کے خاقانِ اعظم چنگیز خان کی طرف سے خیر سگالی کا پیغام لے کر حاضر ہوئے تھے۔ ہوا یہ کہ چنگیز نے سلطان محمد خوارزم شاہ کی طرف سفارتی مہم بھیجی۔ یہ سفارتی ٹیم محمود خوارزمی، علی خواجہ بخاری اور لنکا اتراری پر مشتمل تھی۔ سلطان اس وقت ماوراالنہر میں مقیم تھا۔ چنگیز کی سفارت تحفے تحائف اور اس پیغام کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ چونکہ خوارزم شاہی سلطنت چنگیز کی حدود سے مل گئی ہے اس لیے بہتر ہو گا کہ دونوں حکومتوں میں سفارتی اور تجارتی روابط قائم کیے

جائیں۔اس زمانے کے ورلڈ آرڈر کی روشنی میں، منگول سفارت چنگیز کی ایک زبردست چال (Diplomatic move) قرار دی جاسکتی ہے چاہے اس کی آڑ میں مقاصد کچھ بھی رہے ہوں۔چنگیز نے سلطان کے نام ایک ذاتی خط میں اس کی پے در پے فتوحات پر اظہارِ تحسین کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ اسے اپنے بیٹوں کی طرح چاہتا ہے۔سلطان نے چنگیز کا شکریہ ادا کیا، سفیروں کی قدرومنزلت کی گئی، بہت سے قیمتی تحائف چنگیز کی طرف اظہار خیر سگالی کے طور پر بھیجے گئے لیکن چنگیز کے الفاظ کی گہرائی نے محمد خوارزم شاہ کو ذہنی طور پر تنگ کیا کہ چنگیز نے اسے اپنے برابر کا مرتبہ دینے کی بجائے اپنے بیٹوں کی سطح پر رکھا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نے ایک چنگیزی سفارت کار محمود الخوارزمی کو اپنی خلوت میں بلا کر مرعوب کرنے اور شیشے میں اُتارنے کی کوشش کی تاکہ تاتاریوں کے خاقانِ اعظم کے بارے میں حساس معلومات حاصل کر سکے۔اس نے چنگیز کی فوجوں، جنگی حکمت عملی اور اقتصادی صورتِ حال کے بارے میں جتنے سوال کیے۔الخوارزمی نے ان سوالوں کے غلط اور حقیقت سے کوسوں دور جواب دیے۔سلطان نے ان معلومات کی غیر جانبدار ذرائع سے تصدیق کرنے کی بجائے، ان کی بنیاد پر ایک جنگی پلان تشکیل دیا۔اس خاکے میں بھرے جانے والے رنگ حقائق سے عاری تھے۔

بہر حال سلطان محمد خوارزم شاہ کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے بعد، جب یہ سفارت منگولستان واپس پہنچی تو سلطان کی طرف سے خیر سگالی کا پیغام اور تحائف پا کر چنگیز مسرور ہوا، اس نے حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے مزید عملی اقدامات اٹھائے جائیں اور اعتماد اور خیر سگالی کو فروغ دیا جائے۔

چنگیز سفارت کے آنے کے بعد، محمد خوارزم شاہ کی بھی تمام تر توجہ ان صحرائی باشندوں کی طرف تھی، وہ ان لوگوں کے طرزِ زندگی، بودوباش اور جنگی مہارت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا خواں تھا۔اس سوچ کے تحت اسنے سید اجل بہاء الدین رازی جیسے معزز شخص کو بطورِ سفیر چنگیزی دربار میں بھیجا۔خوارزمی سفیر کو در پردہ کیا ہدایات دی گئیں۔اس کے بارے میں تمام مورخین خاموش ہیں، بظاہر دوطرفہ دوستی کے پس منظر میں ایک معلوماتی مہم ضرور رہی ہوگی۔

سفیر خوارزم سید بہاؤ الدین کے مشاہدات

سید بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی ریاست طمغاج کی حدود میں پہنچے، التون خان کا صدر مقام نزدیک آ رہا تھا، اسی اثناء میں ایک سفید ڈھیر نظر آیا، یہ ہمارے سفری مقام سے دو تین منزل کی دوری پر تھا۔ہم سمجھے کہ شاید یہ سفید ڈھیر برف کا پہاڑ ہے۔مقامی باشندوں نے استفسار پر بتایا کہ یہ ان لوگوں کی ہڈیوں کا ڈھیر ہے جو قتل کیے گئے۔

جب ہم ذرا اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ مقتولوں کے جسموں کی چربی پگھلنے سے زمین چکنی اور سیاہ ہوگئی تھی۔ہم نے کچھ فاصلہ ایسی ہی زمین پر طے کیا۔چکنی اور سیاہ زمین سے جو بدبو اٹھ رہی تھی اس کے باعث ہمارے بعض لوگ بیمار ہوگئے اور بعض مر گئے۔جب ہم شہر طمغاج کے

دروازے پر پہنچے تو ایک مقام پر فصیل کے ایک برج کے پاس بہت سے انسانوں کی ہڈیاں جمع تھیں۔ان کے بارے میں پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس روز شہر فتح ہوا اس روز ساٹھ ہزار کنواری لڑکیوں نے اپنے آپ کو برج پر سے نیچے گرا دیا اور وہ وہیں ہلاک ہوگئیں تھیں۔انھیں ڈر تھا کہ کہیں وہ حملہ آور وحشیوں کے ہاتھ نہ پڑ جائیں۔یہ ہڈیاں انہی لڑکیوں کی ہیں۔

سید بہاؤالدین کا کہنا ہے جب ہم چنگیز خان کے دربار میں پیش کیے گئے تو اس نے حکم دیا کہ التون خان کے بیٹے اور وزیر کو جو اس کے بندی تھے، ہمارے سامنے لایا جائے۔جب ہم واپس ہوئے تو بہت سے تحفے اور ہدیے چنگیز نے سلطان محمد خوارزم شاہ کے لیے بھیجے اور کہا: محمد خوارزم شاہ سے کہنا،''میں اس سرزمین کا بادشاہ ہوں، جدھر سے سورج نکلتا ہے، اور تو اس سرزمین کا فرماں روا ہے، جدھر سورج غروب ہوتا ہے، ہم دونوں کے درمیان محبت، دوستی اور صلح کا عہد پختہ رہنا چاہیے۔فریقین کی طرف سے تاجر اور قافلے بے تکلف آئیں جائیں۔جو قیمتی اور نادر چیزیں یا سامان تجارت میرے ملک میں ہے، وہ تمھارے ملک میں پہنچے اور جو کچھ تمھارے ملک میں ہے، وہ میرے ملک میں آئے۔''

چنگیز نے خوارزم شاہی سفارت کی خوب پذیرائی کی اور خیر سگالی اور دوستی کے جذبات کے اظہار کے طور پر ایک تجارتی قافلہ خوارزم کی طرف روانہ کیا۔یہ تجارتی قافلہ چار سو مسلمان تاجروں پر مشتمل تھا۔اس تجارتی قافلے کے علاوہ جو تحائف محمد خوارزم شاہ کی طرف روانہ کیے گئے ان میں سونے کا ایک بڑا ڈلا بھی شامل تھا۔سید بہاء الدین بیان کرتے ہیں کہ سونے کا یہ ڈلا اُونٹ کی گردن کے برابر ہوگا۔یہ ڈلا چین کی مہم کے دوران کوہِ طمغاج سے چنگیز کے قبضے میں آیا تھا۔ہمیں اس ڈلے کو بحفاظت خوارزم پہنچانے کے لیے گاڑی کا انتظام کرنا پڑا۔چنگیز نے ہمیں سونے چاندی، ریشم، قزخطائی، ترغو، قندز، خام ریشم اور چینی، طمغاج کی بنی نفیس اشیا سے لدے پانچ سو اونٹ ہمراہ کیے۔منگولستان سے خوارزم کے درمیان پہلی سرحدی چوکی اترار کے مقام پر واقع تھی۔حاکم اترار محمد خوارزم شاہ کا رشتے میں ماموں تھا، تاریخ اس شخص کا نام اینالجق بیان کرتی ہے۔جب یہ تجارتی قافلہ اترار کے مقام پر اترا تو قافلے کی دولت کی چمک دمک نے اینالجق کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔بظاہر یہ قافلہ اس کے رحم و کرم پر تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال رہا ہے۔مال و زر نے اینالجق کی عقل پر پردہ ڈال دیا اور وہ حاکمانہ ذمہ داری کو پس پشت ڈال کر سطیعت پر اتر آیا۔عام انسانوں کی غلطی تو وہ خود یا ان کے ورثا بھگتتے ہیں جبکہ حاکموں کی غلطیاں قوموں کو بھگتنی پڑتی ہیں۔اینالجق نے اب واقعات کو اپنی مرضی کا رنگ دینے کے لیے سلطان کے لیے ایک پیغام تیار کروایا کہ منگولستان سے چار سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ اترار پہنچا ہے یہ لوگ خود کو تاجر ظاہر کرتے ہیں، ان کی منزل بظاہر خوارزم ہے لیکن ان کا ارادہ خرید و فروخت کے بہانے اندرون ملک اور حساس معلومات کا حصول نظر آتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ زیادہ تر جاسوس نظر آتے ہیں جنھیں چنگیز خان نے معلومات اور آگہی کے لیے تاجروں کے بھیس میں روانہ کیا ہے، ایسے افراد کا اندرونِ ملک جانا ملکی سالمیت کے منافی نظر آتا ہے۔لہٰذا میں نے اس قافلے کو آپ کے احکام آنے تک روک لیا ہے۔

جب یہ خط سلطان محمد خوارزم شاہ کے دربار میں پہنچا تو خط کے مندرجات نے اسے ان افواہوں کا خیال دلایا جو چنگیز کی پہلی سفارت کے پہنچنے پر دارالخلافہ میں پھیلی تھیں اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا تھا کہ سفارت محض ایک دکھاوا ہے، اس کے پس منظر میں کچھ اور محرکات ہی کارفرما ہیں، پھر سلطان کو چنگیز کا وہ فقرہ بھی یاد تھا جس میں چنگیز نے سلطان کو اپنے برابر کا مقام دینے کی بجائے اپنا بیٹا قرار دیا تھا۔اس متفرق سوچ کے تحت سلطان

نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر اینالجق کو لکھ بھیجا کہ جیسے مناسب سمجھو ویسے کرو۔ اس احمقانہ اور ناعاقبت اندیش شاہی فرمان نے تاریخ کے دھارے کو موڑ ڈالا۔ اینالجق نے پہلے سے طے شدہ ذہن کے منصوبے کے مطابق حکم دیا کہ تمام تاجروں کو ہلاک کر دیا جائے اور مال وزر ضبط کر لیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل بھی ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ اترار کے قتل عام میں صرف ایک ساربان کے سوا کوئی خاص و عام زندہ نہ بچا۔ وہ ساربان بھی اس لیے بچ گیا کہ ساتھیوں کے قتل کے وقت حمام میں تھا، وہ بھٹی کے راستے باہر نکلا، صحرائی راستے سے چین، طمغاج پہنچا اور غداری کی پوری کیفیت چیخ چیخ کر چنگیز کے گوش گزار کر دی۔

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ والئی اترار کی غداری اور بدخواہی اور خوارزمی خلیفہ کی بیوقوفی دنیائے اسلام کے ممالک کی بدقسمتی اور بربادی کا سبب بن گئی۔ جو کچھ اسلامی دنیا کا مقدر ٹھہر چکا تھا، اس کے پورا ہونے کے اسباب مہیا ہو گئے تھے۔ بے شک انسان کو ہر پل اللہ کی پناہ کا طلب گار رہنا چاہیے۔

ہر چند چنگیز خان حاکم اترار کی اس وحشیانہ حرکت سے تلملا اٹھا اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا مطالبہ ہونے لگا لیکن چنگیز نے کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے مناسب خیال کیا کہ سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ سے مسلمہ بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی پر احتجاج کیا جائے تاکہ ظالموں کو قرار واقعی سزا دلوائی جا سکے اور مقتولین کو ہرجانہ ادا کیا جائے۔

منہاج السراج لکھتا ہے کہ اس نے ملک رکن الدین کے بیٹے سے جو غور کے علاقے خیسار کا باشندہ تھا، سنا کہ اسے شاہِ سیستان سے جو نیم روز کے حکمرانوں میں سے تھا، معلوم ہوا کہ اس بادشاہ نے قسم کھا کر کہا کہ چنگیز خانی تاجروں کے سونے چاندی سے جس خزانے میں ایک دانگ بھی داخل ہوئی اس کا انتقام لینے چنگیز خان اور تاتاری لشکر پہنچے اور اس ایک دانگ کے بدلے پورا ملک اور پورا خزانہ لوٹا۔

واقعہ اترار میں سلطان محمد شاہ کی مجبوری یہ تھی کہ اینالجق سلطان کا ماموں اور ایک بااثر قبیلے کا فرد تھا۔ اگر اینالجق کے سوا کسی اور شخص سے ایسا جرم سرزد ہو جاتا تو اس کے خلاف ایکشن لیتا۔ اگر سلطان ایک زبردست حکمران ہوتا تو وسیع تر ملکی مفاد کی خاطر چنگیز خان کی تالیفِ قلب کر سکتا تھا۔ تاریخ بروقت فیصلوں سے عبارت ہے۔

سلطان نے چنگیز کے سفیر اور اس کے دو منگول سپاہیوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا یہ اقدام سوئے شیر کو جگانے کے مترادف تھا۔ سلطان اور چنگیز خان کے درمیان کبھی بھی طاقت کے توازن کی بناء پر امن قائم نہیں تھا بلکہ ایک طرح سے خوف کے توازن کے تحت تھا۔ دونوں کے پاس ایک دوسرے کی طاقت کے بارے میں صحیح اطلاعات کا فقدان تھا۔ محمد خوارزم شاہ کی پے در پے فتوحات نے چنگیز پر ایک طرح کی نفسیاتی برتری حاصل کر رکھی تھی جبکہ محمد شاہ منگولوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا لیکن خود کو سکندر ثانی کہلواتا تھا۔ چنگیز کبھی دشمن کو کمزور اور خود کو غیر معمولی طاقتور تصور نہیں کرتا تھا۔

آج پھر اس نے پرانی پالیسی پر عمل پیرا رہنے کی قسم کھائی۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ دنیا میں کوئی سلطنت کوئی بادشاہت اپاہج بنائے بغیر

نہیں چھوڑے گا تا کہ کوئی ہاتھ ایسا نہ رہے جو چنگیز کے گریبان تک پہنچ سکے کوئی زبان ایسی نہ رہے جو چنگیز کو للکارنے کے قابل رہ سکے۔

منگولوں کا مروجہ اصول تھا کہ منگولوں کے سفیر کے قتل کا خونی انتقام لیا جائے اور جنگ کا مطلب فتح ہوگا چاہے جتنا خون بہانا پڑے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ قراقرم شہر لوٹنے کے بعد اس نے سلطان محمد شاہ کو جو آخری پیغام بھیجا اس کی زبان نہایت کڑوی تھی۔

''تم نے لڑائی کی آواز دی ہے، اپنے لیے جنگ کا انتخاب کیا ہے۔ اب جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس کا علم صرف خدا کو ہے، مجھے بھی نہیں۔''

چنگیز نے حکم دیا کہ ترکستان، چین اور طمغاج کے لشکر جمع کیے جائیں۔ اس کے حکم پر آٹھ سو علم نمودار ہوئے۔ ہر علم کے نیچے ایک ہزار سوار تھے۔ کم و بیش 3 لاکھ گھوڑے ''جنگجوؤں'' کے لیے تیار کر دیے گئے۔ تاتاری زبان میں جنگجو بہادر کو کہتے ہیں۔ راشن کے طور پر دس سواروں کے ہر گروہ کو چھ چھ مہینے کے لیے تین تین بھیڑیں دی گئیں تا کہ ان کا گوشت سکھا کر بطورِ غذا استعمال کر سکیں۔ اس راشن میں خوراک کی اس مقدار کے ساتھ لوہے کی ایک ایک دیگ، پانی کی ایک ایک مشک اور پینے کے لیے قمیز نامی مقامی شراب کی ایک معقول مقدار دی گئی۔ منگول یہ مشروب گھوڑی کے دودھ سے تیار کرتے تھے۔ یہ صحت اور توانائی کے اعتبار سے مقوی صحت تھا۔

تاریخ کے سفر میں آگے بڑھنے سے پیشتر، یاد رہے کہ چنگیز خان کے پاس منگول فیلڈ مارشلوں اور جرنیلوں میں ایسی شخصیتیں تھیں جو اس کی ابتدائی فتوحات میں اس کے ہم رکاب رہ چکی تھیں۔ انہی جنگجوؤں کے بل بوتے پر چنگیز نے ایک نئی قوم کی بنیاد رکھی تھی۔ اس سے قبل وہ منتشر قبائل تھے جن کی الگ الگ کوئی جغرافیائی حیثیت نہیں تھی۔ اپنی مدبرانہ قیادت اور عظیم جرنیلوں کی معیت میں تموجن پہلے چنگیز خان اور پھر خاقانِ اعظم بنا۔ ان کی تہذیب، معاشرت نہایت سادہ تھی۔ بقول چنگیز ''میں ایک خوابیدہ سامست آدمی ہوں اور ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھا تھا، زمانے نے مجھے بیدار کر دیا۔''

چنگیز کے جرنیلوں میں سے دو سب سے نمایاں تھے ایک کا نام جیبی نوین اور دوسرا سو بیدائی بہادر تھا۔ اپنی جرأت اور جوانمردی کے سبب انھیں آندھی اور طوفان کہا جاتا تھا۔ یہ اُجاڑ میدانوں کے خانہ بدوشوں کے مشہور بہادر ہیرو تھے۔ انھیں بلاشبہ چنگیز کا دایاں اور بایاں بازو قرار دیا جاتا تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب منگول قبائل آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ لڑائی میں ایک موقع پر جیبی کا گھوڑا زخموں سے چور ہو کر گر پڑا اور جیبی نے پیدل لڑائی جاری رکھی لیکن وہ جلد ہی چاروں اطراف سے گھر گیا۔ اس نے چمکتی تلواروں اور نیزوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے للکارا مارتے ہوئے کہا کہ مجھے صرف ایک گھوڑا دے دو، میں تم میں سے کسی کو بھی چت کر سکتا ہوں، تم میں سے کوئی اتنا سورما ہے تو میرے سامنے آئے۔ یہ سن کر تموجن (چنگیز خان) نے حکم دیا اسے ایک سفید ناک والا گھوڑا دیا جائے، دیکھتے ہیں یہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جیبی کو گھوڑا دے دیا گیا۔ گھوڑا ملتے ہی جیسے جیبی کے جسم میں حرارت عود کر آئی اور وہ محاصرہ پھلانگ کر میدان سے باہر پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ ایسے جنگجوؤں کے گھیرے میں سے پورا نکل جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جیبی کی ذہانت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس نے چنگیز کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ ان لڑکوں میں سے کسی ایک کا جیبی سے لڑنے کے لیے انتخاب کرتا۔ اس واقعہ کے چند دن کے اندر اندر ایک دن جیبی تموجن کے خیمے میں تن تنہا ہی گھس گیا اور اپنی خدمات پیش کر دیں جسے چنگیز نے

بخوشی قبول کرلیا۔ کاراخطائی کی مہم میں جیبی چنگیز کے شانہ بشانہ لڑا۔ جیبی کی شخصیت کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اس اس ایک سفید ناک والے گھوڑے کے بدلے، جیبی نے ایک ہزار سفید نتھنے والے گھوڑے خود نسل کشی کروا کر چنگیز کو پیش کیے۔ یہ ایک جرنیل کی طرف سے اپنے رہنما کے لیے اظہارِ تشکر اور خراجِ تحسین تھا۔

چنگیز کے ترکش کا دوسرا تیر جنگجو سوبیدائی بہادر تھا۔ یہ شخص اپنی جنگی مہارت اور مکارانہ جنگی چالوں کی بدولت مشہور تھا۔ اس کا قول تھا کہ جس طرح غدا آندھی اور طوفان سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح میں دوست کو دشمن سے بچاتا ہوں اور دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر دیتا ہوں کہا جاتا ہے کہ سوبیدائی اور چنگیز دونوں ہی ناپ تول کر فیصلے کرنے والے اور پھر اس پر ڈٹ جانے والے تھے۔ جب چنگیز نے خوارزم شاہی کے خلاف مہم جوئی کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے سوبیدائی کو ہی مشورے کے لیے بلایا گیا تھا۔ جنگ کا نقشہ اور تمام جنگی چالیں سوبیدائی کے مشورے سے ترتیب دی گئیں۔ گو محمد شاہ خوارزمی کی فوج عددی برتری اور جغرافیائی محل، وقوع کے اعتبار سے فوقیت پر تھی جبکہ منگول لشکر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تھا لیکن سوبیدائی کی حکمت عملی کی بدولت منگول فوج کے دفاع کو اولین ترجیح دی گئی اور خوارزمی ہر محاذ پر گھاٹے میں رہے۔ اس جنگی تجزیے سے ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر خوارزم شاہ مضبوط دل اور ٹھوس حکمت عملی کے ساتھ منگولوں کے سامنے صف آرا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلم اقتدار کا سورج غروب ہوتا۔

یہ سوبیدائی بہادر کی جنگی ترکیب ہی تھی جس کے تحت دو لاکھ کے خونخوار منگول لشکر کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر 50 ہزار کی فوج کے ساتھ گولے اور پتھر برسانے والی ایک توپ نما مشین تھی جس کو چالو رکھنے کے لیے تکنیک کار بھی ہمراہ تھے۔

50 ہزار کا پہلا لشکری رسالہ قیادت چنگیز خان اور سوبیدائی بہادر

50 ہزار کا دوسرا لشکری رسالہ قیادت اُگدا اور چغتائی

50 ہزار کا تیسرا لشکری رسالہ قیادت جیبی نوین

50 ہزار کا چوتھا لشکری رسالہ قیادت جوچی

اس زمانے کی جنگیں لاکھوں نفوس کے جم غفیر پر مشتمل ہوتی تھیں۔ چنگیز کو صرف تعداد کی کمی کی سوچ گھیرے رکھتی تھی۔ ایک دن ایسی ہی سوچ آنے پر کہ فوج کی نفری شاید کم ہے۔ اس نے ٹنگٹس کے بادشاہ کو فوجی مدد کے لیے پیغام بھیجا۔ ٹنگٹس کا جواب سفارتی آداب کے منافی اور رعونت سے بھرپور ایک مختصر سا جواب تھا کہ اگر تموجن کے پاس لشکر جرار نہیں ہے تو وہ چنگیز خان کہلانے کا حق دار نہیں۔ اس جواب نے چنگیز کو آگ بگولا کر دیا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ یہی جواب ایک روز ٹنگٹس کے لیے تباہی اور بربادی کا پیغام لایا۔

واقعاتی تجزیہ

معاملہ دراصل یوں تھا کہ منگول طرزِ حکومت میں تمام تجارت پیشہ افراد کو جن جن علاقوں میں تجارت کی غرض سے جانا ہوتا تھا، وہاں کی جنگی صورتِ حال کی بھی تفصیل پیش کرنا ہوتی تھی۔ یہ ان کے ہاں ایک معمول کی رپورٹنگ تھی۔ اترار کے معاملے میں والئی اترار کا یہ خدشہ کہ مذکورہ

تاجر جاسوسی کی نیت سے آئے ہیں، ماسوائے بیوقوفی، جلد بازی اور معاملہ فہمی کے فقدان کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اترار سرحدی علاقہ ہونے کے سبب، مغلوں کی نظر میں رہتا تھا۔ وہاں کے احوال ان سے چھپے نہ تھے۔ یہ بات ثابت نظر آتی ہے کہ قیمتی مال واسباب نے اینالجق کی آنکھیں چندیا ڈالی تھیں۔ مزید براں سلطان محمد شاہ خوارزمی کا ردعمل بھی سیاسی اور سفارتی تقاضوں کے عین برعکس تھا۔ اس نے افواہوں پر کان دھرا اور معاملہ اینالجق کی عقل پر چھوڑ کر سنگین غلطی کی۔ اینالجک کی نظریں تو کاروانیوں کے مال واسباب پر تھیں، اس نے فوراً مال ودولت ضبط کر لی اور اونٹوں کی نگہبانی کرنے والوں کو بھی نہ بخشا۔

ایک طرف محمد شاہ دوم کے گورنر نے اختیارات سے تجاوز کیا تھا تو دوسری طرف علاؤالدین محمد شاہ بھی سیاسی تدبر اور ڈپلومیسی کو کام میں لاتا اور اس زیادتی پر اپنا افسوس ظاہر کر کے معاملے کو دبا سکتا تھا اور جرم کرنے والوں کو عدالت میں لا کر سزائیں سنا سکتا تھا لیکن جب چنگیز کی سفارت ابن کفراج بوگرا کی قیادت میں پہنچی اور اس نے مودبانہ صرف اتنا کہا کہ قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر مقتولین کو ان کا حق لوٹایا جائے۔ لیکن اس کے جواب میں علاؤالدین محمد شاہ نے سفیر کا سر کاٹ کر بھیج دیا۔

محمد شاہ کے اس گھٹیا اور سفارتی آداب کے منافی طرز عمل کی کسی طرح بھی حمایت نہیں کی جا سکتی۔ اس طرز عمل سے محمد شاہ کا زعم جھلکتا ہے کہ اول وہ عالم اسلام کا ایک طاقتور اور امیر ترین بادشاہ ہو کر منگولوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہوا دوئم وہ کبھی بھی اچھا سیاست دان نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ اس کی شہرت فاتح عالم کی حیثیت سے پھیل چکی ہے۔ سفیر کا کٹا سر مغلوں پر اس کی دھاک کو مزید پکا کر دے گا۔ اس کا خیال کچھ بھی ہو لیکن اس نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا تھا جس کا نتیجہ نقصان اور بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔

چنگیز خان پُرامن معاشرت اختیار کیے ہوئے تھے لیکن اب اس کا وہ پرانا پاگل پن اور جنون پھر بیدار ہو چکا تھا جو جوانی میں اس کا وطیرہ تھا۔ مشرق میں اس کی فراخ دلی اور وفا شعاری کا چرچا تھا جو مغرب کے اس حادثے کی وجہ سے پاش پاش ہونے کو تھا۔ چنگیز کا قول تھا کہ ''جو مزہ اور سرور دشمن کو پچھاڑنے اور پھر اس کا تعاقب کرنے میں ہے اس کی بات ہی اور ہے۔

سب سے پہلا حملہ اترار یا اوترار (Otrar) پر کیا گیا لیکن اس حملے کی تفصیلات بیان کرنے سے قبل، چنگیز کی جنگی حکمت عملی اور جنگی چالوں کا تنقیدی جائزہ قارئین کے لیے باعث دلچسپی ہو گا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ چنگیز کا مقابلہ محمد شاہ خوارزم کی چار لاکھ فوج سے تھا جو اکٹھی تھی جبکہ منگول فوج بکھری ہوئی تھی اور اس بکھری فوج کو اب اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ چنگیز اور اس کے جرنیلوں کو یہ خطرہ تھا کہ خوارزمی فوج کہیں سیر دریا پار کر کے بکھرے منگولوں کو چن چن کر ختم نہ کر دیں۔ اس خطرے کے پیش نظر جیبی نوین جو کاراخطائی کا فاتح تھا، ان راستوں کی کڑی نگرانی پر مامور تھا۔ باوجود یکہ جیبی میں باز کی سی پھرتی تھی، چنگیز نے مزید کمک جیبی کے لیے روانہ کی۔ یہ چال جنگی کم اور سیاسی زیادہ تھی اس کا مقصد خوارزمیوں کی توجہ ہٹانا تھا تاکہ وہ اپنے بڑے لشکر کو تقسیم کر دیں اور ہوا بھی ایسے ہی۔ محمد شاہ چنگیز کی اس چال کو سمجھ ہی نہ پایا حالانکہ جوچی کے پاس کوئی عظیم لشکر جرار نہیں تھا۔ اس کو ہدایات دی گئیں تھیں کہ وہ محمد شاہ کے دائیں طرف سے آگے بڑھے گا اور صرف حملے کا ڈرامہ کرتے ہوئے اس کی توجہ اپنی طرف کرے گا۔ جب محمد شاہ اس کا تعاقب کرے گا تو وہ پیچھے ہٹ کر پہاڑوں اور تنگ گھاٹیوں کی مخصوص جگہوں میں پناہ لے گا۔ چنانچہ جوچی نے موسم بہار میں کوچ

کیا اس نے 13 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع دروں اور پانچ پانچ فٹ گہری برف میں سے گزرنا تھا جو بذاتِ خود ایک انتہائی کٹھن سفر تھا۔ جتنا زور اور مشقت اس نے اپنے ساتھیوں سمیت اس سفر میں اٹھایا وہ محمد شاہ کی فوجوں سے جنگ لڑنے سے زیادہ کٹھن تھا۔ خوراک کی کمی اور سفر کی تھکان نے انھیں چور چور کر دیا لیکن ان کا مورال خوارزمیوں سے بہت بلند تھا۔ مہم جوئی کی اس سطح (Level of expedition) سے چنگیز کے جذبے کی پختگی (Commitment) کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خانِ اعظم کا خیال تھا کہ خوارزم کے خلاف مہم نہ جانے کس قدر طویل ہو، کون ہارے کون جیتے۔ اس مہم سے قبل اطراف میں موجود دشمن ریاستوں میں سے مخالفوں کا صفایہ کیا جائے۔ چینی ترکستان پر کشلک کی حکومت تھی۔ اس کی زیرِ نگیں مسلمان رعایا جو کاشغر اور ختن میں آباد تھی، اس سے ناخوش تھی۔ ان حالات میں جب اسے خبر ملی کہ تاتاریوں کا خانِ اعظم اس پر لشکر کشی کرنے آ رہا ہے تو اس کے سامنے دو محاذ تھے ایک بیرونی محاذ اور ایک اندرونی محاذ۔ دونوں محاذوں پر جس بہادری، جوانمردی اور باتدبیری کی ضرورت تھی، اس کا کشلک میں فقدان تھا چنانچہ اس نے بہتری اسی میں جانی کہ ملک چھوڑ کر جان بچائے۔ چنانچہ وہ فرار ہو کر بدخشاں کی حدود میں واقع ایک وادی میں گھس گیا۔ شومئی قسمت مغلوں کا ایک لشکر اس کی تلاش میں بدخشاں پہنچا تو شکاریوں کی ایک جماعت نے چند اجنبی فوجیوں کی علاقے میں نشاندہی کی جس نے لشکریوں کے لیے ان بھگوڑوں کی تلاش آسان بنا دی۔ کشلک جلد ہی اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہوا، اسے چنگیز کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس کے حکم پر سب کو قتل کر دیا گیا۔

کشلک کے انجام سے فارغ ہو کر، چنگیزی فوج توق طغان کی طرف بڑھی، کاشغر کے صوبے میں توق طغان اور توشی کا آمنا سامنا ہوا۔ توق نے شکست کھائی اس نے بھی کشلک کی سی حکمت عملی بہتر جانی حالانکہ اسے کشلک کے انجام کا پتہ چل چکا تھا۔ بہر حال توق بھاگ کر سرحدی چوکی جند کی طرف بڑھا، اب وہ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی قلم رو میں داخل ہو چکا تھا۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہوا ہے کہ ہونی ہو کر رہتی ہے، سلطان اس وقت اسی علاقے کے قرب جوار میں موجود تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ توق طغان بھاگ کر جند پہنچ گیا ہے اور تاتاری سردار توشی اس کے تعاقب (Hotpursuit) میں ہے۔

پہلی جنگ

سلطان اس وقت جوش میں توق طغان کو روکنے اور توشی کو سبق سکھانے کے لیے اپنی سرحد عبور کر کے چنگیزی ریاست کے صوبے کاشغر کے اسی مقام تک پہنچ گیا جہاں توشی اور توق طغان کی مڈ بھیڑ ہوئی تھی۔ سلطان کی اس جنگی حکمت کا مقصد مدافعانہ پالیسی کی بجائے جارحانہ تھا، مغلوں کی فوجی قوت اور لڑائی کے مورال کا جائزہ لینا اور انھیں مرعوب کرنا تھا۔ سلطان کی تیز رفتاری کے سبب جلد ہی اس نے مغل فوج کو جا لیا۔ توشی لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن سلطان نے اسے صف بندی پر مجبور کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ بظاہر توشی کا پلہ بھاری تھا۔ ایک موقع پر مغلوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ سلطانی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن شہزادہ جلال الدین خوارزم کی بروقت امداد نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور سپاہیوں نے بکھری صفیں سیدھی کر لیں۔ غروبِ آفتاب تک قتل و غارت جاری رہی۔ اندھیرا چھانے پر فریقین اپنی پچھلی پوزیشنوں پر لوٹ گئے۔ وہ دن نفسیاتی طور پر توشی کا تھا جس

نے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر کا مقابلہ کیا لیکن اسے یقین تھا کہ اگلی صبح وہ اور اس کا لشکر محمد شاہ خوارزم کی کثیر افواج کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ اس رات وہ آلاؤ روشن ہی چھوڑ لشکر کو لے کر میدان سے نکل گیا اور سلطانی افواج کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ پو پھٹنے پر سلطان کو معلوم ہوا کہ منگول رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر جان بچا کر نکل گئے ہیں۔ اب تعاقب بے سود تھا۔ محمد شاہ نے اس مقام پر کئی روز تک پڑاؤ کیا۔ نہ جانے اس دوران اس کو کیا سوجھی کہ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آئندہ وہ منگولوں سے مزاحم نہ ہو گا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب صبح ہوئی تو محمد خوارزم شاہ اور اس کی فوج نے خود کو اس وادی پر قابض پایا ہر طرف مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مغل غائب تھے۔

ترک جواب تک ہر جنگ میں فتح یاب ہوتے رہے تھے جب میدانِ جنگ کا چکر کاٹ کر واپس آئے تو انھیں فکر دامن گیر تھی۔ منگولوں سے پہلی ہی مڈ بھیڑ میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کھیت ہوئے یہ تعداد یقیناً مبالغہ آمیزی ہے۔ لیکن اس سے ایک بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ مغلوں کے ساتھ ٹکر نے ان پر کیا اثر کیا۔ اس وادی کی خطرناک جنگ نے خود سلطان محمد شاہ پر منفی اثر چھوڑا۔ شاہ کے دل پر ان وحشیوں کا ڈر بیٹھ گیا اور وہ ان کی بے مثال شجاعت کا قائل ہو گیا۔ جب اس کے سامنے مغلوں کا کوئی ذکر کرتا تو وہ کہتا میں نے ایسے جری اور بہادر لوگ نہیں دیکھے، جو جان ہتھیلی پر رکھ کر گھومتے ہیں اور جنھیں تلواروں اور بھالوں سے سخت زخم لگانے آتے ہیں۔ جب چنگیز نے ایک قاصد کی زبانی اس پہلی جنگ کی خبر سنی، اس نے جوچی کی تعریف کی اور اسے ہدایت دی کہ محمد شاہ کا تعاقب کرے۔

دوسری جانب محمد شاہ کا مغلوں سے جنگ نہ کرنے کا فیصلہ کسی اعتبار سے مسلم روایات کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اس کی افواج کی تعداد دشمن کے مقابلے میں کئی گنا تھی لیکن اس کا مورال دشمن کے سامنے گر چکا تھا، ماضی کی اس کی فتوحات کے سامنے محمد دوئم کا شکست خوردہ رویہ ناقابل فہم نظر آتا ہے۔ اگر وہ مومنانہ اور مجاہدانہ عزم لے کر دشمن کو للکارتا، مناسب حکمت عملی اپناتا، اپنے لشکر عظیم کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں نہ تقسیم کرتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ چنگیز سے میدان ہار جاتا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ چنگیز کے دماغ پر اس کی پے در پے فتوحات کی نفسیاتی دھاک موجود تھی۔ یہ نقطہ محمد دوم کے کمزور جاسوسی نظام اور نظم وضبط کے فقدان کی طرف اشارہ دیتا ہے۔ اگر یہ اہم ترین بات اس کے جاسوس سلطان کے علم میں لاتے تو وہ کبھی ایسا بزدلانہ فیصلہ نہ کرتا۔ انسانی تاریخ ایسے واقعات سے بھرپور ہے جب بڑے بڑے بادشاہ مدمقابل سے ہار گئے لیکن پھر ایسا اٹھے کہ تاریخ پر چھا گئے۔ غالب امکان یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ اگر چنگیز کو مختلف محاذوں پر الجھا دیتا اور جنگوں کو طول دیتا تو چنگیز دب کر صلح کر لیتا۔ مختصر یہ کہ اس کے ترکش میں ابھی بہت تیر تھے جسے وہ مناسب حکمت عملی اور مشاورت سے استعمال کر کے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکتا تھا۔ یہاں مناسب حکمت عملی کا بھی فقدان واضح نظر آتا ہے حالانکہ اس کے پاس شہزادہ جلال الدین خوارزم کی شکل میں ایک بہترین مشیر موجود تھا۔

بہر حال عالم اسلام کو اس افتاد سے محفوظ رکھنے کے لیے سلطان کو اپنا کردار بھرپور طریقے سے کرنا چاہیے تھا لیکن وہ اس میں ناکام ہو گیا۔ غلطی چاہے امیر اترار کی تھی لیکن اس کا الزام سلطان پر آتا ہے جو مسند اقتدار پر تمام تر طاقت کے ساتھ رونق افروز تھا لیکن تاریخ کے ایک نازک موڑ پر وہ کوئی ٹھوس فیصلہ کرنے میں ناکام ہو گیا۔ والئی اترار کو ایسے شاہی فرمان کا کوئی جواز نظر نہیں آتا کہ جو تم بہتر سمجھو وہ کرو۔ ایک مکمل مطلق العنان

حکمران کی طرح یہ فیصلہ لینااس کی ذمہ داری تھی کہ وہ کاروانِ تجارت کی حفاظت کا بھرپور بندوبست کرتا۔اگر کسی فرد یا افراد پر جاسوسی کا شبہ تھا تو اس کی جانچ بعد میں بھی کی جا سکتی تھی۔

In summary, delegation of authority to head of otrar (in the eye of international law is defacto, not dejure, so does not hold weight.

المختصر،ان حالات میں جبکہ اس کی سرحدیں ایک طاقتور اور سخت گیر حکمران کے ساتھ جا ملی تھیں، فیصلہ کرنے کی اپنی اتھارٹی کو والئی اترار کی طرف منتقل کرنا یا اس کی صوابدید پر چھوڑنا بین الاقوامی قانون کے تحت کسی طرح بھی ایک مضبوط اقدام نہیں تھا۔

علاؤالدین محمد خوارزم کی شخصیت اور کردار کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ ابھی تک علاؤالدین نے جتنی فتوحات حاصل کیں تھیں ان میں سے ایک کا بھی مدمقابل حکمران چنگیز یا اس کے پائے کا نہیں تھا۔شاہزادہ جلال الدین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آپ فوج کی کمان مجھے دیں اور دیکھیں کہ میں مغلوں کو تگنی کا ناچ کس طرح نچواتا ہوں۔اتنی تمام باتوں کے باوجود محمد دوئم کی شخصیت کا ایک کمزور پہلو سامنے آتا ہے کہ قوتِ فیصلہ کے فقدان کے باعث،اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا اور اس نے بھی ویسے ہی رویے کا مظاہرہ کیا جیسا آج کے عہد میں صدام حسین والئی عراق نے غیر ملکی افواج کے مقابلے میں کیا تھا بلاشبہ گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔“

علاؤالدین خوارزم کے تنقیدی تجزیے نے ایک بات عیاں کر دی کہ چنگیز اور علاؤالدین کے درمیان خوف و دہشت کا توازن (Balance of Terror) متوازن نہ تھا اور یہ چنگیز کے حق میں تھا۔مسلمانوں نے ایک کمزور حکمران کی قیادت میں ایک ہوشیار حکمران کے ہاتھوں شکست کھائی۔نفسیاتی خوف،دہشت بھی طاقت کا ایک ہتھیار ہے جسے چنگیز بخوبی استعمال کر گیا لیکن علاؤالدین نہ کر سکا۔

تاریخی واقعات کا تسلسل جاری تھا۔علاؤالدین کی پسپائی پالیسی نے مسلم افواج کے جنگی جذبے پر کاری ضرب لگائی تھی۔دوسری جانب چنگیز اپنی حکمت عملی کے تحت آگے بڑھ رہا تھا۔کشلک کی مہم سے فارغ ہو کر اس نے والئی اترار کی گردن ناپنے کے فیصلے کو عملی شکل دینے کا منصوبہ تیار کر لیا۔اکتائی اور چغتائی کو حکم دیا کہ وہ اترار پر چڑھائی کر کے والئی اترار اینالجق کو اس کی گستاخی اور اس کے جرم کی قرار واقعی سزا دیں۔توشی کو جند کی فتح پر مامور کیا اور خود فوج لے کر بخارا پر چڑھ دوڑا۔

جب اینالجق کو منگولوں کے ارادے کا علم ہوا تو وہ شہر والوں کو لے کر قلعہ بند ہو گیا۔اس کے پاس اس کے سوا کیا چارہ تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا جرم اتنا گھناؤنا تھا کہ منگول اس کا سر لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے اور ان کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے صلح یا ہتھیار ڈالنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا۔ان حالات میں فوج اور اہل شہر نے پانچ ماہ تک حملہ آوروں کا بھرپور مقابلہ کیا کہ منگولوں کی ایک نہ چلی۔اسی اثنا میں حاجب قراچہ دس ہزار سپاہ کے ساتھ اینالجق کی مدد کو آیا لیکن اہل شہر کی ناگفتہ حالت دیکھ کر اس نے مشورہ دیا کہ منگولوں سے صلح کی بات چیت چلائی جائے۔اینالجق اس خیال سے متفق نہیں تھا،اس کے خیال میں لڑ کر مرنا صلح سے ہزار درجے بہتر تھا۔چنانچہ اس نے صلح کی درخواست پر غور کرنے سے صاف انکار کر دیا۔لیکن حاجب اہل شہر کو مصیبت سے چھٹکارا دلانا چاہتا تھا،چنانچہ ایک رات اہل شہر کی مرضی سے شہر کی فصیل کے دروازے کھول دیے۔صبح

ہونے پر اسے اوکتائی کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسے اہل شہر سے غداری کرنے پر ملامت کی اور اسے اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا حکم دیا جس پر فوراً عمل ہوگیا۔ حاجب کے اس فیصلے کو جلد بازی قرار دیا جاسکتا ہے، اگر یہی کام وہ اوکتائی سے مذاکرات کر کے کرتا تو شہریوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت لے سکتا تھا کیونکہ منگولوں کا نشانہ اینالجق تھا اور وہ اینالجق کے بدلے کچھ رعایت دے سکتے تھے۔ سیاسی اور جنگی معاملات سوجھ بوجھ اور بروقت فیصلوں کے متقاضی ہوتے ہیں۔

ادھر جب اینالجق کو حاجب قراچہ کی غداری اور انجام کا پتہ چلا تو وہ اپنی اس رائے پر ڈٹ گیا کہ صلح کی درخواست سے لڑ کر مرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے زیرکمان فوج کی تعداد بیس ہزار تھی جس کو لے کر وہ قلعہ بند ہوگیا۔ ہر رات وہ قلعے سے نکلتا، مغلوں پر شب خون مارتا اور مار دھاڑ کر کے قلعے میں واپس آجاتا۔ یہ سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ ان حملوں کے نتیجے میں دونوں اطراف کے سپاہیوں کا کافی جانی نقصان ہوا لیکن زیادہ نقصان اینالجق ہی کو پہنچ رہا تھا۔ اس کے گرد ہالہ بنائے سپاہیوں کی تعداد کم ہو کر دو رہ گئی تھی جبکہ منگولوں کو کمک باقاعدہ مل رہی تھی، لیکن اینالجق نے ہمت نہیں ہاری۔ تیر برسا برسا کر تمام ترکش اب خالی ہو چکے تھے۔ اینالجق اور اس کی بیوی نے چھت کی ٹائلیں اور پتھر اکھاڑ اکھاڑ کر منگولوں پر برسانے شروع کر دیے۔ اینالجق کی جوانمردی دیکھتے ہوئے قلعے میں موجود عورتوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا تا کہ وہ حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔ یہ حربے صرف اس وجہ سے کارگر تھے کہ چنگیز خان کا حکم تھا کہ اینالجق کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ اس وجہ سے مغل سپاہی اس پر براہِ راست وار کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ آخر سب داؤ بیکار ہو گئے اور اینالجق گرفتار ہوگیا۔ شہر کی فصیل گرا کر شہر کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، کسی ذی روح کو جان کی امان نہ ملی۔ ایک روایت کے مطابق جب والئ اترار کو ہاتھ پاؤں میں رسیاں باندھ کر چنگیز خان کے دربار میں بھیجا گیا تو چنگیز نے حکم دیا کہ اس گورنر کو سونے چاندی سے بڑی محبت تھی اس لیے اس نے ناحق کاروان والوں کو قتل کروایا۔ آج بھی اس کی آنکھیں سونے چاندی کے لیے ترس رہی ہوں گی۔ چنگیز کے حکم پر پگلی اور کھولتی چاندی گورنر کی آنکھوں اور کانوں میں ڈالی گئی۔ گورنر نے چیخ چیخ کر اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس طرح ایک انسان کی ناعاقبت اندیشی نے سینکڑوں معصوم انسانوں کی جان، مال اور عزت ونفوس کو خطرے میں ڈال دیا۔

تاریخ کے سفر میں آگے بڑھنے سے قبل بتاتا چلوں کہ ہونی کو کون ٹال سکتا ہے جہاں حاکم اترار کی بیوقوفی اور جلد بازی نے چنگیز کو عالم اسلام پر چڑھائی کا جواز فراہم کیا وہاں قدرتی عوامل کی موجودگی کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حکایت ایک تاجر خواجہ احمد وخشی سے منسوب ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جب چنگیز خان نے ریاست طمغاج کو فتح کر لیا تو چار سال تک وہاں کشت وخون کا بازار گرم رکھا۔ ایک رات اس نے ایک خواب دیکھا کہ چادر نما ایک کپڑا وہ اپنے سر پر لپیٹ رہا ہے لیکن وہ لمبا ہونے کے سبب باندھے نہیں بندھتا۔ چادر لمبی ہے اور اسے باندھنے کی مشقت نے اسے تھکا دیا ہے۔ جب وہ یہ چادر باندھ چکا تو ایسے معلوم ہوا جیسے اس نے بہت بڑا وزن سر پر لاد رکھا ہے وہ نیند سے بیدار ہوا تو اپنے عقلمند درباریوں میں سے ہر ایک کو یہ خواب سنایا تا کہ تعبیر حاصل کر سکے لیکن کوئی بھی اس خواب کی وہ تعبیر بیان نہ کر سکا جو چنگیز کے دل کو مطمئن کر سکتی۔ آخر ایک مقرب نے رائے دی کہ چادر نما اس کپڑے کو ''دستار'' کہتے ہیں اور یہ دستار ان تاجروں کے لباس کے حصہ ہے جو مغرب (یعنی عرب) کی جانب سے آتے ہیں۔ وہ اس خواب کی بہتر تعبیر بیان کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے، دستار بند عرب تاجر تعبیر کی غرض سے حاضر کیے گئے۔ عرب دستار بندوں کے اس گروہ میں ایک زیادہ عقل منداور بڑا تاجر تھا۔ چنگیز کا خواب سن کر اس عرب تاجر نے کہا کہ دستار عربوں کا تاج ہے کیونکہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دستار باندھا کرتے تھے۔ اسلامی خلفاء بھی انہی کی پیروی کرتے آئے ہیں۔ آپ کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اسلامی ممالک آپ کے قبضے میں آئیں گے اور آپ ان ممالک پر غالب آئیں گے۔ چنگیز کو خواب کی یہ تعبیر بہت پسند آئی۔ اس نے اسلامی ممالک پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

محمد شاہ دوم کو جل دے کر جوچی نے خوارزمیوں پر جو نفسیاتی دھاک بٹھائی، اس کے بوجھ تلے دب کر سلطان محمد شاہ ہمت کھو بیٹھا اور سیحوں دریا کے کنارے کے فصیل بند شہروں کی پناہ میں لوٹ آیا۔ اپنا اور فوجوں کا گرتا مورال بلند کرنے کے لیے اس نے مکمل فتح ،نصرت پانے کا اعلان کیا اور اپنے فوجی افسروں کو خلعتیں عطا کیں۔ دوسری طرف چنگیز کے حکم پر جوچی کا کام نہایت خطرناک تھا اس کا کام دشمن کی بکھری فوج کا صفایا کرنا تھا جو بوقت ضرورت دشمن کو کمک فراہم کرتی تھی۔ اس کو احکام تھے کہ سرحدی فوجی دستوں کو جھڑپوں میں الجھائے رکھے تا کہ انھیں جنگی مصیبت میں مبتلا رکھ کر زِچ کر دے۔ اس دوران وہ خود (چنگیز) اور جیبی نوین جوچی کے گرد دائیں بائیں موجود ہوں گے۔ اب سنگڑ (Sangar) ان کے راستے میں تھا۔ اسے سر کرنے کے بعد چنگیز نے فوج کو تقسیم کیا، بڑے حصے کو جنوب کی جانب کو جندیا خوقند روانہ کیا اور خود باقی فوج کے ساتھ شمال کی سمت سوئے جنڈ کی طرف بڑھا۔

چنگیز خان نے الک، اسکتو اور تکائی نامی تین جرنیلوں کو حکم دیا کہ وہ 5 ہزار سپاہ کے ساتھ بناکت اور کوجند پر چڑھائی کریں۔ بناکت کے صوبے دار کو جب مغلوں کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے خود کو قلعہ بند کر لیا۔ مغلوں نے آگے بڑھ کر قلعے کا گھیراؤ کر لیا اور جنگ چھڑ گئی۔ دل ناتواں نے مقابلہ تو خوب کیا لیکن آخر کار چوتھے روز صوبے دار جس کا نام ایلتکو تھا، نے شہر کے دروازے کھول دیے اور ہتھیار ڈال دیے۔ مغل کونسے جان کی امان دینے والے تھے، تمام اہل شہر قتل کر دیے گئے۔ عورتیں علیحدہ کر کے آپس میں بانٹ لی گئیں اور نوجوانوں کو بیگار کے لیے جبراً بھرتی کر لیا گیا تا کہ وہ مغلوں کے لیے لڑائی میں ڈھال کا کام دے سکیں۔ کئی لڑائیوں میں انھیں دشمنوں کے ساتھ لڑایا جاتا اور مغل تماشا دیکھتے۔

بناکت کا قلعہ زیر کرنے کے بعد مغل لشکر کوجند کی طرف بڑھا۔ یہاں ان کا واسطہ ایک جری سپہ سالار کے ساتھ پڑنے جا رہا تھا۔ مغل لشکر برف پوش دروں میں جاڑے کا موسم گزارنے کے بعد اس علاقے میں وارد ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ایک لحاظ سے ان کے لیے جنت تھا۔ ایک سفرنامے کی سرگزشت کے مطابق کوجند میں انار کثرت سے پیدا ہوتے تھے۔ ان کا حجم انسانی ہاتھ کی دو مٹھیوں کے برابر ہوتا تھا، اس پھل کا ذائقہ ترشی مائل تھا۔ مقامی لوگ اس پھل کا رس نچوڑ کر پیتے جو پیاس اور صحت کے لیے یکساں موزوں تھا۔

بخارا اور اوترا کی شکست کے بعد، منگولوں کی طرف سے چنگیز خان کی قیادت میں یہ جنگ دو سال تک پورے جوش وخروش سے جاری رہی، اس دوران غریب سلطان محمد خوارزم شاہ کو اس کے بے رحم دشمن جگہ جگہ دوڑاتے رہے حتیٰ کہ وہ اپنے غمناک انجام سے دوچار ہو گیا۔

ان دو سالوں میں بہت سے ایسے واقعات در پیش آئے جنھوں نے جنگی تاریخ اور لوگوں کو پیش آنے والے مصائب پر مبنی نئی انسانی

تاریخ کی بنیاد رکھی۔ ایک موقع پر چنگیز نے اپنے بیٹے جوچی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ایک شہر کا محاصرہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اس شہر کا نام سکنک تھا۔ جونہی اس جگہ پر پہنچا، اس نے شہر کے لوگوں کی طرف ایک پیغام بھیجا جس میں انھیں ہتھیار ڈالنے کا کہا گیا تھا۔ اس صورت میں ان کی جان بخشی کا وعدہ کیا گیا تھا۔

امن کے اس جھنڈے کو ایک مسلمان حسن نے اٹھا رکھا تھا۔ کسی مسلم کو امن کا پیغام دے کر بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اہل شہر کی اکثریت چونکہ مسلمان تھی وہ اپنے ہم مذہب کی بات کو بخوبی سمجھ سکتے تھے لیکن یہ چال ایک شدید غلطی ثابت ہوئی۔ لوگوں نے حسن کی طرف سے منگولوں کے پیغام لانے کو اپنے لوگوں سے غداری قرار دیا اور وہ غصے میں بپھر گئے۔ اگرچہ شہر کا گورنر یہ وعدہ کر چکا تھا کہ سفیر کو بحفاظت واپس جانے دیا جائے گا لیکن اہل شہر کے جذبات اس قدر مشتعل تھے کہ سفیر کی حفاظت کرنا ممکن نہ تھا۔ مذکورہ سفیر کو بپھرے ہجوم نے ٹکڑوں میں بدل ڈالا۔

جوچی نے اپنی بھرپور قوت کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا اور جیسے ہی اس نے شہر پر قبضہ کیا۔ اس نے اپنے سفیر کے بہیمانہ قتل کے انتقام کے طور پر اہل شہر کے بے رحمانہ قتل عام کا حکم دیا۔ فوجی افسروں اور سپاہیوں کے علاوہ دو تہائی شہری موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

اس نے شہر کے بڑے چوراہے میں اپنی آمد کی یاد کے طور پر ایک خوبصورت یادگار بنانے کا حکم دیا۔ جوچی نے ہر اس شہر کے باشندوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا جنھوں نے اس کے خلاف مزاحمت کی۔ جن شہروں نے اس کی پیش کش کو بلا چون و چراں مان لیا ان کو کسی حد تک معاف کر دیا گیا اور جان بخشی کر دی گئی۔ اس پالیسی کے نتائج یہ برآمد ہوئے کہ بہت سے شہر جو اس کے راستے میں آئے لڑائی کے بغیر ہتھیار ڈالتے چلے گئے۔ پیش قدمی کے دوران ایک موقع پر ایک شہر کا مجسٹریٹ اور بہت سے معززین شہر سے دو دن کی مسافت پر اس سے ملنے آئے اور اپنے ساتھ شہر کی چابیاں اور بہت سے شاندار تحائف لے کر آئے۔ یہ تمام اشیاء انھوں نے فاتح کے قدموں میں رکھ دیں اور اس سے رحم کی التجا کی۔ ایک شہر کا واقعہ ایسا ہے جسے جوچی نے اپنی ایک چال سے حاصل کیا۔ اس کی فوج کے ایک انجینئر جسے اس نے دشمن کی قلعہ بندیوں پر نظر رکھنے اور ان کے خلاف جارحانہ اقدامات کے لیے ملازم رکھا تھا، نے جوچی کو اطلاع دی کہ شہر کی ایک سمت میں شہر کی حفاظتی دیوار کے باہر پانی سے بھری ایک خندق ہے جس کی وجہ سے دیوار تک رسائی بہت مشکل ہے، اس صورت حال میں فوج کے لیے اس سمت سے حملہ کرنا بہت مشکل ہے۔ انجینئر نے تجویز پیش کی کہ ہلکے پل تیار کیے جائیں جو فوج کے ذریعے رات کے وقت اس خندق کے پار پھینکے جائیں اس طرح دشمن کی توجہ اس جانب مبذول ہو جائے گی اور فوج کو موقع مل جائے گا کہ وہ دوسری سمت میں سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرے۔ اس منصوبے کو عمل کے لیے مان لیا گیا۔ سیڑھیاں تیار کی گئیں۔ رات طے شدہ وقت پر ایک فرضی حملہ شہر کی مخالف سمت میں شروع کیا گیا۔ شہر کی تمام محافظ فوج اس فرضی حملے کو ناکام بنانے کے لیے اس طرف اُمڈ پڑی اور وہ دیوار جو خندق سے متصل تھی، بغیر دفاع کے چھوڑ دی گئی۔ منگول سپاہیوں نے خندق کے پار پل پھینکے اور دیوار کے ساتھ سیڑھیاں لگا دی گئیں۔ اس سے قبل کہ محافظ فوج کو اس منصوبے کی بھنک پڑتی، منگول اپنا کام دکھا چکے تھے اور دیوار پھاند کر اندر داخل ہو کر شہر کے دروازوں میں سے ایک کھول چکے تھے۔ منگول فوج اس راستے سے شہر میں داخل ہو گئی۔ وہ انجینئر جس نے یہ منصوبہ پیش کیا تھا، خود سب سے پہلے سیڑھی کے ذریعے دیوار پر چڑھا اور جرأت اور حوصلے کی ایک نئی داستان رقم کی کیونکہ تمام کارروائی گھپ اندھیرے میں کی جا رہی تھی

اور سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھنے والے کو یہ معلوم نہ تھا کہ سیڑھی کی اونچائی پوری ہونے پر اس کا واسطہ دشمنوں کی کتنی تعداد سے پڑ سکتا ہے۔

اگلے ایک مقام پر جوچی ایک ایسے شہر کی طرف بڑھا جو ایک خوبصورت اور پُرسکون شہر تھا، یہاں پر کئی تعلیمی ادارے اور عالم فاضل لوگوں کا مرکز تھا۔ یہ ایک پُرفضا مقام تھا جہاں پر ہر سو فوارے، باغات اور خوش کن سڑکیں اور راستے تھے۔ اس جگہ کا نام "توکٹ" تھا۔ اس شہر کی خوبصورتی اور کشش ملک بھر میں ایک ضرب المثل بن چکی تھی۔

توکٹ طاقت کی بجائے سکون اور خوشی کے لمحات سے بھرپور جگہ تھی۔ یہ شہر ایک دیوار کے گھیراؤ میں تھا۔ جس کے گورنر نے اس کے دفاع کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔

محافظ دستے خوب بہادری سے لڑے اور انھوں نے تین دن تک محاصرہ کرنے والوں کو روکے رکھا۔ اس کے بعد منگول انجنوں نے اتنی سنگ باری کی کہ انھوں نے دیواروں میں جا بجا سوراخ کر ڈالے گورنر کو یقین تھا کہ منگول جلد ہی اندر داخل ہو جائیں گے چنانچہ اس نے جوچی کو پیغام بھیجا کہ وہ کن شرائط پر ہتھیار رلینا پسند کرے گا۔ جوچی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ ہرگز کوئی شرط طے نہیں کرے گا۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ اسے شروع میں ہی ہتھیار ڈالنے چاہیے تھے۔

جلد ہی منگول فوج شہر میں داخل ہو گئی اور تمام محافظ فوج کو قتل کر ڈالا جوچی کے حکم پر اہل شہر کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو شہر کی دیواروں کے باہر ایک مخصوص جگہ پر اکٹھا کیا گیا۔ اہل شہر اس کے حکم کی تعمیل پر مجبور تھے۔ وہ سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ سب قتل کر دیے جائیں گے۔ لیکن باہر آ کر انھیں معلوم ہوا کہ انھیں باہر اکٹھا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ منگول فوج مالکوں کے بغیر ان کے گھروں کو اطمینان سے لوٹ سکے۔ تھوڑی دیر بعد جب انھیں واپسی کی اجازت ملی تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے گھروں کی ہر وہ چیز جو منگول لے جا سکتے تھے، لوٹ کر لے گئے تھے۔

ایک اور شہر کوجند تھا جو سر دریا (جوارل جھیل میں گرتا تھا) پر سمرقند کے شمال میں دو یا تین سو میل کی دوری پر واقع تھا۔ اس شہر کا گورنر تیمور ملک تھا۔ وہ ایک طاقتور سردار اور فوجی صلاحیتوں سے مالا مال تھا۔ وہ سلطان محمد خوارزم شاہ کی فوج کے بہترین جرنیلوں میں سے ایک تھا۔ جب تیمور نے سنا کہ توکٹ کو شکست ہو گئی ہے تو اس نے سمجھ لیا کہ اب کوجند شہر پر حملہ ہو گا کیونکہ یہ منگول فوج کے راستے میں پڑتا تھا۔ اس نے دفاع کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے شہر کی طرف بڑھنے والے تمام راستے کاٹ دیے، پل تباہ کر دیے اور شہر میں خوراک اور مال، رسد کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تا کہ محاصرے کو طول دیا جا سکے۔ تیمور ملک نے حکم دیا کہ اردگرد سے ہر قسم کا اناج، پھل اور مال مویشی قبضے میں لے کر خفیہ مقامات پر منتقل کر دیے جائیں تا کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگیں۔ مغلوں اور تیمور ملک کی یہ جنگ منگول تاریخ کی زبردست مہاتی جنگوں میں سے ایک ہے جو جنگی چالوں اور جوابی چالوں کی ایک سٹیج نظر آتی ہے۔

مغل گھڑ سوار فصیل بند شہر کے اطراف میں پہنچے، یہاں دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا تھا۔ 5 ہزار کا امدادی دستہ ان سے قبل وہاں پہنچ چکا تھا اور محاصرہ کر چکا تھا۔ شہر کے ترکوں کا کمانڈر بڑا بہادر آدمی تھا۔ جس کا نام تیمور ملک تھا۔ ترکی زبان میں تیمور کا مطلب "فولاد" ہے۔ تیمور نے خود کو ایک

جزیرے میں محصور کر لیا تھا جس کے اطراف خندقیں کھدی ہوئی تھیں۔ یہاں دریا کا پاٹ چوڑا تھا، جاتے ہوئے وہ تمام کشتیاں ساتھ لیتا گیا تھا۔ جزیرے تک پہنچنے کے لیے کوئی پل بھی نہ تھا۔ تیمور ملک کے ساتھ اس کے مورچے میں ایک ہزار بہادر اور تجربہ کار سپاہی تھے۔

مغلوں کو حکم تھا کہ آگے بڑھتے ہوئے کسی فصیل بند شہر کو قبضہ کیے بغیر نہ چھوڑیں مغل اپنی منجنیقوں سے جو پتھر برسا رہے تھے وہ جزیرے تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ خوقند ایک اچھا خاصا شہر تھا۔ یہاں صرف مقامی اہل شہر ہی نہیں تھے بلکہ قرب و جوار کے پناہ گزین بھی اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس طرح ایک کثیر آبادی مغلوں کے رحم و کرم پر تھی۔ مغلوں نے ان سب کو ہانک کر ایک جم غفیر اکٹھا کیا اور انھیں پتھر جمع کرنے اور سچوں دریا کے کنارے ڈھونے کے کام پر لگا دیا۔ مغلوں کی حکمت عملی یوں تھی کہ ان پتھروں سے دریا کے پانی کے آگے بند باندھ کر دریا کے بہاؤ کا رخ قلعے کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس سے حملہ آور فوج کو دو فائدے تھے نمبر 1 دریا کا پانی قلعے کو نقصان پہنچاتا۔ نمبر 2 تیمور ملک کے مضبوط مورچے کی طرف بڑھنے کے لیے ایک بنی بنائی سڑک مل جاتی۔ لیکن تیمور ملک بھی غافل نہ تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ قلعہ فتح نہ کر سکنے کی صورت میں منگول دریا کے بہاؤ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ بچاؤ کے لیے اس نے بارہ جہاز تیار کر رکھے تھے، ان جہازوں پر ڈھلوان چھتیں ڈال کر انھیں مکان نما بنا دیا گیا تھا۔ دیواروں میں سوراخ رکھے گئے تھے تاکہ حملے کی صورت میں دشمن پر تیر برسائے جا سکیں۔ ان جہازوں کو آگ کے گولوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کی چھتیں گارے سے لیپ کر دی گئیں تھیں تاکہ آگ نہ پکڑ سکیں۔

ہر روز مغل توپ خانے اور ترک کشتیوں کے درمیان لڑائی دوبارہ شروع ہو جاتی لیکن دریا کے اندر سڑک بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پانی کا بہاؤ قلعے کو مخدوش کر رہا تھا۔ ان حالات میں تیمور ملک نے دیکھا کہ وہ اب جزیرے میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے سب سے بڑی کشتی پر اپنے لوگوں کو اور حفاظت کے لیے بند کشتیوں میں سپاہیوں کو سوار کیا اور جزیرہ خالی کر دیا۔ رات کے وقت مشعل کی روشنی میں وہ دریا کے بہاؤ پر نکل گیا۔ مغل بھی سوئے ہوئے نہ تھے انھوں نے اس کا راستہ روکنے کے لیے سیحون دریا کے بیچوں بیچ ایک قوی ہیکل زنجیر ڈال رکھی تھی۔ تیمور ملک نے اس زنجیر کو کاٹ دیا۔

اب ترک کشتیوں میں آگے بڑھ رہے تھے اور مغل کنارے سے ان کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کی گلو خلاصی کرنے کو تیار نہ تھے تیمور ملک کے ساتھ ستر کشتیاں تھیں، اتنی بڑی تعداد کو سنبھالنا بھی آسان نہ تھا۔ مغل سائے کی طرح ساتھ تھے۔ جہاں موقع پاتے، ایک آدھ کشتی گھسیٹ کر کنارے پر لگا لیتے، مال لوٹ لیتے اور سپاہیوں کو قتل کر دیتے۔ اس طرح تیمور ملک کے محافظوں کی تعداد گھٹتی چلی جا رہی تھی۔

جوچی جو دریا کے کنارے چلتے چلتے کافی آگے نکل گیا تھا، اس نے بہت نیچے دریا پر کشتیوں کا ایک پل بنوایا اور اس پل پر اپنے کاریگروں سے منجنیقیں نصب کروائیں تاکہ جیسے ہی تیمور ملک کی کشتیوں کا قافلہ ان منجنیقوں کی رزد میں آئے تو وہ اس قافلے کا قلع قمع کر سکے۔ لیکن تیمور ملک بھی ایک باخبر اور ہوشیار جرنیل تھا، اسے ان تیاریوں کی خبر مل گئی اس نے اپنے لوگوں کو ایک ویران جزیرے پر اتار لیا۔ مغلوں کو جب معلوم پڑا کہ وہ دریا میں نہیں ہیں تو انھوں نے انھیں کنارے پر ڈھونڈ نکالا۔ تیمور ملک بھی رکنے کو نہ آتا تھا، اس کی منزل خوارزم تھی، جہاں پہنچ کر وہ جلال الدین خوارزم

شاہ کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ تیمور ملک کے ساتھ ایک چھوٹا سا محافظ دستہ رہ گیا تھا۔ جلد ہی منگولوں نے انھیں جالیا۔ تیمور ملک کے سامنے اس کے تمام ساتھی منگولوں کی تلواروں کی زد میں آئے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تیمور ملک اپنے گھوڑے کو بھگا کر لے گیا، اب اس کے پاس صرف تین تیر تھے اور تعاقب کرنے والے مغل بھی تین تھے۔ ایک تیر اس نے ایک مغل کی آنکھ میں مارا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ باقی ماندہ دو مغلوں کو دیکھ کر تیمور ملک نے للکار کر کہا "میرے ترکش میں ابھی بھی دو تیر ہیں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔" اسے ان دو تیروں کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی، دونوں منگول واپس لوٹ گئے اور تیمور ملک بخیر و عافیت خوارزم پہنچ گیا اور جلال الدین سے جاملا جو جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا۔ تیمور ملک کی شجاعت کے قصے مغلوں اور ترکوں میں یکساں مقبول ہوئے۔

تیمور ملک اور اس کے ساتھی دریا کے ساتھ لگی منگول فوج کا گھیرا توڑ کر نکل چکے تھے جب جوچی اپنی فوج لے کر وہاں پہنچا تو اس کے سامنے تیمور کے گھوڑوں کی اڑائی گرد کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس پر منگولوں کے منہ سے اس بہادر کے لیے واہ واہ اور تحسین کے الفاظ نکلے۔

بناکت کی لڑائی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ تیمور ملک نے اپنی حکمت تدبیر اور شجاعت سے مغلوں کو کئی مہینوں تک روکے رکھا اور ان کے لیے تر نوالہ ثابت نہ ہوا۔ جبکہ دوسری طرف مغلوں کو ایک کڑے دشمن سے واسطہ پڑا تو انھوں نے بدلتے حالات کا مقابلہ نت نئی ترکیبوں سے کیا اور ترکوں کی ایک نہ چلنے دی۔ کوجند کا شہر تیمور ملک کے نکل جانے سے اب منگولوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اگلے ہی دن اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیے۔

میرے خواب ریزہ ریزہ

جو چلے تو جاں سے گزر گئے جیسے خوبصورت ناول کی مصنفہ ماہا ملک کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ میرے خواب ریزہ ریزہ کہانی ہے اپنے "حال" سے غیر مطمئن ہونے اور "شکر" کی نعمت سے محروم لوگوں کی۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں، وہ زمین سے آسمان تک پہنچ کر بھی غیر مطمئن اور محروم رہتے ہیں۔

اس ناول کا مرکزی کردار زینب بھی ہمارے معاشرے کی ہی ایک عام لڑکی ہے جو زمین پر رہ کر ستاروں کے درمیان جیتی ہے۔ زمین سے ستاروں تک کا یہ فاصلہ اس نے اپنے خوش رنگ خوابوں کی راہ گزر پر چل کر طے کیا تھا۔ بعض سفر منزل پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور انکشافات کا یہ سلسلہ اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے رستوں کا تعین بہت پہلے کر لینا چاہیے۔

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

سقوطِ سمرقند، بخارا

اسی اثناء میں جب جوچی اور دوسرے جرنیل اپنے اپنے دستوں کے ساتھ ملک خوارزم کو تخت و تاراج کر رہے تھے، راستے میں آنے والے ہر شہر اور قلعے کے گرد محاصرہ ڈالتے اور قبضہ کر لیتے تھے۔ چنگیز خان اس وقت اپنی فوج کے مرکزی حصے کے ساتھ سلطان محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں سمرقند کی طرف بڑھا، اس کا خیال تھا کہ سلطان وہاں پناہ لیے ہوئے ہے۔ سمرقند اس وقت ملک کا صدر مقام تھا اور ایک سرسبز، شاداب اور معروف شہر تھا۔

تاریخ کے سفر میں آگے بڑھنے سے قبل، نقشے پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ محمد خوارزم شاہ کی سلطنت کا شمالی حصہ سرسبز و شاداب وادیوں پر مشتمل تھا اور نصف بے آب و گیاہ ریتلا میدان تھا۔ اس بنجر علاقے میں جاندار بہت کم تعداد میں پائے جاتے تھے۔ اس لیے شہر یا تو دریا کے کنارے آباد تھے یا پہاڑیوں میں۔ محمد خوارزم شاہ بلند پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا شمال میں سیحوں دریا کی طرف اترا۔ اس کا خیال تھا کہ یہیں رُک کر مغلوں کا انتظار کیا جائے لیکن چنگیز کے دماغ میں اس طرف کا سفر شامل نہ تھا۔ اس ریگستانی میدان کے آر پار دو عظیم دریا سیحوں اور اموواقع تھے۔ اس کے قریب اسلامی دنیا کے بڑے بڑے قلعہ بند مراکز واقع تھے جن میں بخارا اور سمرقند مشہور و معروف تھے۔

محمد شاہ بخارا میں تھا کہ اسے کوجند کے مغلوں کے قبضے میں جانے کی اطلاع ملی۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیبی نوین جنوب کی سمت سے ٹرانسوکسونیہ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ خوارزم شاہ سیحون دریا کے عقب میں ڈیرے جمائے بیٹھا تھا، اسے جنوب کی طرف سے کمک کی توقع تھی۔ جنگی تیاریوں کے پیش نظر اس نے ایک محصول عائد کیا جس سے جنگ کے اخراجات پورا کیے جانے تھے۔ جب خوارزم شاہ جنوب کی جانب سے امداد کی توقع کر رہا تھا ٹھیک اسی وقت جیبی نوین چنگیز کے احکام بجالاتے ہوئے ان دستوں کا صفایا کرنے پر مامور تھا جنھوں نے خوارزم کی طرف جانے والے راستوں کی حفاظت کرنا تھی۔ جیبی نوین کے ساتھ صرف بیس ہزار نفوس تھے لیکن یہ اطلاع خوارزم شاہ کے علم میں نہ تھی۔ ہر طرف سے مغلوں کی پیش قدمی کی تشویش ناک اطلاعات آ رہی تھیں۔ ان حالات میں جب سمرقند اور بخارا دشمن کی براہِ راست زد میں تھے۔ محمد خوارزم شاہ نے پہلی غلطی کو پھر دہرایا۔ اس نے اپنی فوج کا نصف حصہ ان دو شہروں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا۔ اس کی اس حکمت عملی کا بظاہر مقصد یہ نظر آتا ہے کہ مغل ان شہروں کو فتح نہ کر پائیں گے اور فصیل کے اطراف لوٹ مار کر کے واپس لوٹ جائیں گے۔ لیکن یہ مفروضے غلط ثابت ہوئے۔

ایک بات طے تھی کہ محمد شاہ خوارزم نے جسے سکندرِ ثانی مشہور کیا گیا حالانکہ یہ صرف قصیدہ گوئی ہی نظر آتی ہے، سپہ سالاری میں مغلوں سے مات کھائی۔ چنگیز کے بیٹوں کی مختلف اطراف سے پیش قدمی، لوٹ مار اور قتل و غارت کی تشویش ناک خبریں آ رہی تھیں۔ ان کے ذمہ کام ہی خوف و ہراس پیدا کرنا تھا ان کی فوجی نقل و حرکت ایک طرح کا پردہ تھیں جس کی آڑ میں جیبی اور چنگیز کی اصل فوجیں حرکت میں آ رہی تھیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ چنگیز خود کبھی سیحوں دریا کے سامنے نمودار نہ ہوا، وہ مغلوں کے لشکر میسرہ کی آڑ میں نظروں سے اوجھل تھا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس نے دریا کو کہاں سے پار کیا، یا نہ کیا اور کس طرف گیا جبکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس نے قزل قم صحرا کا لمبا چکر لگایا ہوگا۔ کیونکہ جب وہ صحرا سے نمودار ہوا تو اس کا رخ بخارا کی جانب تھا۔ اس کی پیش قدمی اس قدر تیز تھی کہ راستے میں جو چھوٹے چھوٹے قصبے آئے، اس نے ان کی طرف توجہ نہ کی صرف اپنے گھوڑوں کے لیے پانی طلب کیا۔ اس کی منزل بخارا تھی اور وہ سلطان محمد خوارزم شاہ کو جالینا چاہتا تھا ان حالات میں خوارزم شاہ کے لیے صورتِ حال کچھ یوں تھی۔

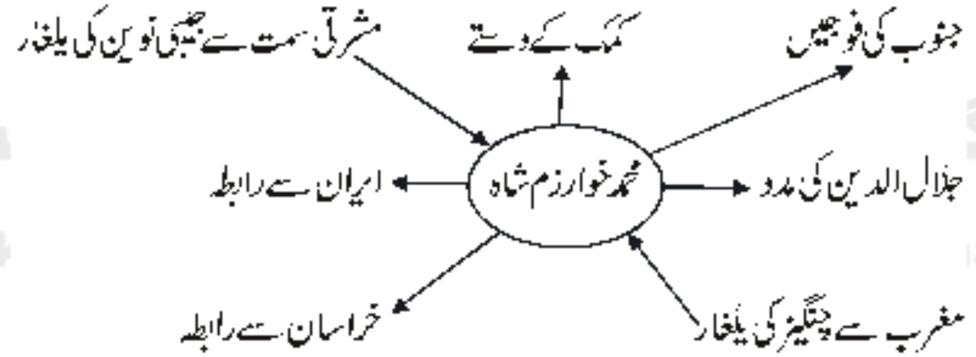

اوپری خاکہ یہ دیکھا رہا ہے کہ محمد خوارزم شاہ کو خیال آیا کہ اگر وہ وہیں بخارا میں ہی بیٹھا رہا تو چنگیز اور جیبی کی یلغار کی صورت میں اس کا رابطہ جنوب کی فوجوں، کمک کے دستوں، جلال الدین اس کے بیٹے کی مدد، ایران، خراسان سے رابطوں کے منقطع ہونے کی صورت میں ہوگا، یہ سوچ کر اس نے فوج کا کچھ حصہ بخارا اور کچھ سمرقند کی حفاظت کے لیے روانہ کیا اور خود اپنے حرم اور محافظ دستوں کے ہمراہ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا۔

جب چنگیز منزلوں پر منزلیں مارتا بخارا پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہ وہاں سے جا چکا ہے۔ اب اس کے سامنے اپنے وقت کا ایک معروف تہذیبی مرکز کھڑا تھا جس کی حفاظتی فصیل 12 فرسخ تھی۔

شہر کے بیچوں بیچ ایک خوبصورت نہر بہتی تھی جس کے کناروں پر باغات، محلات اور آبادیاں تھیں اس شہر کو کئی اماموں، سیدوں اور مفسرین کا جنم گڑھ ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس شہر کا دفاع ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھا ان کی تعداد بیس ہزار بیان کی جاتی تھی۔ اس شہر کی فصیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اگر اس شہر کے محافظوں کی ہمتیں بھی اس کی فصیلوں کی طرح مضبوط ہوتیں تو مغلوں کے لیے اس شہر پر یوں قبضہ کرنا ممکن نہ تھا۔

بخارا کی طرف بڑھتے ہوئے چنگیز جب زرنق یا زرنوک کے مقام پر پہنچا۔ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا تولی بھی باپ کے ہم رکاب تھا۔ وہ جنگی مہارت حاصل کرنے کی غرض سے یہ نظارہ کر رہا تھا۔ چنگیز نے اپنے ایک مسلمان حاجب کو اہل شہر کے پاس بھیجا کہ اگر وہ فرماں برداری اور اطاعت قبول کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔ اہل شہر متضاد رائے کا شکار تھے۔ بعض کی رائے تھی کہ ذلت کی اطاعت کی بجائے لڑ کر مرنا بہتر ہوگا۔ کچھ صلح پر آمادہ تھے۔ بہرحال ان کا مشورہ یہ تھا کہ جو شخص ایسا ذلت آمیز پیغام لے کر آیا ہے اس کا سر قلم کر دینا چاہیے۔ یہ سن کر سفیر نے اہل شہر سے یوں خطاب کیا۔ اے اہل شہر میں آپ کی طرح مسلمان ہوں اور مسلمان کا بیٹا ہوں، اگر آپ لوگ خاقانِ اعظم کی اطاعت کر لیں تو آپ سے کوئی جبر نہیں

کیا جائے گا بصورتِ دیگر آپ کا شہر تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اس کی باتوں نے اہل شہر کو مائل بہ اطاعت کیا اور انھوں نے ایک وفد خانِ اعظم کے دربار میں اظہارِ وفاداری کے لیے بھیجا۔ چنگیز نے اس وفد کو خوش آمدید کہا۔ اہل شہر کو عام معافی دے دی گئی۔ نوجوانوں کو حسب معمول فوج میں خدمات کے لیے بھرتی کر لیا گیا۔ اس شہر کو امان ملنے پر خوش قسمت شہر (خاخ بلیغ) قرار دیا گیا۔

مفتوح علاقوں میں سے ایک کام کا آدمی لینے کی چنگیز کی عادت تھی۔ چنانچہ زرنق سے بھی ایک شخص جو صحرائی راستوں کا ماہر تھا۔ ہمراہ لے لیا گیا۔ جس راستے سے چنگیز آگے بڑھا، وہ بعد میں خان روڈ کہلائی۔ زمانہ امن میں یہی راستہ سوداگروں اور تاجروں کے زیر استعمال رہا۔

617ھ کے ماہ محرم (ماہ مارچ) 1220ء میں چنگیز اور سوبیدائی نے بخارا کو گھیرے میں لے لیا کہا جاتا ہے کہ خوارزم شاہی فوج کے کئی نامور جرنیل اس وقت شہر میں موجود تھے۔ ان جرنیلوں میں کوک خاں، خمید انور، سونج خان اور کشلی خاں شامل ہیں۔ ان جرنیلوں نے پہلی رات 20 ہزار فوج کے ساتھ منگولوں پر شب خون مارا۔ انھیں گمان بھی نہ تھا کہ اس حملے کی مغلوں کو پہلے ہی اطلاع ہو چکی تھی۔ مغل چھپے ہوئے تھے جیسے ہی ترک شہر سے باہر آئے مغل ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کی تکہ بوٹی کر ڈالی۔

اس دلدوز واقعے نے اہل شہر کو مزید ہراساں کر دیا، اب ان کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ چنگیز نے صحیح کہا تھا ”فصیل کی مضبوطی قلعہ کے محافظین کی ہمت کے برابر برابر ہوتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔“ چنانچہ اہل شہر کا وفد چنگیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور رحم کی درخواست کی۔ چنگیز نے انھیں معاف کر دیا اور وفد کو کہا کہ وہ شہر دیکھنا چاہتا ہے، شہر کے دروازے کھول دیے جائیں مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اہل شہر کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا، شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ صرف قلعہ دار اپنے چیدہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ بند ہوا اور اس نے مغلوں کی مزاحمت جاری رکھی۔ مغلوں نے قلعے کا محاصرہ کر کے آگ کے گولے برسانے شروع کر دیے جس سے اطراف کی چھتوں پر آگ بھڑک اٹھی۔

مغل سوار شتر بے مہار کی طرح شہر میں داخل ہو گئے۔ غلے کے گوداموں اور ذخیروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ کتب خانوں میں سے نادر کتابیں نکال کر جلا دی گئیں اور ان کتب خانوں میں گھوڑے باندھ دیے گئے۔ مسلمان بیکسی اور بدنصیبی کی تصویر بنے نظر آتے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے قرآنِ پاک کے اوراق جلائے گئے اور گھوڑوں کے سموں تلے روندے گئے۔ چنگیز خان جب پھرتے پھراتے جامع مسجد بخارا کے سامنے پہنچا، لگام کھینچی اور پوچھا کیا یہ تمھارے بادشاہ کا گھر ہے۔ جواب دیا گیا نہیں یہ اللہ کا گھر ہے، مسلمانوں کی عبادت کی جگہ وہ فوراً زینوں پر گھوڑا دوڑا کر مسجد کے اندر پہنچا اور گھوڑے سے اتر کر مسجد کے منبر پر چڑھ گیا۔ اس کی تقلید میں منگول لشکر جامع مسجد کے تقدس کو اپنے گھوڑوں تلے روندتا ہوا مسجد کے اندر داخل ہو گیا۔ چنگیز جوتوں سمیت منبر پر چڑھا، اس نے کالے منقش چمڑے کی زرہ اور چمڑے کا خود پہنا ہوا تھا، اس نے گرج دار آواز میں علماء وفضلاء کو خطاب کیا۔ چنگیز کے خطاب کے ابتدائی الفاظ تھے ”کہ گھاس کٹ چکی ہے اپنے گھوڑوں کو چارہ دو۔“ اس نے کہا میں اس جگہ محض اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں تمھارے عیاش اور نالائق حکمرانوں کی سزا دوں۔ اگر تمھیں جانیں پیاری ہیں تو اپنی تمام دولت میرے سپاہیوں کے قدموں میں ڈھیر کر دو۔ تاریخ میں آتا ہے کہ مذہب کے بارے میں اپنے سوال کے جواب میں اس نے خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا کہ حج بیت اللہ ایک بڑی غلطی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) نیلی چھتری والی آسمانی طاقت کسی ایک مخصوص جگہ پر نہیں بلکہ ہر کونے میں ہے۔“ مقامی اہل بخارا اسے عذاب الٰہی

قرار دے رہے تھے اور اس کو سننے اور اس کے احکام پر عمل در آمد پر مجبور تھے۔ ہر دور میں مورخ چنگیز کی تقریر کے الفاظ کی مختلف تعبیر کرتے چلے آئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ "وہ یہاں صرف اس لیے آیا ہے کہ وہ یہاں کے عوام کو خبر دار کرے اور بتائے کہ وہ اس کی فوج کے لیے سامان رسد مہیا کریں مزید یہ کہ فصلیں کٹ چکی ہیں لہٰذا اس کی فوجوں کو چارہ فراہم کیا جائے چنگیز کے یہ الفاظ سن کر کئی عالم، فاضل حضرات نے خود بھی اور دوسروں کو گندم اور دانوں کے ذخیروں کے منہ کھولنے کا مشورہ دیا لیکن اس سے قبل ہی منگول سپاہی ان پر ولوں پر قابض ہو چکے تھے۔ اس دور میں بیٹھ کر اگر چنگیز کے سامانِ رسد والے الفاظ کا تجزیہ کیا جائے تو دل قطعی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ چنگیز خان جیسا لیڈر صرف سامانِ رسد اور اپنے گھوڑوں کے چارے کے لیے ہزاروں افراد کو خاک وخون میں تڑپا کر ہزاروں میل دور سے چلا۔ شروع میں تو یہ جنگ انتقام کے نام پر شروع کی گئی لیکن رفتہ رفتہ ایک نظریاتی جنگ میں تبدیل ہوگئی۔ جب چنگیز نے دین اسلام کے بنیادی رکن حج پر طعن، تشنیع کی اس سے اس کی دنیائے اسلام کے بارے میں ذہنیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ مسلم حکمران اگر ہوش کے ناخن لیتے اور فرمانِ الٰہی کی روشنی میں اپنے گھوڑے تیار رکھتے تو انھیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مسلم علماء، حکماء اور فاضل بھی بری الذمہ قرار نہیں دیے جا سکتے انھوں نے مسلمانوں کو فروعی معاملات میں الجھا کر دین کی کوئی خدمت نہیں کی اور جہاد جیسے فرض سے غافل رہے۔ آج بھی مسلم اُمہ کم وبیش انہی حالات سے دوچار ہے۔

بخارا کے دو معتبر امام شہر کی گلیوں میں سے ہوتے ہوئے جامع مسجد پہنچتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ عالم فاضل حضرات منگول گھوڑوں کی باگیں تھامیں کھڑے انھیں ان ریلوں میں رکھ کر دانے پیش کر رہے ہیں جن میں چند روز قبل قرآن رکھے جاتے تھے۔ شہر بھر سے رقص کرنے اور جسم فروشی کرنے والی عورتوں کو مسجد کے صحن میں نچایا جا رہا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں حالت نزاع کی طرح کی اداکاری سے بھرپور رقص پیش کرنے کو کہا گیا، منگول شراب کے نشے میں دھت گا اور ناچ رہے تھے امام حسن زیدا اور امام رکن الدین امام زادہ سے منسوب تاریخی مکالمہ ہے "یہ تو خدائے ذوالجلال کی آندھی ہے۔ یہاں بولنے کا مقام نہیں۔"

کئی جگہوں پر ہم عصر مسلمان مورخین سے منسوب لکھا گیا ہے کہ اگرچہ منگولوں نے عام خراج تو ضرور وصول کیا مگر بخارا کی بے قابو اور عام لوٹ مار کا کوئی خاص ثبوت نہیں ملتا۔ منگولوں کی عمومی تاریخ اور ان کا جنگی انداز اس مہذبانہ خیال کی نفی کرتا ہے۔ ساری دنیا پر عیاں ہے کہ وحشی منگول اس وقت کی مہذب مسلم تہذیب پر جارحیت کے مرتکب ہوئے تھے اور انھوں نے ایک واقعے کو بہانہ بنا کر مسلم آبادی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

جب بخارا شہر کی حالت دگرگوں تھی تو قلعہ دار جو ایک فوج کے ساتھ قلعے میں بند تھا، کو خیال آیا کہ جوں جوں دن گزریں گے ان کا راشن کم ہونے پر ان کی حالت مزید بگڑے گی تو کیوں نہ منگولوں کو نقصان پہنچا کر مرا جائے۔ اس کے دستوں نے دن رات منگولوں پر حملے شروع کر دیے اور ان کو کافی جانی نقصان پہنچایا۔ ان حملوں نے چنگیز کو برافروختہ کر دیا، اس نے قلعے پر ہلہ بولنے اور اس کی فصیل مسمار کرنے کا حکم دیا۔ جن نوجوانوں کو بندی بنایا گیا تھا انھیں ہانک کر فوج کے سامنے بطور ڈھال کھڑا کر دیا گیا تاکہ منگول فوج کا جانی نقصان کم سے کم ہو۔ قلعے پر آگ کے گولوں کی بارش سے بخارہ کی بیشتر عمارات جو لکڑی کی بنی ہوئی تھیں، جل کر خاکستر ہو گئیں اور آگ بجھائے نہ بجھتی تھی۔ جب شہر جل کر خاکستر ہو گیا تو چنگیز نے سمرقند

کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ جانے سے قبل وہ ایک مرتبہ پھر منبر پر چڑھ بیٹھا اور مترجم کی مدد سے اہل شہر سے مخاطب ہوا۔ ''تمھارے بادشاہوں نے جرائم کیے ہیں، میں انھیں برباد کرنے آیا ہوں جیسے میں نے دوسرے بادشاہوں کو روندا ہے۔ میں آسمانی قہر ہوں۔''

جب مترجم اس کے الفاظ کا ترجمہ کر رہا تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ چنگیز مسلمانوں کو اہل شمشیر کی بجائے اہل قلم اور اہل صناع تصور کر رہا تھا۔ جہاں سے وہ بہترین افراد اپنی فوج کے لیے بھرتی کر سکتا تھا۔ اس کے یہ الفاظ کہ تم نے یہ اچھا کام کیا کہ میری فوج کو غلہ فراہم کر دیا چارہ، اناج بہم پہنچانے کے بعد اپنی دولت منگول فوج کے حوالے کر دیں، اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ ایک مسلمان مورخ نے بخارا اور اس کے لوگوں کی زبوں حالی کی تصویر کی منظر کشی کچھ یوں کی ہے۔ ''یہ دن بڑا عبرت ناک تھا۔ ہر طرف مرد و زن کی آہ و بکا جاری تھی۔ منگول وحشیوں نے عورتوں کی ان کے رشتہ داروں کے سامنے آبروریزی کی۔ کچھ جان بچانے کی خاطر خاموش رہے اور جو بولے وہ جان گنوا بیٹھے۔''

جب چنگیز عازم سمرقند ہوا ادھر خوارزم شاہ سمرقند کے قلعے کی نئی فصیل بنوا رہا تھا ابھی یہ فصیل مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ چنگیزی لشکر جرار سمرقند کے نواح میں پہنچ گیا۔ اس لشکر کی تعداد کچھ بھی رہی ہو لیکن قیدیوں کے ایک جم غفیر نے اس لشکر کو چار گنا کر دیا تھا جسے دیکھ کر خوارزمیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

سمرقند کا محاصرہ

بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ سلطان محمد خوارزم شاہ مزید فوج بھرتی کرنے کی نیت یا بہانے سے خراسان کی طرف سرک گیا۔ سلطان نے چنگیز کے مدمقابل آنے سے کتراتے ہوئے ایک لاکھ دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر سمرقند کے دفاع کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کو ہاتھیوں کی مدد بھی شامل تھی۔ چنگیز کے پاس اطلاعات موجود تھیں کہ سمرقند کے دفاع کی بھرپور تیاریاں کی گئی ہیں۔ اسی تیاریوں کے پیش نظر اس نے قیدیوں کی کثیر تعداد کو منگول فوج کے آگے آگے مارچ کا حکم دیا۔ اس طرح حد نگاہ تک منگول لشکر ہی نظر آتا تھا۔ اس نفسیاتی حربے نے کام کر دکھایا رہی سہی کسر چنگیزی فوجوں کی نقل و حرکت نے پوری کر دی۔ چنگیز خان نے لمبے عرصے تک محاصرہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان تیاریوں کو دیکھتے ہوئے محافظ فوج نے قلعے سے باہر نکل کر حملہ آور پر دھاوا بولنے کی کوشش کی لیکن مغلوں نے چھپ کر حملہ کرنے کی ٹیکنیک استعمال کرتے ہوئے حملہ آور دستوں کو گھیرے میں لے کر تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ مغلوں کی جوانمردی دیکھ کر اہل شہر ہمت ہار بیٹھے اور صلح، امان کے لیے کوشش شروع ہوئیں۔ شیخ الاسلام قاضی شہر اور چند علماء جو محمد شاہ کی ناانصافیوں پر ہمیشہ اس کی مخالفت کرتے تھے، چھپ چھپا کر شہر سے نکلے اور چنگیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خانِ اعظم نے ان کی آؤ بھگت کی اور جاں بخشی کا وعدہ کیا اسی رات نمازِ عشاء کے بعد شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ مغل افواج نے شہر میں داخل ہوتے ہی تمام فصیلیں گرا کر ہموار کر دیں، مورچے ختم کر دیے۔ بیان کیا جاتا ہے چنگیز سے ملنے والے اراکین وفد اور ان کے عزیز و اقارب کو قتل کر دیا گیا۔ اہل شہر جن کی تعداد کم و بیش 50 ہزار بیان کی جاتی ہے، قتل کر دیے گئے۔ منگولوں کے جنگی رسم و رواج کا ایک بنیادی اصول تھا کہ وہ دشمن کے دشمن کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ بے وفائی اور غداری کی سزا ان کے ہاں صرف موت تھی ایک بات لکھے بغیر تاریخ کے سفر میں آگے بڑھنے کو دل نہیں چاہتا

کہ جب محصور شہر میں صلح، امان کی بات چلی تو اس رائے پر اہل شہر دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک طبقہ مصالحت کو موت اور دوسرا اسے جیون قرار دے رہا تھا۔ یہ بحث اس قدر طول پکڑ گئی کہ ممکن تھا کہ تلواریں ایک دوسرے کے خلاف چل جاتیں۔ اس کے بعد جو ہوا وہ قرطاس پر آ چکا ہے۔ مصالحت کے حامی اگر دفاع کو ترجیح دے دیتے تو شاید تاریخ آج یوں نہ ہوتی۔

کہا جاتا ہے کہ قریباً ایک ہزار اہل شہر نے جانیں بچانے کے لیے قریبی مسجد میں پناہ لی مگر منگولوں کے ہاں رحم نام کا لفظ ہی نہیں تھا، انھوں نے مسجد کا گھیراؤ کر کے اسے آگ لگا دی نتیجتاً تمام پناہ گزیں زندہ جل کر مر گئے۔ ''تیس ہزار قنقلی ترک اپنی مرضی سے مغلوں سے جا ملے ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ انھیں مغل وردیاں دی گئیں اور دو ایک روز بعد رات کو ان کا بھی قتل عام کر دیا گیا۔ مغلوں کو خوارزم کے ترکوں کا اعتبار نہیں تھا خصوصاً اس لیے کہ انھوں نے اپنے پہلے مالک سے غداری کی تھی۔'' اس طرح ''تیس ہزار سپاہی جن میں کچھ ترک تھے اور کچھ قنقلی مع اپنے سردار برشاش خان کے قتل کر دیے گئے۔''

منگولوں نے اپنی روایت کے مطابق زندہ بچ جانے والے نوجوانوں کو جبراً فوج میں بھرتی کر لیا کاریگر، ہنرمند اور صناع کار لشکر کے ساتھ ہانک لیے گئے۔ باقی آبادی کو ٹیکس لگا کر گھر جانے کی اجازت دی گئی لیکن سال دو سال بعد اس آبادی کو بھی فوجی خدمات کے لیے طلب کر لیا گیا۔

لیو چتسائی نے سمرقند کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا کہ ''شہر ہر طرف سے باغوں اور نہروں سے گھرا ہوا ہے، جا بجا گنگناتے چشمے، حوض اور تالاب ہیں جو سمرقند کو انتہائی خوبصورت اور دلفریب بناتے ہیں۔''

ابھی تک منگول سمرقند اور ماوراء النہر میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکے تھے، ان کو للکارنے والا کوئی نہ تھا اور چنگیز اپنی جارحانہ حکمت عملی ترتیب دینے میں آزاد تھا۔ سمرقند میں ہی چنگیز کے پاس اطلاعات تھیں کہ محمد خوارزم شاہ شہر چھوڑ کر جنوب کی سمت نکل گیا ہے۔ اب چنگیز کے سامنے دو ٹارگٹ نظر آتے ہیں ایک خوارزم شاہی سلطنت کے دارالحکومت خوارزم کا حصول اور دوسرا والئی خوارزم علاؤ الدین محمد خوارزم کو قابو کرنا۔ چنگیز کی جنگی حکمت (War strategy) کا جائزہ لینے سے قبل ذرا خوارزمی صفوں میں جھانکتے ہیں۔ سمرقند اور بخارا جیسے معروف شہروں کے کمزور دفاع نے سلطان خوارزم کی عزت خاک میں ملا دی تھی۔ کسی زمانے کی خوارزم شاہ کی نفسیاتی برتری نے منگولوں پر کچھ کام نہ کیا الٹا چنگیز کی یلغار نے محمد خوارزم شاہ پر ہیبت طاری کر دی جس نے اس کی ذہنی صلاحیتوں کو ماؤف کر دیا اور اس نے اپنی اچھی خاصی مجتمع فوجی طاقت کو ٹکڑوں میں بانٹ کر کمزور کر دیا۔ اس کمزور چال نے چنگیز کو حوصلہ دیا اور اس نے جارحانہ پالیسی اختیار کی۔

اب آگے بڑھتے ہیں۔ چنگیز نے اپنے تین بیٹوں توشی، چغتائی اور اوکتائی کو خوارزم کی فتح پر مامور کیا اور دوسری طرف جیبی نویان اور سوبیدائی بہادر کو خوارزم شاہ کے تعاقب کا حکم دیا۔ اس کے پاس چنگیزی فرمان تھا کہ محمد خوارزم شاہ دنیا کے جس خطے میں بھی چلا جائے، اس کا پیچھا کیا جائے اور اسے زندہ یا مردہ حاصل کیا جائے۔ اس تعاقب میں جو شہر راستے میں آئیں، اگر وہ اطاعت کریں تو انھیں تباہ و برباد نہ کیا جائے اور جو مدافعت کریں انھیں زیر کیے بغیر آگے نہ بڑھا جائے۔ یہ کام بظاہر کٹھن نظر آتا ہے لیکن کرنے میں چنداں مشکل نہیں، اس زمانے کے کٹھن ذرائع

نقل وحمل کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا تعاقب شہسواروں کا کام ہی نظر آتا ہے بزدلوں کا ہرگز نہیں۔ایک جان ہتھیلی پہ رکھ کر انجانی سرزمینوں میں دندناتے پھرتے تھے اور دوسرا جان بچانے کے لیے اپنی ہی زمین پر کونے کھدرے تلاش کر رہا تھا۔

اپریل 1220ء میں یہ شہسوار بیس ہزار آدمیوں کے دو تومان (دستے) اور احکامات لے کر جنوب کی طرف روانہ ہوگئے۔اسی اثنا میں جلال الدین کی سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ دور شمال میں جنگجو قبیلوں کی ایک فوج تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ اس کے باپ پر منگولوں کا چڑھایا قرض اتار سکے۔چنگیز بخارا میں تھا اور جنگی اعتبار سے جلال الدین اور اپنے بیٹوں کی نئی فوج کے درمیان میں تھا۔اس لیے اس فوج اور جلال الدین کا آمنا سامنا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔

خوارزم شاہ کے اوسان ایسے خطا ہوئے کہ وہ مغلوں کے سائے سے بدکتا تھا۔جب اس نے اپنی سپاہ کو تقسیم کر دیا تو چنگیز نے بھانپ لیا تھا کہ سلطان خوارزم شاہ لڑائی سے پہلوتہی کر رہا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ دو بدو لڑائی کا کوئی موقع پیدا نہ ہونے پائے۔ان حالات میں جب دشمن کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کا مدمقابل لڑائی سے فرار چاہتا ہے اور اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈال رہا ہے تو گیدڑ بھی شیر بن جاتا ہے۔اس تناظر میں چنگیز نے محمد خوارزم شاہ کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا حکم دیا۔

باوجودیکہ محمد خوارزم شاہ راہ فرار اختیار کرنے کا ارادہ کر چکا تھا،اس نے تمام صوبے داروں کے نام تاکیدی پروانے جاری کیے جن کا متن یہ تھا کہ مغلوں کا ہر محاذ پر خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔اس کے ساتھ ہی اس نے حساس قلعوں کی حفاظت کے لیے مضبوط اور بااثر شخصیات کا انتخاب کیا۔قلعہ زنگی کی حفاظت کے لیے سیستانی لشکر کی کمان ابوحفص کو سونپی گئی،ترکستان میں ارسیا پہلوان کو ولخ جیسے مضبوط مورچے کا دفاع سپرد کیا گیا۔غور کا علاقہ ملک حسام الدین،بامیا (موجودہ افغانستان) امیر عمر اور پشاور ملک اختیار الدین بن علی خرپوست کے سپرد کیا گیا۔ملک اختیار الملک کو کلیون کے دفاع پر مقرر کیا گیا،اس کے ہمراہ دو خراسانی سردار روانہ کیے گئے۔ملک شمس الدین جرجانی کو ہرات بھیجا گیا۔فیور کا علاقہ اصیل الدین نیشاپوری،نصرت کوہ کا قلعہ ملک شمس الدین جاجب کوہ رنگ کا قلعہ الغ خان ابومحمد اور غرجستان کا قلعہ ابوسبتان کے سپرد کیا گیا غرضیکہ سلطان نے اپنی قلمرو کا ہر اہم قلعہ اور ہر شہر کسی سردار کے حوالے کر کے حکم دیا کہ وہ دل وجان سے اپنی دفاعی ذمہ داریاں پورا کریں۔یہاں تک تو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی ذمہ داری پوری کی لیکن خود اگر ایک باہمت سپہ سالار کی طرح ان سب کی قیادت کرتا تو قدیم سلطانوں کی جوانمردی کی تاریخ دہرائی سکتی تھی لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا۔

غیر جانبدار مورخ علاؤالدین محمد خوارزم کے اس اقدام کی کبھی توثیق نہیں کرے گا کہ جب اس کی قوم کو حقیقی خطرے کا سامنا تھا،اس نے اپنے فرائض منصبی سے کوتاہی برتی۔

مغل شہسوار جیبی نویان اور سوبیدائی بہادر سلطان خوارزم شاہ کے تعاقب میں دریائے جیموں پار کر کے لاوا کے مقام پر پہنچے تو انھیں ایک مضبوط قلعہ بند شہر ملا جو دریا کا راستہ روکے کھڑا تھا۔مغل لشکر یہاں رسد کی کمی پورا کرنا چاہتا تھا۔اس مقصد کے لیے لشکر نے وہاں قیام کیا اور اہل شہر سے غلہ قیمتاً دینے کے لیے کہا،اہل شہر نے انکار کر دیا۔کہا جاتا ہے کہ مغل سرداروں نے مخاصمت کی بجائے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔اہل شہر نے غپاڑہ مچا

دیا کہ مغل ڈر کر نکل گئے ہیں انھوں نے ڈھول پیٹنے شروع کر دیے، آوازے کسے اور فحش اشارے دیے۔ اس ناروا اور غیر اخلاقی رویے نے مغلوں کو برانگیختہ کر دیا، وہ پلٹے اور شہر پر چڑھ دوڑے۔ گو اہل شہر نے مقابلہ خوب کیا لیکن جلد ہی تھک کر بیٹھ گئے۔ مغلوں کی جوانمردی کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ مغلوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر وہی ہوا جو اس زمانے کا دستور تھا۔ شہر کو لوٹا گیا، جس نے مزاحمت کی وہ مارا گیا۔ ادھر خوارزم شاہ دو لاکھ کے لشکر جرار کے ساتھ ماوراء النہر سے بھاگ کر نیشا پور پہنچا، یہ سن 617ھ (1220ء) کا واقعہ ہے۔ اس سے قبل اس نے افغانستان میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا جہاں اسے بہت سے جنگجو قبائل کی حمایت حاصل تھی لیکن خود پر طاری خوف اور روز بروز آنے والی خطرناک اطلاعات نے اسے چین سے بیٹھنے نہ دیا چنانچہ وہ جنوب کی سمت میں شمالی ایران کے پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھا جہاں سے ہوتا ہوا وہ نیشا پور پہنچا۔ اپنی دانست میں وہ مغلوں کو کم و بیش پانچ سو میل پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ انسانی تاریخ میں ایسی بھی مثالیں کم ہی ملتی ہیں جہاں دو لاکھ کا لشکر بیس ہزار شہسواروں سے بچ کر بھاگ رہا ہو۔ منگول بھی شکاری کتوں کی طرح خوارزم شاہ کے تعاقب میں تھے اور کسی صورت میں تعاقب چھوڑنے پر رضا مند نہ تھے۔

منگول بھی مسلسل آگے بڑھ رہے تھے، ان کے ہراول دستوں نے اطلاع دی کہ محمد شاہ خوارزم بلخ سے نکل چکا ہے اور وہ مغرب کی سمت میں گیا ہے چنانچہ وہ بھی مغرب کی طرف مڑ گئے۔ یہاں ان کا گزر سرسبز و شاداب وادیوں میں سے ہوا۔ جہاں ان کے گھوڑوں کے لیے تازہ گھاس کی کوئی کمی نہ تھی۔ یاد رہے کہ منگولوں کے لیے انکی اپنی خوراک سے زیادہ گھوڑوں کی خوراک کی اہمیت تھی۔ ہر منگول سوار کے پاس کئی کئی گھوڑے تھے جو صحت مند اور نسلی تھے۔ ان کے لیے ہر دم تازہ اور ہری بھری گھاس کی ضرورت ہوتی تھی۔ منگول دن میں اسی میل کی مسافت کا ہدف بھی پار کر جاتے تھے، صرف مغرب کے وقت وہ پکا ہوا کھانا کھانے کے لیے گھوڑے سے اترتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ خوارزم شاہ نے نیشا پور میں دو ماہ قیام کیا۔ جب اسے منگولوں کی مسلسل پیش قدمی کا علم ہوا تو شکار کے بہانے وہ شہر سے نکل گیا۔ خوارزم شاہ کی آمد کے تین ہفتوں کے اندر ہی منگول نیشا پور پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے شہر کے باسیوں کو اطاعت کے لیے پیغام بھیجا۔ اسی اثنا میں اہل شہر پر یہ عندیہ کھل چکا تھا کہ خوارزم شاہ قومی غیرت و ناموس کا جنازہ نکال کر خود کی جان بچاتا پھرتا ہے۔ انھوں نے بھلائی اسی میں ہی جانی کہ منگولوں کے ساتھ معاملہ مصالحت میں ہی طے کر لیا جائے۔ معززین شہر کا ایک وفد مغل سرداروں سے ملا اور اظہارِ اطاعت کیا۔ جواب میں انھیں چنگیز کا ایک حکم نامہ تھما دیا گیا جس کے مندرجات تاریخ میں یوں رقم ہیں۔ "ہر چھوٹے بڑے خاص و عام کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ تمام دنیا خان اعظم چنگیز خان کی ہے اور جو چنگیز خان کی اطاعت کرے گا، اس کا جان، مال چنگیز کی حفاظت میں ہوگا اور جو غداری کا مرتکب ہوگا وہ خود کو اور اپنے قرابت داروں کو مصیبت میں ڈالے گا۔" بہرحال شہر کو سلطان کے بغیر پا کر منگول یہاں اپنی توانائی ضائع کرنے کے متمنی نہ تھے چنانچہ اس شہر کو چھوڑ کر وہ اپنے شکار کی بو سونگھتے آگے بڑھ گئے۔ حکمت عملی کے تحت وہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر الگ راستوں پر سلطان کے قافلے کے نشان ڈھونڈ رہے تھے۔ سنائی کا راستہ جام اور طوس والوں نے روکا اور اس کی اطاعت سے انکار کر دیا نتیجتاً تلوار چلی اور فیصلہ سو بیدائی کے حق میں ہوا۔ اہل شہر کو موت کا جام پینا پڑا۔ آگے چل کر سو بیدائی نے رادکان پر چڑھائی کی لیکن یہ شہر اپنے قدرتی مناظر اور دلکش نظاروں کے سبب مغل سردار کے دل کو بھا گیا، اہل شہر کو امان دے دی گئی۔ اس کے بعد آنے والے شہر خبوشان اور اسفرائن تھے جن کے تمام باشندے قتل کر دیے گئے۔

دوسری طرف یاما جوین کے راستے مازندران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھوڑے عرصے تک مفرور سلطان کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا اور منگول اس کا کوئی سراغ نہ لگا پائے تھے۔ سلطان خوارزم شاہ کے ساتھ اسکا حرم اور اس کی والدہ ترکان خاتون بھی تھے جن کی موجودگی کے سبب لشکر کی نقل وحرکت محدود رہتی تھی، حرم کے خواتین کو صعوبتوں سے بچانے کے لیے قافلے کی رفتار میں وہ برق رفتاری نہیں آپا رہی تھی جتنی سلطان کی خواہش تھی۔ اس ضمن میں سلطان ان خواتین کے لیے ایک محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے قلعہ قارون کا انتخاب کیا یہ قلعہ مازندران کے نواح میں واقع تھا۔ چنانچہ حرم اور خزانہ اس قلعہ میں بحفاظت اتار دیے گئے لیکن غیرت وحمیت قلعوں کی دیواروں میں نہیں تلواروں کے سائے میں محفوظ رہتی ہے۔ ایک طرف مغلوں کا جنگی جنون عروج پر تھا، ان کا لشکر ٹڈی دل کی طرح انسانی تاریخ میں نئی داستانیں رقم کر رہا تھا، جو راستے میں آتا زندگی کی جنگ ہار جاتا دوسری طرف سلطان اپنا حرم اور خزانہ محفوظ مقام پر چھوڑ کر خود بغداد کی طرف جائے پناہ کے لیے روانہ ہوا۔ یہ وہی بغداد تھا جس پر کچھ عرصہ قبل وہ ایک جارح کی حیثیت سے آیا تھا لیکن آج وہاں وہ صرف ایک پناہ گزین تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے مفرور سلطان منگولوں سے اوجھل رہا۔ اسی عرصے میں ان لشکروں کو جو سلطان کے تعاقب میں تھے، مختلف مہمات درپیش آئیں سوبیدائی نے دامغان پر چڑھائی کی، دونوں اطراف کشت وخون کے بعد شہر مغلوں کے قبضے میں تھا۔ فوج کو شہر میں لوٹ مار کی اجازت دی گئی، جوان لڑکیاں اور ان کی عصمتیں مغلوں کے رحم وکرم پر تھیں۔ جوان مرد فوج میں بھرتی کر لیے گئے۔ جنھوں نے مزاحمت کی، قتل کر دیے گئے۔ یاما بھی سوبیدائی سے آن ملا۔ دونوں کی مشترکہ افواج نے رے شہر پر ہلہ بول دیا۔ اہل شہر نے جان کی خیر اور اطاعت کے لیے کوئی چون وچراں نہیں کی۔ چنگیز خان کے سخت احکام کی وجہ سے یاما رکے بغیر سلطان کی تلاش میں ہمدان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اہلیانِ ہمدان اور اس کے حاکم نے اطاعت میں ہی عافیت سمجھی اور شہر کو بلائے ناگہانی سے محفوظ کر لیا۔ یاما نے سلطان کا تعاقب جاری رکھا جبکہ سوبیدائی ہمدان میں ہی ٹھہر گیا۔ کچھ عرصہ بعد اسے اطلاع ملی کہ خوارزم شاہی فوج ٹکریوں کی شکل میں سلماس کے مقام پر بیگ تگیں اور کوچا باغا خان کی کمان میں جمع ہو کر مغلوں پر حملے کے لیے صف آرا ہو رہی ہیں۔ خبر ملتے ہی سوبیدائی نے ان دستوں پر حملہ کر کے انھیں منتشر کر دیا۔ تاریخ میں کئی جگہ ان دستوں کے بارے میں تحریر ہے کہ انھوں نے مغلوں کے خوف سے اس علاقے میں پناہ لے رکھی تھی۔ موجودہ ایرانی شہر تہران کے نزدیک سوبیدائی نے تیس ہزار کی ایرانی سپاہ کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے عراق کا رخ کیا اور تھوڑے تھوڑے علاقے میں پائے جانے والی مزاحمتوں کا گلا گھونٹ ڈالا ان مزاحمتوں میں انسانوں کی ایک کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔

جاڑا شروع ہو گیا تھا اور شدید برف باری نے منگولوں کی پیش قدمی روک ڈالی تھی راستے مسدود ہو چکے تھے۔ آمد ورفت کے راستے بند ہوتے ہی علاقے میں ایک بغاوت پھوٹ پڑی۔ عراق میں جمال الدین نامی ایک شخص نے مغلوں کے خلاف بغاوت کر کے صوبے دار علاؤالدولہ کو کریت کے علاقے میں بندی بنالیا۔ موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی یاما نے جمال الدین کو اس کی غلطی کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ صوبیدار نے اظہارِ اطاعت کی درخواست کی جو رد کر دی گئی۔ مغلوں کے ضابطہ اخلاق (Code Of Ethics) میں بغاوت جیسی غلطی کی سزا صرف موت تھی۔ چنانچہ باغیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

تولی اور خراسان کی مہم

مغلوں کی خراسان، مرو، نیشا پور، ہرات کی فتوحات کو طوالت سے ہٹ کر مقصدیت کے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے تا کہ تاریخی واقعات کا تسلسل برقرار رہے۔

جب بھی خراسان اور گرد و نواح کے علاقوں کی تسخیر کی تاریخ رقم کی جائے گی چنگیز کے چھوٹے بیٹے تولی (Tolli) کا ذکر آئے گا۔ ان شہروں کی مہم اس کو سونپی گئی تھی۔ چنگیز جب ماوراالنہر حاصل کر چکا تھا، اب اس کی توجہ خراسان پر تھی اس نے اپنے چاروں بیٹوں توشی، چغتائی، اولتائی اور تولی کو مختلف مہمات کی کمان سونپی۔ توشی اور چغتائی کو خوارزم اور اطراف کے چھوٹے بڑے شہر فتح کرنے کا حکم ملا تولی کو حکم دیا گیا کہ وہ خراسان، اطراف کی تسخیر کرے گا۔ اوکتائی کو چنگیز نے اپنے ساتھ رکھا۔

اسی اثنا میں جب مغل خوارزم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کو علم ہوا کہ مغلوں نے جو شہر فتح کیے ہیں وہاں رحم اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ ظلم کی ہزار داستانیں ماحول کو افسردہ کر رہی ہیں۔ اس نے حکم جاری کر دیا کہ چونکہ منگول حد درجہ ظالم ہیں اس لیے جب تک کامیابی کا یقین نہ ہو مزاحمت نہ کی جائے دوسرے لفظوں میں انھیں اشتعال نہ دلایا جائے۔ یہ فرمان اور اس میں درج الفاظ کسی بہادر کے منہ سے نکلے الفاظ نہیں ہو سکتے۔ اس فرمان نے لوگوں کی رہی سہی ہمت اور حوصلے پر اوس ڈال دی۔ ان کے اندر اپنی سرزمین کے دفاع پر کٹ مرنے کا جذبہ سرد پڑ گیا تولی مرو کی بڑھا، اس دوران جو شہر اور علاقے ہتھیار ڈال چکے تھے ان سے امدادی دستے منگوا لیے گئے۔ مرو میں مجیرالملک نے مزاحمت کی لیکن بہاء الملک کے سمجھانے پر مجیرالملک نے جان بچانے کی سوچی۔ بہاء الملک نے مجیرالملک کو خط لکھا کہ مغلوں سے لڑنا بیکار ہے بہتری اسی میں ہے کہ ناجائز خون خرابے سے بچا جائے اور منگولوں سے اظہارِ اطاعت کی جائے۔

لیکن مجیرالملک اس قدر بااختیار نہ تھا کہ خود کوئی فیصلہ کر جاتا۔ اس نے اہل دربار سے مشورہ کیا کہ بہاء الملک کے مشورے پر عمل کیا جائے لیکن اہل دربار نے صاف انکار کر دیا۔ انھیں خفیہ ذرائع سے معلوم ہو گیا تھا کہ منگول تعداد میں کم ہیں چنانچہ وہ ان سے لڑائی پر مصر تھے۔ چنانچہ ان باتوں کے زیر اثر مجیرالملک نے منگول قاصدوں کو جو بہاء الملک کا پیغام دے رہے تھے، قتل کر ڈالا مجیرالملک کے سخت ترین جواب نے امن کے دروازے بند کر دیے لیکن ساتھ ہی بہاء الملک پر زندگی کے دروازے بند کر دیے۔ دراصل منگول اس مسلمان کو مہرے کے طور پر استعمال کر رہے تھے تا کہ منگول دہشت اور مسلمان کے ذریعے ڈپلومیسی سے شہر فتح کر لیا جائے اور تاوان بھی بھاری مل جائے گا لیکن یہاں ان کی پالیسی نہ چلی۔ منگولوں نے جب دیکھا کہ بہاء الملک کو کوئی پذیرائی نہیں ملی بلکہ منگولوں کا ساتھ دینے کے سبب مسلمان اس سے نفرت کر رہے ہیں تو انھوں نے جاتے وقت اسے بھی ساتھ لے لیا، عزت سے نہیں بلکہ ذلت سے گرفتار کیا اور بعد ازاں قتل کر دیا۔ غیر اقوام غداروں کی کوئی عزت نہیں کرتیں یہ بات مسلمانوں کو ذہن نشین کر لینی چاہیے۔

مجیرالملک کے دستوں نے شہر سرخس پر قبضہ کر کے غداروں کو قرار واقعی سزا دی۔ منگولوں کے پسپا ہونے اور بہاء الملک کے خاتمے کے بعد

مجیر الملک کچھ عرصے کے لیے بے فکر ہو گیا۔

ادھر سرخس سے نکلنے کے بعد مغلوں کا سامنا آمو یہ کے حاکم ترکمانوں سے ہوا جنھوں نے مغلوں کو کافی جانی، مالی نقصان پہنچایا۔منگول وہاں سے کھسک کر مرو کے کنارے پر جا بسے، جہاں انھیں اطلاع ملی کہ تولی مرو پر چڑھائی کے لیے آ رہا ہے مرو کے باہر پہنچ کر تولی نے شہر کی حفاظتی فصیلوں کا جائزہ لیا اور حکمت عملی ترتیب دی لیکن جلد ہی اسے معلوم ہوا کہ ترکمان بھی نزدیک ہی پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں۔ان کا نشانہ بھی مرو تھا۔تولی نے فیصلہ کیا کہ پہلے ان کا صفایا کیا جائے پھر مجیر الملک کی باری آئے گی۔ چنانچہ اس نے گھات لگائی جیسے ہی ترک جو مرو پر حملوں کے لیے نکلتے، ان کی زد میں آتے، گاجر مولی کی طرح کٹ جاتے۔ترکمان اس حقیقت سے بے خبر ہی رہ گئے کہ وہ منگول لشکر کے اس قدر نزدیک پڑاؤ ڈالے ہیں۔ رات بھر یہ ڈراما جاری رہا۔رات کے اندھیرے میں ترکمانوں کی ایک کثیر تعداد موت کی وادی میں دھکیل دی گئی۔صبح ہوتے ہی منگولوں نے ان کے پڑاؤ کی جگہ پر حملہ کر کے ان کے خیمے لوٹ لیے اور مرد وزن تہہ تیغ کر دیے۔اس خونریزی نے اہل مرو کے دل دہلا دیے۔مجیر الملک نے مرو کے لیے دفاعی انتظامات تو خوب کر رکھے تھے لیکن جب جذبہ ہی نہ ہو تو اسلحہ بیکار ہو جاتا ہے۔مجیر الملک کی فوج نے خود کو قلعہ بند کر لیا۔لیکن مجیر الملک بھی نوشتہ دیوار پڑھ چکا تھا اس نے ایک فاضل شخص شیخ جمال الدین کو تولی کے پاس صلح اور رحم کی درخواست کے ساتھ بھیجا۔تولی موقع شناس اور انتہائی زیرک شخص تھا اس نے جمال الدین کو باریابی کی اجازت دی۔اگلے روز اس نے جمال الدین کو شہر کے سرکردہ افراد کی فہرست لانے کو کہا۔مجیر الملک سے مشورے کے بعد شیخ دو سو ایسے سرکردہ افراد کی ایک فہرست بنا کر تولی کے پاس لے گئے۔یہ وہ صاحب ثروت لوگ تھے جو ہر حکومت کو ٹیکس ادا کرتے تھے۔تولی نے حکم دیا کہ ان مالدار لوگوں کے پاس جو کچھ ہے حاضر کر دیا جائے۔مجیر الملک نے دو لاکھ سرخ دینار، غلے کی کثیر مقدار اور ایک لاکھ گھوڑے پیش کیے۔اسے خود پیش ہونے کا حکم دیا گیا۔جب مجیر الملک تولی کے سامنے لایا گیا تو اس پر مزید شرطوں کا بوجھ لاد دیا گیا لیکن چون چراں کرنے پر مجیر الملک کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔اس کے اعضاء ایک ایک کر کاٹے گئے۔اس کے بعد حکم ہوا شہر کے تمام مرد وزن، بچے، بوڑھے شہر سے باہر آ کر ایک کھلے میدان میں جمع ہو جائیں حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر آسمان نے انسانی خون بہنے کا ہولناک منظر دیکھا۔تولی کے حکم پر اہل صناع، ہنرمند لوگوں اور خوبرو عورتوں کے علاوہ ہر شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔مقتولین کی تعداد لاکھوں میں بیان کی جاتی ہے۔جب شہر خون میں نہا گیا تو تولی نے شہر کو صفِ ہستی سے مٹانے کا حکم دیا۔حکم ملتے ہی وحشی منگول کدال پھاوڑے لے کر شہر کی فصیل پر پل پڑے اور چند ہفتوں میں ہنستے بستے شہر کو کھنڈر بنا دیا۔اس کے بعد تولی نے ایک مسلمان امیر ضیاء الدین علی کو شہر کا حاکم مقرر کر دیا اور خود نیشاپور روانہ ہو گیا۔تولی جاتے ہوئے ضیاء الدین علی کے سر پر برماس نام کے ایک منگول کا تقرر کرتا چلا گیا۔

جب سلطان علاء الدین محمد دو لاکھ کا لشکر لے کر مغلوں کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔تو راستے میں جو شہر پڑتا تھا اس کے باسیوں کو منگولوں کے خلاف مدافعت نہ کرنے کا مشورہ دیتا جاتا منگول پالیسی یہ تھی کہ جس شہر سے مدافعت ہوا سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔صفحۂ ہستی سے مٹانے کا مطلب آبادی تہہ تیغ اور عمارتیں مسمار۔ جب وہ یہ مشورہ اہل نیشا کو دے کر کہ نیشا سے نکل رہا تھا۔مغلوں اس دوران نسا کے مضبوط قلعے کا محاصرہ کر چکے تھے۔مغل سردار پیل گوش شہر پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔شہر کی فصیل نہایت مضبوط تھی اور جملہ حفاظتی اقدامات بھی نہایت مضبوط تھے۔اہل شہر

کا جوش و جذبہ منگول حملہ آوروں کی نسبت زیادہ تھا۔ محاصرے کو چند دن ہی گزرے تھے کہ پیل گوش زندگی کی بازی ہار گیا۔ سپہ سالار کی موت کے بعد بھی منگولوں نے حوصلہ نہ ہارا اور مسلسل دباؤ بڑھاتے رہے حتیٰ کہ اہل شہر نے ہمت ہار دی۔ شہر کے فتح ہوتے ہی منگول وحشیوں نے اہل شہر کو بھنبھوڑ کر رکھ دیا۔

نیشاپور کو چنگیز کے داماد کے قتل کے انتقام میں خصوصی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ یہ شخص جس کا نام تفجار تھا، نے شہر کا محاصرہ کیا، اس کے ساتھ دس ہزار افراد تھے۔ لڑائی کئی دنوں تک جاری رہی۔ اہل شہر نے خوب مقابلہ کیا۔ کئی منگول جان سے ہاتھ دھو بیٹھے جن میں تفجار بھی شامل تھا۔ جب تولی کو بہنوئی کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ سخت غصے میں آ گیا۔ اس نے اہل نیشاپور کو ان کی اس حرکت کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ 1222ء کے موسم بہار میں ایک بھاری لشکر لے کر فتح نیشاپور کے لیے نکلا۔ چونکہ شہر کے نزدیک پتھروں کی کمی تھی جو منجنیقوں کے لیے چاہیے تھا۔ اس لیے جب وہ نیشاپور سے تین منزل کی دوری پر تھا تو فوج کو حکم دیا کہ چھکڑوں اور گاڑیوں میں زیادہ سے زیادہ پتھروں کی مقدار بھر لی جائے۔ جب نیشاپور کے قریب پہنچا تو حکم دیا کہ دو سو منجنیقیں اور تین ہزار تیر چرخ شہر کے چاروں طرف مناسب مقامات پر نصب کر دیے جائیں۔ جب اہل شہر نے ہلاکت اور تباہی کا خطرناک ساز و سامان دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انھوں نے قاضی الممالک رکن الدین علی بن ابراہیم کو تولی کے پاس مصالحت کے لیے روانہ کیا۔ اس نے وفد کی گزارشات پر کوئی توجہ نہ دی تولی کا رویہ درشت تھا۔ اس نے اراکین وفد کو روک لیا۔ اور حملے کا حکم دیا تین دن تک سخت جنگ ہوتی رہی۔ 14 صفر کو بعد از دوپہر تک مغلوں نے کئی مقامات پر خندق کو پاٹ لیا اور فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اہل شہر ایسا زبردست مقابلہ کر رہے تھے کہ مغل بار بار پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رات چھا گئی تو مغلوں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر کئی ہزار سپاہی فصیل سے شہر میں اتار دیے۔ صبح کو اہل شہر نے دیکھا تو ہر طرف مغل ہی مغل نظر آتے تھے۔ ہر چند بچاؤ کی کوئی امید نہ رہی تھی لیکن اہل شہر اسی طرح جوش و خروش سے مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور تمام مغل سپاہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح باشندگانِ شہر پر ٹوٹ پڑیں۔ لوگوں کی قوت مزاحمت جلد ہی جواب دے گئی۔ مجیر الملک کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ بعد میں پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا۔

تولی کو چنگیز خان کی طرف سے خصوصی ہدایات دی گئی تھیں کہ تفجار کی موت کا بدلہ لینے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ تمام اہل شہر کو قتل کر دیا جائے اور شہر کو چٹیل میدان میں بدل دے۔ خان اعظم کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی گئی۔ انسان تو کیا جانور بھی نہ بخشے گئے۔ تفجار کی بیوہ نے بھی اس قتل عام میں حصہ لیا۔ منگول پالیسی کے تحت ہنر مند نکال کر پیچھے بھجوا دیے گئے۔

ہرات پر یورش

تولی کو چنگیز کے احکام ملے کہ نیشاپور سے فارغ ہو کر ہرات کا قصہ تمام کرے جسے سوبیدائی پورا کیے بغیر سلطان خوارزم کے تعاقب میں نکل گیا تھا۔ ہرات کے حاکم نے سوبیدائی کی اطاعت کر کے جان چھڑائی تھی۔ سوبیدائی نے رحم اس لیے کیا تھا کہ اس کے پاس ہرات کی بربادی کے لیے فرصت نہ تھی ورگرنہ بھڑوں کے چھتے سے رحم کی امید رکھنا عبث تھا۔ ابھی اہل ہرات سکون کا سانس بھی نہ لے سکے تھے کہ بلاوا اجل تولی کی شکل میں

آ گیا۔صوبہ خراسان کے اہم شہروں نیشاپور، مرو کے ساتھ ہرات کا بھی اہم مقام تھا۔جب سوبیدائی نے چڑھائی کی تھی تو ہرات کا حاکم میر الملک تھا جو معتدل مزاج تھا۔جب اس نے سوبیدائی کی اطاعت کی تو اس کے مخالفین نے اس کی ہوا خراب کر دی جس کی بدولت معززین شہر نے تولی کی آمد کی خبر پا کر ایک شخص شمس الدین محمد کو میر الملک کی جگہ حاکم بنا دیا۔ یہ شخص ایک جارح مزاج آدمی تھا۔اس نے تولی کی ہتھیار ڈالنے اور شہر کے دروازے کھولنے کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا کہ وحشیوں کی اطاعت کی بجائے موت کو گلے لگالے گا۔اس نے حکم دیا کہ منگول کو قتل کر دیا جائے اور اس کا سر تولی کو بھیج دیا جائے تاکہ اسے خبر ہو کہ اس کا انجام بھی یہی ہوگا۔جب یہ پیغام تولی تک پہنچا تو وہ سخت طیش میں آ گیا اور اس نے شہر کا محاصرہ کرنے اور زوردار حملہ کرنے کا حکم دیا۔لڑائی چھڑ گئی لیکن شمس الدین محمد ایسی بہادری سے لڑا کہ سات دن میں اس نے مغلوں کے سترہ سو آدمی ڈھیر کر دیے۔ان میں نامور سردار بھی شامل تھے۔آٹھویں دن وہ پھر خم ٹھونک کر سامنے آ گیا اور ایسی دلیری سے مقابلہ کیا کہ تولی عش عش کر اٹھا۔آخر تیر کے ایک کاری زخم سے میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

اس کی وفات کے بعد اہل شہر میں قیادت کے فقدان کی وجہ سے لڑائی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔فوج اور عوام لڑائی کو جاری رکھنا چاہتے تھے، کیونکہ انھوں نے مغلوں کو دبا رکھا تھا لیکن علماء اور امراء طبقہ مصالحت پر آمادہ تھا۔اگر اس وقت لڑائی کو طول دیا جاتا تو منگولوں کو شکست دینا ممکن تھا تولی خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اگر کسی بہانے سے مزید خون ریزی رک جائے تو یقیناً بہتر ہوگا۔آخر لڑائی کے نویں دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر فصیل شہر کے قریب خندق کے بیرونی کنارے پر آ کھڑا ہوا اور اہل شہر سے جو فصیل پر کھڑے تھے یوں مخاطب ہوا:

''اہل ہرات ! کان کھول کر سنو، میں تولی ہوں چنگیز خاں کا بیٹا۔اگر تمھیں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں عزیز ہیں تو مقابلے کا خیال ترک کر دو اور سالانہ تاوان کی رقم کا ایک نصف پیشگی ادا کر کے جان چھڑا لو۔

ہر چند اہل ہرات نے سات آٹھ دن تک مغلوں کا زبردست مقابلہ کیا۔مغل قانون میں ایسے لوگوں کے لیے معافی نہ تھی لیکن تولی ہرات کے محل وقوع سے بڑا متاثر ہوا تھا اور وہ دل سے چاہتا تھا کہ اگر اہل شہر اظہار اطاعت پر آمادہ ہو جائیں تو انھیں معاف کر دے۔اہل شہر نے بھی محسوس کیا کہ کوئی کسی حد تک مخلص ہے، چنانچہ اہل شہر نے صلاح ومشورہ کے بعد فیصلہ کیا کہ قاضی شہر عزیز الدین ایک وفد لے کر تولی کے پاس جائیں اور مصالحت کی شرائط طے کریں۔قاضی صاحب موصوف جب قیمتی پارچہ جات کے ساتھ تولی کے دربار میں حاضر ہوئے تو ان کا استقبال ننگی تلواروں اور خونخوار آنکھوں نے کیا۔دراصل تولی نے حالات کا رخ لڑائی سے موڑ کر اہل شہر کا جذبہ ٹھنڈا کر دیا تھا۔اس کے بعد اس نے ارادہ بدل لیا اس کے حکم پر اہل وفد کو قتل کر دیا گیا اور شہر میں قتل عام کا حکم دیا۔دس بارہ ہزار نفوس کی جان لے کر اس نے معافی کا اعلان کر دیا۔

کٹھ پتلی

تولی امیر ابو بکر مراغنی کو ہرات کا حاکم اور منگا تائی کو کوتوال مقرر کر کے خود چنگیز خان کی طرف پلٹ گیا صدیوں قبل کے استعماراتی منصوبے (Imperialistic designs) آج بھی ویسے ہی آزمائے جا رہے ہیں یعنی مسلمانوں کے اوپر مسلم کٹھ پتلی حاکم اور اس حاکم کے اوپر منگول چیلا جو اسے حاکمیت کا احساس دلاتا رہے۔

قلعہ کالیون

جب تاتاری ہرات سے فارغ ہوگئے تو ان کی فوج دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ سیستان چلا گیا۔ دوسرا حصہ قلعہ کالیون کی طرف روانہ ہوا اور اس قلعے کو لشکر گاہ بنا لیا گیا۔ یہ قلعہ بہت مستحکم تھا۔ دنیا میں کوئی مقام بلندی اور استحکام کے لحاظ سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس عہد میں دنیا کا سب سے زیادہ مستحکم اور خوبصورت قلعہ قرار دیا جاتا تھا۔

یہ بیس فرسنگ کی سیدھی اونچائی میں واقع تھا۔ وہاں سے ایک فرسنگ اور بلندی پر جانا ہوتا، پھر قلعہ آتا تھا۔ چٹانیں ہی اس قلعے کی قدرتی بیرونی دیواریں تھیں، یہ چٹانیں ایک ہزار ہاتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ اونچی ہوں گی۔ کوئی جانور اڑ کر بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ صرف حشرات الارض جا سکتے تھے۔ قلعہ میں سات حوض تھے جو سنگ خارا کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر بنائے گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک میں اتنا پانی جمع رہتا کہ جتنا بھی خرچ کیا جائے کمی نہیں آتی۔ قلعے کے وسط میں ایک وسیع میدان تھا۔

قلعے کے امیر

سلطان محمد خوارزم شاہ کے دو نامور پہلوان اس قلعے کی حفاظت پر مامور تھے۔ وہ دونوں (سگے بھائی) ابوبکر کے بیٹے تھے۔ دونوں کی حیثیت میدان جنگ میں دو مست ہاتھیوں کی سی تھی۔

معتبر آدمیوں کا بیان ہے کہ دونوں بھائی مردانگی اور جوانمردی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دونوں اتنے بلند قامت تھے کہ جب سلطان محمد خوارزم شاہ کے گھوڑے کی رکاب دونوں جانب سے پکڑے ہوئے جلوس میں نکلتے تو دونوں بھائیوں کے سر سلطان کے سر سے اونچے رہتے۔ ان کی مدد کے لیے اختیار الملک دولت یار طغرائی بھی، جو سلطنت خوارزم شاہی کا پرانا نمک خوار کالیون پہنچ گیا تھا۔

جب تاتاری کالیون پہنچے تو وہاں دفاعی حصار اور جوش، خروش عروج پر تھا۔

تاتاریوں کے حملوں کے جواب میں بہادروں نے قلعے سے نیچے اتر کر جہاد شروع کیا اور بہت سے تاتاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رات دن جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہتا۔ اہل قلعہ کی دلیری نے تاتاریوں کی نیند حرام کر دی تھی۔

تاتاریوں نے ان حالات میں ایک جوابی حکمت عملی مرتب کی انھوں نے قلعے کے اردگرد ایک دیوار بنائی اس میں صرف دو دروازے رکھے جو قلعے کی طرف کھلتے تھے۔ ان دروازوں پر کڑا پہرہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک لومڑی اس چٹان میں رہتی تھی، جس پر قلعہ کالیون تعمیر ہوا تھا۔ وہ تاتاریوں کے بنائے ہوئے احاطے میں پہنچی تو سات ماہ تک اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ مل سکا۔ گویا تاتاریوں کے حفاظتی انتظامات اس قدر مضبوط تھے۔

اس دوران تاتاریوں کو سعدی کے لشکر کی صورت میں تازہ کمک مل گئی۔ ادھر اہل شہر پر یہ افتاد پڑی کہ انھیں معدے کی بیماری نے آن گھیرا۔ بہت سے لوگ وفات پا گئے کیونکہ قلعے میں خوراک کے جو ذخیرے تھے، ان میں سے صرف سکھایا ہوا گوشت، پستہ زیادہ مقدار میں باقی رہ گئے تھے۔ سوکھا گوشت، پستہ اور گھی کھا کھا کر سب بیمار ہو گئے۔ خرابی معدہ کے باعث پاؤں اور سر سوجتے اور بیمار دم دے دیتا۔

محاصرہ ڈیڑھ سال طویل ہو گیا تھا اب قلعے میں صرف پچاس آدمی رہ گئے تھے۔ان میں سے بھی بیس بیمار تھے یعنی ان کے پاؤں اور سر سوجے ہوئے تھے۔صرف تیس تندرست تھے۔ان میں سے ایک باہر نکلا اور تاتاریوں کو قلعے کی حقیقی کیفیت بتادی۔یہ جان کر تاتاریوں نے مسلح ہو کر زوردار حملہ کر دیا۔اہل قلعہ نے مقابلہ کیا کرنا تھا بس ایک رسم باقی تھی سب زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے۔اہل شہر نے سونے چاندی یا قیمتی پارچوں یا دوسری قیمتی چیزوں میں سے جو کچھ قلعے کے اندر تھا، وہ کنوؤں میں ڈال دیا تھا۔بھاری پتھر ڈال ڈال کر کنوؤں کو بھر دیا گیا جو کچھ باقی بچا، اسے آگ لگادی تھی۔

قلعہ کالیون کے بعد ایک اور مضبوط قلعہ فیوار بچا تھا جسے منگولوں نے دو ماہ کے قلیل عرصے کے محاصرے میں قابو کر ڈالا تھا۔

ہرات کی جنگ کے دوران، ایک بزرگ قاضی وحید الدین فوشنجی سے منسوب ایک حکایت قارئین کی دلچسپی کے لیے بیان کر رہا ہوں۔موصوف خراسان کے اکابرین میں سے تھے لکھتے ہیں کہ ''میں اس وقت ہرات شہر کے اندر موجود تھا جب مذکورہ شہر منگولوں کے محاصرے میں زندگی کے دن گن رہا تھا میں بھی اہل شہر کی طرح جوش وخروش سے بھرپور کبھی فصیل پر جاتا اور کبھی اپنے ہتھیار دیکھتا۔باہر منگول ٹڈی دل اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھا۔شہر میں خوف و دہشت کا عالم تھا۔ایک مرتبہ اندھیرے میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، میں فصیل پر گھوم کر منگول لشکر کا نظارہ کر رہا تھا کہ اچانک میرا پاؤں پھسلا اور میں فصیل سے نیچے جا گرا۔نیچے ایک خندق تھی جس کی کھدی مٹی سے ایک پہاڑ سا بن گیا تھا۔کرنا خدا کا میں اتنی بلندی سے مٹی کے تودے پر گرا اور لڑھکیاں کھاتا منگول سپاہ کے قدموں میں جا گرا۔یہ جگہ تولی کے خیمے کے نزدیک تھی۔تولی کے حکم پر مجھے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی اور کہا دیکھو اسے کوئی زخم تو نہیں لگا۔ایک تاتاری نے آ کر اچھی طرح دیکھا بھالا اور تولی سے کہا کہ کسی زخم کا نشان نہیں ملتا، اور واقعی میرے جسم پر کوئی زخم نہ تھا۔پھر وہ بولا: تو کون ہے؟ آدمی ہے یا پری ہے یا دیو یا فرشتے کی جنس سے ہے یا تیرے پاس ''الغ تنگری'' کا کوئی تعویذ ہے، سچ سچ بتا کہ حقیقت کیا ہے؟ میں نے پیشانی زمین پر رکھی اور کہا: میں ایک بے کس سا آدمی ہوں۔البتہ پڑھا لکھا ہوں تیرے جیسے بادشاہ کی نظر مجھ پر تھی، اس سعادت کی وجہ سے محفوظ رہا۔

تولی کو میری یہ بات پسند آئی۔اس نے کہا: یہ شخص عقلمند اور دانا ہے، اور چنگیز خان کی خدمت میں بھیجے جانے کے لائق ہے۔اس کی خاطر داری کرو تا کہ اسے چنگیز خان کے پاس لے جائیں۔یہ کہہ کر مجھے ایک معزز تاتاری کے سپرد کر دیا۔

چنگیز سے مکالمہ

جب تولی خراسان کی مہم سے فارغ ہوا تو مجھے چنگیز خاں کے پاس لے گیا اور میری پوری داستان اسے سنائی۔جلد ہی مجھے چنگیز کا قرب حاصل ہو گیا۔وہ مجھ سے انبیائے کرام، عجمی بادشاہوں اور گزرے ہوئے فرمانرواؤں کے حالات سنتا اکثر مجھ سے پوچھتا کیا تمھارے پیغمبر محمد ﷺ نے میرے ظہور کے بارے میں بھی کوئی خبر دی ہے؟ میں نے وہ حدیثیں بیان کیں جو ترکوں کے خروج کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔وہ کہتا: میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تو سچ کہتا ہے۔ایک روز اس نے باتیں کرتے ہوئے کہا: محمد اغری یعنی سلطان محمد خوارزم شاہ سے بدلہ لینے کے باعث میرا نام باقی رہے گا۔اغری، ترکی میں چور اور رہزن کو کہتے ہیں۔اس نے بارہا کہا: خوارزم شاہ بادشاہ نہ تھا، چور تھا۔اگر وہ بادشاہ ہوتا تو میرے سفیروں اور

تاجروں کو قتل نہ کرواتا جو اتر ار آئے تھے، کیونکہ بادشاہ رسولوں اور تاجروں کو نہیں مارا کرتے۔ میرے دل نے کہا تو یہ کیا بادشاہوں کی شان ہے کہ وہ بے گناہ مخلوق کے خون سے ہاتھ رنگیں۔

جب اس نے مجھ سے پوچھا: آیا میرا نام عظمت کے ساتھ باقی رہے گا؟ میں نے ادب سے کہا اگر مجھے جان کی امان دی جائے تو ایک بات عرض کروں؟ بولا: تجھے امان ہے۔ میں نے کہا: نام وہاں باقی رہتا ہے جہاں مخلوق موجود ہو۔ جب خان کے کارندے ہر جگہ مخلوق کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں تو نام کیوں کر باقی رہے گا؟

میری زبان سے یہ کلمہ نکلا تو چنگیز نے تیر کمان ہاتھ سے پھینک دیے۔ حد درجہ غصے میں آ گیا۔ میں نے کلمہ پڑھ لیا کہ اب جان گئی۔ میرے کان اس کی زبان کی جنبش پر لگے تھے۔ وہ میری طرف پلٹا اور بولا: میں تجھے عقلمند اور ہوشیار آدمی سمجھتا تھا مگر تو عقل میں کامل نہیں اور تیرا تصور محدود ہے۔ میری خونریزی اور بربادی صرف ان مقامات تک محدود رہی جہاں محمد اغری (خوارزم شاہ) کے گھوڑے کا پاؤں آ چکا تھا۔ دنیا کے باقی اطراف کے ممالک کے بادشاہ میری داستان ضرور بیان کیا کریں گے۔

اس واقعے کے بعد مجھے چنگیز کا قرب حاصل نہ رہا۔ بہرحال میری جان محفوظ تھی۔ ایک دن میں موقع پا کر لشکر سے بھاگ گیا اور جان بچائی۔

منگول عقاب کی طرح اپنے شکار (محمد خوارزم شاہ) پر جھپٹ رہے تھے اور شکار آگے آگے بھاگتا چلا جا رہا تھا۔ سلطان خوارزم شاہ منگولوں کے سر ابھارنے سے لے کر اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو پایا تھا۔ وہ محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں دنیا کے ایک خطے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک بھاگتا پھرتا تھا۔ خوف کی اس فضا میں ایک دن اس نے اپنی جنگی کونسل کا اجلاس طلب کیا تا کہ ان حالات، واقعات کا موثر حل تلاش کیا جا سکے اور منگول خطرے کا تدارک کیا جا سکے۔ چنگیز خان اس وقت تک دریائے جیحوں کے اس پار ماوراء النہر کے علاقے پر نیم قابض ہو چکا تھا۔ اراکین جنگی کونسل کی مشترکہ رائے یہ تھی کہ چونکہ ماوراء النہر کی حالت اب خوارزم شاہی کنٹرول سے باہر ہو چکی ہے، اس لیے مستقبل کی حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ دریائے جیحوں کے جنوبی کنارے پر مضبوط مورچے (Stronghold) تعمیر کیے جائیں تا کہ منگول دریا کے اس پار نہ آ سکیں، انھیں کسی صورت میں دریا عبور نہ کرنے دیا جائے اس طرح منگولوں کی پیش قدمی رک جائے گی اور ہم اس دوران مزاحمت کو طول دینے کے لیے مزید فوجی بھرتی کر پائیں گے۔ اس حکمت عملی کا روحِ رواں جلال الدین خوارزم شاہ تھا۔ جلال الدین اور اس کے حامی سرداران کی پالیسی شروع میں مدافعانہ اور بعد میں جڑ پکڑنے پر جارحانہ بنتا تھی لیکن یہ تب ممکن تھا جب سلطان اس پالیسی کو مان لیتا۔

خوارزمی جرنیل منگولوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے، ان کا موقف تھا کہ ایک مرتبہ ان کے قدم جم گئے تو وہ منگولوں کو سبق سکھا دیں گے اور اپنے کھوئے ہوئے علاقوں اور حمیت کو واپس لے لیں گے۔ وہ اس حد تک اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے کہ انھوں نے محمد خوارزم شاہ کو یہاں تک پیش کش کر دی کہ اگر وہ منگولوں کے خلاف سپاہ کی کمان نہیں کرنا چاہتا تو اندرون ملک مزید فوج کی بھرتی کے لیے روانہ ہو جائے اور کمان جلال الدین کے حوالے کر دے۔ لیکن کوئی مشورہ سلطان کا دل نہ جیت سکا۔ نہ وہ خود چنگیز کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بننے کو تیار ہوا اور نہ کسی کو ایسا کرنے

کی اجازت دی۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد سلطان نے ہندوستان کی طرف نکل جانے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ وہاں قسمت آزما سکے۔ چنانچہ وہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوگیا لیکن ابھی بلخ بھی نہ پہنچ پایا کہ وطن کی ہواؤں کی یاد ستانے لگی اور وہیں سے واپس پلٹ پڑا۔ راستے میں شہزادہ رکن الدین کا پیغام ملا کہ سلطان اگر مناسب سمجھے تو عراق تشریف لے آئیں۔ جلال الدین نے پھر کوشش کی کہ منگولوں کے خلاف زوردار مہم کے لیے سلطان کو رضامند کرے لیکن سلطان نہ مانا۔ اس نے درباری نجومیوں کو بلا کر مستقبل کی پیشین گوئی کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے سلطان کو منگولوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا ورنہ اس کی جان بھی جاسکتی تھی۔ اس پیشین گوئی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ سلطان جو پہلے ہی منگولوں کے ڈر سے بھاگا پھر رہا تھا، اس واقعے کے بعد یہ خیال سلطان کے ذہن میں پختہ ہوگیا کہ وہ مغلوں سے دوبدو کبھی نہیں لڑے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی لشکر منگولوں کے سامنے سینہ سپر ہوگا۔ سلطان کی اس ہٹ دھرمی نے اس کے جرنیلوں کو نفسیاتی مریض بنا دیا تھا۔ بزدلوں کی طرح بھاگ بھاگ کر ان کی ذہنی حالت بگڑ چکی تھی اور وہ بے بسی کی تصویر بنے نظر آتے تھے۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ بخارا بھی منگولوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس خبر نے سلطان کے اعصاب شل کر دیے۔

سلطان کی فوج میں شامل ترک دستے جو اپنی بہادری اور جوانمردی میں مشہور تھے، سلطان کے بزدلانہ فیصلوں کے حامی نہ تھے۔ ان کی صفوں میں مسلسل بے چینی تھی آخر انھوں نے خفیہ طور پر فیصلہ کیا کہ کمزور سلطان سے نجات حاصل کرلی جائے۔ معاملہ حددرجے رازداری میں تھا لیکن سلطان محمد خوارزم شاہ کا قائم کردہ جاسوسی نظام جاگ رہا تھا، اس کی خفیہ سروس کی بروقت اطلاع پر سلطان خاموشی سے خیمے سے نکل گیا اور ترکوں کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ انھوں نے اپنی سکیم کے مطابق سلطان کے خیمے پر تیروں کی بارش کردی۔ سلطان کا حفاظتی گارڈ جسے بے خبر رکھا گیا تھا، ترک تیروں سے چھلنی ہوگیا۔ اپنا کام ختم کر کے وہ انہی قدموں پر اپنے خیموں میں واپس چلے گئے انھیں اطمینان تھا کہ سلطان زندہ نہ بچا ہوگا۔ اگلی صبح جب سلطان ے اپنے شاہی خیمے کی حالت دیکھی تو سخت متفکر ہوا، اس کا اعتبار اپنے لشکریوں پر سے اٹھ گیا دوسری جانب سازش کرنے والے ترکوں نے جب سلطان کو زندہ سلامت پایا تو سمجھ گئے کہ اب جان کی خیر نہیں، سلطان کسی صورت معاف نہ کرے گا چنانچہ وہ سلطان کا ساتھ چھوڑ کر چنگیز کی فوجوں کے ساتھ مل گئے۔

ویسے تو چھوٹے بڑے واقعات انسان کی زندگی میں رونما ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن کئی واقعات اپنے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور جن کے نتائج اَن مٹ ہوتے ہیں۔ جب سلطان تخت خوارزم پر رونق افروز ہوا تو اسے اپنی والدہ ترکان خاتون کی امورِ سلطنت میں بیجا مداخلت کا سامنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی والدہ کا سلطان محمد خوارزم کے والد سلطان تکش کے زمانے سے امورِ سلطنت میں نمایاں کردار رہا تھا، اس کی پوزیشن سلطان تکش کے مقابلے میں ہمیشہ سے برتر رہی تھی۔ سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنے والد کی اتھارٹی میں کمی محسوس کی تھی جسے وہ ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ سلطان تکش ترکھان خاتون کی مضبوط قبیلہ جاتی حیثیت کی وجہ سے خاموش تھا لیکن سلطان علاؤالدین محمد خوارزم کسی دباؤ کو خاطر میں لانے کا قائل نہ تھا۔ ماں بیٹے کی سوچ کے اس نظریاتی فرق نے ان کے درمیان اَن بن کو جنم دیا تھا۔ اس شکررنجی نے دشمنوں اور بدظنوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ ایسے ہی بدظنوں میں ایک شخص کا نام بدرالدین عمید تھا۔ یہ والئ طبرستان تھا اور سلطان محمد خوارزم شاہ سے ناراض تھا سلطان نے بدرالدین کے دوقریبی رشتہ

داروں کو مروانے کا حکم دیا تھا۔ جب بدرالدین کو ترکان خاتون اور اس کے بیٹے محمد خوارزم کے درمیان ناچاقی کی اطلاع ملی تو اس نے اس صورتِ حال سے اپنا مفاد نکالنے کی کوشش کی۔ وہ چنگیز کے دربار میں حاضر ہوا اور اسے تمام صورتِ حال بیان کرتے ہوئے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ بدرالدین نے چنگیز کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر ترکان خاتون اور اس کے بیٹے علاؤالدین محمد خوارزم کے دوران فاصلے بڑھا دیے جائیں تو جری ترک قبیلے کی حمایت کھو جانے پر خوارزم شاہ چنگیز کے خلاف لڑنے کی ہمت کھو بیٹھے گا اور چنگیز کے لیے میدان کھلا ہوگا۔ ایک سکیم کے تحت، ایک خط جو ترک قبیلے سے منسوب تھا، ایک قاصد کے ہاتھ روانہ کیا گیا اور اس طریقے سے بھیجا گیا کہ خوارزم شاہ کا کوئی آدمی اس خط کو پکڑ لے۔

خط سلطان کے پاس لے جایا جائے گا اور وہ اس سازشی خط کے مندرجات کو پڑھ کر اپنے ننھیال سے متنفر ہو جائے گا، دوسری طرف اپنے طرف اٹھنے والی انگلی کی وجہ سے ننھیال کو یقین ہو جائے گا کہ یہ خوارزم شاہ کی کارستانی ہے اور انھیں اور رسوا زمانے میں بدنام کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑی گئی ہے نتیجتاً ترک قبیلہ سلطان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ واقعہ بھی ایسے ہی رونما ہوا اور اس کے بعد ترکوں نے سلطان سے جان خلاصی کرنے کا منصوبہ بنایا جو سلطان کے جاسوسی نظام کی مستعدی کے نتیجے میں ناکام ہو گیا۔ اس واقعہ کی ناکامی کے بعد ترکوں اور سلطان خوارزم شاہ کے راستے جدا ہو گئے۔ اس صورتِ حال نے سلطان کی ذہنی حالت مزید خراب کر دی۔ غم واضطراب کی اس حالت میں اس نے غم بھلانے کے لیے شراب نوشی شروع کر دی۔ اس کے وزراء اور امراء بھی اس کے ساتھ دربدر بھاگ کر تنگ آ چکے تھے، انھوں نے صورت حال سے نبٹنے کے لیے سلطان کے سامنے مختلف تجاویز رکھیں۔ لیکن کسی تجویز نے سلطان پر ذرا اثر نہ کیا۔ اسے بتایا گیا کہ قلات کا قلعہ مضبوطی اور دفاعی اعتبار سے لاجواب ہے، وہاں جا کر رہنا زیادہ مفید اور محفوظ ہوگا۔ چنانچہ وہ قلات کے قلعے کی طرف چلا گیا لیکن جب اس نے قلعے کی فصیل اور در و دیوار کا جائزہ لیا تو اسے دفاع کے لیے غیر تسلی بخش قرار دیتے ہوئے نیشاپور کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ہی اسے اطلاع ملی کہ تیس ہزار مغل شہسواروں کا ایک لشکر دریائے جیحوں عبور کر کے اس کے سر پر پہنچا ہی ہے چنانچہ خوارزم شاہ راستہ بدل کر رے پہنچا اور فرزین کے قلعے میں پناہ لے لی۔ یہ قلعہ ہمدان اور اصفہان کے درمیان واقع تھا۔ اس موقع پر شہزادہ رکن الدین نے سلطان کی امداد کے لیے کمک بھیجی جنگی کونسل نے شیرانکوہ کے قلعے میں بند ہونے کی تجویز پیش کی لیکن یہ قلعہ بھی محفوظ نظر نہ آیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ نے حالات کی نزاکت اور مسلم دنیا پر چھائی اس نحوست کو دیکھتے ہوئے، بیش قیمت ہیرے جواہرات اور خزائن پر مشتمل لوہے کے دس مضبوط بکس تاج الدین عمر کے حوالے کیے تاکہ وہ انھیں حوادثِ زمانہ سے بچا کر کہیں نکل جائے۔

تاج الدین نے ارذان کے قلعے کو خود کے لیے اور ان خزانوں کے لیے محفوظ سمجھتے ہوئے یہاں پناہ تلاش کی وہ ایک مدت تک وہاں کامیابی سے چھپا رہا۔ اس مدت میں سلطان اپنی طبعی موت مر گیا اور چنگیز کو ان خزائن کی بھنک پڑ گئی۔ اس نے اس قلعے پر حملہ کر کے ان خزینوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

اپنے خزانوں کو محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے بعد سلطان اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا، وہ دولت آباد کے گرد و نواح میں تھا کہ ایک مغل دستہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ سلطانی لشکر اس منگول دستے کی آمد سے بے خبر تھا جب منگولوں نے ہلہ بولا تو خوارزمی صفوں میں سراسیمگی پھیل گئی حالانکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور اگر ہمت کرتے تو منگولوں پر قابو پا سکتے تھے لیکن جس لشکر کا کمانڈر ہی بھاگنے کا ارادہ کر چکا ہو اس کی فوج کیونکر لڑے گی۔

چونکہ منگول سلطان کی شکل سے ناواقف تھے اس لیے سلطان اپنے چند وفاداروں کے ساتھ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور قارون پہنچ گیا۔ قارون ایک اچھا خاصا شہر تھا اس کے حاکم کا نام قلاوزاں تھا۔ قارون کا قلعہ ایک مضبوط قلعہ تھا لیکن اتنا مضبوط نہیں تھا کہ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کو پناہ دے سکے۔ مختصر قیام کے بعد سلطان حصہ فوج بغداد کی سمت بڑھا۔ حاکم قارون کو حکم تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ چلے گا۔ لیکن بغداد کی جانب جانے والی سڑک پر کچھ مسافت اکٹھے طے کرنے کے بعد سلطان نے کچھ سوچ کر حاکم قارون کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ کچھ میل جانے کے بعد سلطان نے راستہ بدل لیا اور سرجاہاں کی طرف مڑ گیا۔ چند دن آرام کے بعد وہ گیلان کی طرف نکل گیا۔ والئی گیلان نے اسے وہاں مستقل ٹھہرنے کی پیشکش کی لیکن وہ ایک ہفتے کے بعد ہی وہاں سے اسپیدار اور اسپیدار سے مازندران چلا گیا۔ مازندران کسی بھی وقت مغلوں کے لیے تر نوالہ ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ اس کا محل وقوع ایسا تھا۔ اس کے وفاداروں نے تجویز پیش کی کہ چونکہ وہ بھی بھاگ بھاگ کر تنگ آ چکے ہیں، کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے جو منگولوں کی پہنچ سے باہر ہو۔ ایسی محفوظ جائے پناہ کے طور پر بحیرۂ خزر کے جزائر پر نگاہ دوڑائی گئی۔ سلطان کو یہ تجویز پسند آئی لیکن یہ طے پایا کہ وہاں منتقلی کے عمل کو سختی سے صیغہ راز میں رکھا جائے اور عام آدمی کی طرح نقل حمل کی جائے۔ سلطان جو مغلوں کے ہاتھوں زچ ہو چکا تھا فوراً ان جزائر کی طرف کوچ کر گیا۔ سلطان محمد خوارزم شاہ بھیس بدل اپنے چند جانثاروں کے ہمراہ دروں اور گھاٹیوں سے ہوتا ہوا بحیرہ خزر کے مغربی ساحل پر ایک چھوٹے قصبے میں پہنچا۔ یہ قصبہ غریب ماہی گیروں اور تاجروں کی آبادی پر مشتمل تھا جمعے کے ایک روز سلطان کو جمعے کی نماز جامع مسجد میں پڑھنے کا شوق چرایا۔ وہاں پہنچا ہی تھا کہ راز فاش ہوگیا۔ ساری آبادی میں دھوم مچ گئی کہ وہ کون ہے۔ اس وقت تو نعروں اور شوروغوغا میں سلطان کو اندازہ نہ ہوا کہ کام غلط ہوگیا ہے اس کی مثال سوجن ہزار دشمن والی تھی جلد ہی جزائر میں اس کی موجودگی کی مخبری مغلوں کو ہوگئی، یہ فعل بد بھی ایک مسلمان کے ہاتھوں سرانجام ہوا جو سلطان سے عناد رکھتا تھا۔ مغل اس وقت قزوین میں ایرانیوں کے خلاف ایک جنگی مہم میں مصروف تھے چونکہ یہ مہمات خوارزم شاہ کے تعاقب کے سلسلے ہی میں درپیش تھیں، اس لیے خوارزم شاہ کے ٹھکانے کی اطلاع ملتے ہی مغل سرعت سے سمندری جزائر کی طرف بڑھے۔

مغل جب اس قصبے میں پہنچے جہاں خوارزم شاہ نے پناہ لے رکھی تھی، اس سے تھوڑی دیر پہلے سلطان کو مغلوں کی آمد کی بھنک پڑ چکی تھی۔ وہاں سے بھاگنے کا ذریعہ کشتی تھی۔ چنانچہ جب وہ ماہی گیروں کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو رہا تھا، مغلوں نے اس پر تیروں کی بارش کر دی مگر ماہی گیر کشتی کو کنارے سے دور لے گئے۔ منگول اس حد تک اپنے مشن سے سچے اور دُھن کے پکے تھے کہ ان میں سے بعض نے جوش میں اپنے گھوڑے پانی میں ڈال دیے اور اس وقت تک تیر کر آگے بڑھتے رہے جب تک پانی ان کے سروں کے اوپر سے نہ نکل گیا اور وہ ڈوب گئے۔ سلطان بچ کر ایک دوسرے جزیرے کی طرف نکل گیا۔ منگول سلطان کو پکڑ نہ پائے لیکن ان کے خوف سے سلطان کی حالت پتلی ہوگئی تھی۔ بادی النظر میں کوئی اسے دیکھ کر مجنون ہی سمجھتا۔

جب مغل خوارزم کی طرف سے مایوس ہوکر پلٹے تو وہ طیش اور جھنجلاہٹ میں تھے۔ اسی کیفیت میں انھوں نے ایلان اور قارون کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعے کی اہمیت اس لحاظ سے تھی کہ یہاں سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی حرم کی خواتین، بیگمات، شہزادے اور شہزادیاں پناہ گزین تھے۔ یہ قلعہ مغلوں کے جوش وخروش کے سامنے ڈھیر ہوگیا۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں، تمام شہزادے قتل کر دیے گئے اور خواتین کو مغل

سرداروں میں بانٹ دیا گیا۔ جب یہ افسوس ناک خبر خوارزم شاہ کے کانوں تک پہنچی تو اسے سخت غم ہوا۔ غم کی اس شدت سے وہ جانبر نہ ہوسکا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس کی وفات اس قدر مفلسی میں ہوئی کہ تن پہ جو کپڑا تھا اسی میں اسے دفن کرنا پڑا۔ سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کا سن وفات 617 ہجری (1220ء) تھا۔ وہ عالم اسلام کا ایک بدنصیب حکمران تھا جو اتنی بڑی سلطنت کی حفاظت نہ کر سکا۔ جتنی بڑی فتوحات اس کے کریڈٹ میں آتی ہیں ویسی ہی سیاسی سمجھ بوجھ سے وہ عاری نظر آتا ہے۔ اگر وہ سیاسی بصیرت سے کام لیتا تو اس کا انجام بہتر ہوسکتا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی سلطنت ایک ایسی افتاد کا شکار ہوگی جس کی پہلے نظیر نہیں ملتی لیکن ایک اچھا حکمران ہی وہی ہے جو حالات پر بغور نظر رکھے اور ان سے آنے والے خطرات کی پیش بندی کرے۔ کتاب کے آخری صفحات میں ان عوامل پر بحث ہوگی جو چنگیز کی لشکر کشی کی وجہ بنے تاکہ ان میں پوشیدہ تاریخی اسباق کو عہد حاضر کے ترازو میں تولا جاسکے۔ جب خوارزم شاہی سلطنت پر مغلوں کی شکل میں اُفتاد پڑی تو اس وقت خوارزم شاہی حکمران خاندان کا اقتدار چودھویں رات کے چاند کی طرح جوبن پر تھا لیکن جیسے چاند کی قسمت میں چودھویں رات کے بعد گھٹنا لکھا ہے اسی طرح خوارزم شاہی اقتدار بھی شکست و ریخت کا شکار ہونا شروع ہوگیا تھا۔ مغلوں کی یورش سے قبل ہی ولی عہد کے مسئلے پر محلاتی سازشیں عروج پر تھیں۔ علاؤالدین کے پانچ بیٹوں جلال الدین، ازلاق سلطان، آق سلطان، غیاث الدین اور رکن الدین میں سے جلال الدین سب سے بڑا، قابل، لائق لیکن مزاج اور نظم وضبط کے لحاظ سے سخت گیر تھا۔ اس کی اس اصول پسندی کے سبب اس کی والدہ ترکان خاتون اور کئی درباری امراء اس کی ولی عہدی کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ شہزادے جلال نے ان کی من مانی ہونے نہیں دینی تھی۔ چنانچہ جوڑ توڑ کر کے ازلاق سلطان کی ولی عہدی کا علاؤالدین خوارزم شاہ سے اعلان کروایا گیا۔ شہزادہ جلال الدین نے اس رسمی اعلان پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور اپنی ماں اور امورِ سلطنت میں ویسے ہی دلچسپی لیتا رہا۔ کبھی کسی نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ اتنی بڑی سلطنت تار پود کی طرح بکھر جائے گی اور نہ کوئی شہنشاہیت رہے گی اور نہ ولی عہدی۔

پالیسی اور شخصیت کے لحاظ سے جلال الدین اپنے باپ علاؤالدین خوارزم شاہ کا متضاد تھا۔ وہ سلطان علاؤالدین کی منگول پالیسی سے قطعی متفق نہ تھا، اس نے بارہا باپ سے کہا کہ وہ کمان اس کے سپرد کر دے وہ منگولوں سے نمٹ لے گا لیکن سلطان علاؤالدین کے ذہن میں خوف کا بھوت گھر کر چکا تھا جبکہ جلال الدین قومی غیرت، حمیت کے اصولوں کا پاسدار تھا۔ جلال الدین کسی لالچ، طمع اور دنیاوی جاہ، جلال سے بے نیاز سلطان علاؤالدین کی کمزور پالیسیوں کے خلاف آوازِ حق بلند کرتا رہتا تھا۔ اس نے کبھی باپ کی سلطنت حاصل کرنے یا بغاوت کرنے کا کوئی عندیہ منہ سے نہ دیا حتیٰ کہ جب ترکان خاتون نے اس کے ساتھ زیادتی کی اور اس کی حق تلفی کی تو اس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہ کیا اور اپنے ماں باپ کا مکمل وفادار رہا۔ یہ اس کی شخصیت کے بڑے پن کا زندہ ثبوت ہے۔ جلال الدین کے اصولی اور مثالی طرزِ عمل کی حقیقت سمجھتے ہوئے سلطان علاؤالدین نے اس فانی دنیا سے رخصت ہوتے وقت جلال الدین کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ اس دور کے سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے، یہ ولی عہدی کانٹوں کا بستر تھا جب خطرناک دشمن سر پر تھے اور سلطنت کا نام ونشان مٹنے کو تھا۔ جلال الدین ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا جہاں ایک طرف مغلوں کا باجگذار بن کر ذلت کی زندگی جینا اور دوسرا راستہ مغلوں کے سامنے ڈٹ جانا تھا یعنی تخت یا تختہ۔ اس طریقے میں عزت کی موت اور غیرت والی زندگی

شامل تھی۔ جلال الدین نے دوسرے راستے پر چلنا مناسب سمجھا، اس نے اپنی جنگی کونسل کا اجلاس بلایا اور ایک حکمت عملی وضع کی۔ اس کے سامنے اولین مقاصد میں منتشر فوج کو ایک جھنڈے تلے اکٹھے کرنا، عوام کے گرتے مورال کو سنبھالا دینا اور عظمت رفتہ کی بحالی کی جدوجہد شامل تھے۔

بحر خزر اور گردونواح میں بکھری فوج کو جمع کر کے اور اراکین سلطنت کو ساتھ لے کر وہ اُجڑے دارالحکومت خوارزم کی طرف روانہ ہوا۔ عوام جلال الدین کو دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو گئے اور پرانا جوش و خروش واپس لوٹ آیا۔ جہاں جہاں کوئی چھپا دبکا بیٹھا تھا وہاں سے نکل کر سلطان جلال الدین کے ہاتھ مضبوط کرنے پہنچ گیا۔ سلطانی سپاہ کی تعداد کم و بیش سات ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

خوارزم سلطان جلال الدین کے لیے کوئی پھولوں کی سیج نہ تھی۔ جلال الدین کے منصب ولی عہدی پر فائز ہونے کی اطلاع کو عوام نے خوش آمدید کہا لیکن کئی مقتدر حلقوں نے اس اعلان کو قبول نہ کیا، یہ حلقے ازلاق سلطان کو اس منصب کا وارث تصور کرتے تھے۔ انہی لوگوں میں سے ایک قتلغ خان نامی سردار تھا۔ اس نے یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا بلکہ جلال الدین کو زہر دے کر مارنے کی سازش کی جو بوجوہ سخت حفاظتی اقدامات کے کامیاب نہ ہو سکی۔ جلال الدین نے حالات کی نزاکت بھانپ کر قتلغ خان سے کوئی تعرض نہ کیا کیونکہ وہ نوے ہزار سپاہ کا کمانڈر تھا اور اس کو چھیڑنا دشمنوں پر اپنی کمزوری ظاہر کرنا تھا۔ سلطان خوارزم سے منتقل ہو کر منقشلاغ چلا گیا تاکہ وہ اپنی توجہ داخلی مسائل سے فی الوقت ہٹا کر خارجی مسائل پر دے سکے۔ اس کی تمام تر توجہ لشکر کی تعداد بڑھانے پر تھی۔ اس کام کے لیے وہ مزید بھرتی کرنے کے لیے خوارزم سے نکلا تھا۔

اب چنگیز کے دربار میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بدلتے حالات میں منگول چیف کے ارادے کیا تھے۔ جب سلطان محمد کی فوتیدگی کی اطلاع چنگیز کے دربار میں پہنچی۔ اس خبر پر ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ کسی نے اسے بزدل کی موت قرار دیا، کسی نے تبصرہ کیا کہ اگر جوانمردی سے لڑ کر مرتا تو تاریخ اسے ہیرو گردانتی، بہرحال چنگیز خان کی شخصیت کا ایک خاصہ تھا کہ وہ کبھی دشمن کو کمزور نہ سمجھتا اور اپنی جنگی تیاریاں عروج پر رکھتا تھا۔ اس حکمت عملی سے جنگی جوش و جذبہ ماند نہیں پڑتا تھا۔ دوسری اقوام خصوصاً مسلمانوں کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ چنگیز کو اطلاع مل چکی تھی کہ شہزادہ جلال الدین اور شہزادہ ازلاق سلطان خوارزم میں مقیم ہیں، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جلال الدین عوام میں جوش و ولولہ پھونک سکتا ہے اس لیے وہ جلال الدین کو ٹک کر بیٹھنے اور کوئی حکمت عملی مرتب کرنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کا خدشہ غلط بھی نہ تھا، جلال الدین نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ ایک بڑا لشکر منگولوں سے مقابلے کے لیے تیار کر سکے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا، مزید براں مسلمانوں کی روایتی نااتفاقی نے بھی جلال الدین جیسے بہادر جرنیل کے ہاتھ مضبوط نہ ہونے دیے۔ اگر ازلاق سلطان جلال الدین کو دل و جان سے سپورٹ کرتا تو جلال الدین کو ایسے سرداروں کی خدمات حاصل ہو جاتیں جن کی کمان میں کم و بیش ایک لاکھ کی سپاہ تھی صرف قتلغ خان کی کمان میں نوے ہزار فوجی تھے۔ جب جلال الدین پر جان لیوا وار کیا گیا تو وہ دل برداشتہ اور مایوس ہو کر اور کچھ مصلحتاً بھی خوارزم سے نکل گیا کیونکہ وہ کسی قسم کی خانہ جنگی کی کیفیت سے بچنا چاہ رہا تھا مزید برآں اسے دور ریگزاروں سے مزید بھرتی کی توقع تھی۔

چنگیز نے جلال الدین کے خلاف مہم کے لیے ایک لشکر کو خوارزم پر چڑھائی کا حکم دیا اُدھر یہ لشکر روانہ ہوا اُدھر اس حملے کی خبر خوارزم پہنچی۔ سلطان جلال الدین پہلے ہی خوارزم سے جا چکا تھا۔ منگول حملے کی خبر سن کر ازلاق سلطان بھی خوارزم سے نکل گیا۔ مغلوں کا جو لشکر خوارزم کی جانب

بڑھ رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ جلال الدین اپنی مختصر جمیعت کے ساتھ علاقے میں موجود ہے اور اُدھر سے گزرے گا۔ چنانچہ مغلوں نے پیش قدمی روک کر وہیں گھات لگالی۔ جب جلال الدین اپنی سپاہ کے ساتھ اس مقام سے گزرا تو مغل افتاد کی طرح اس پر آن پڑے۔ مغلوں کی اس حکمت عملی سے ان کی جنگی سوچ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ صرف اپنے وحشی پن اور سخت جانی کے سبب دوسری اقوام کو زیر نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کے پیچھے باقاعدہ منصوبہ بندی اور جاسوسی کا ایک وسیع نیٹ ورک کارفرما تھا۔

جلال الدین کے لیے یہ حملہ اچانک تھا لیکن وہ سنبھل گیا اور اس جوانمردی سے لڑا کہ مغلوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ اب دونوں متحارب فریق علاقے میں موجود تھے۔ منگول لشکر کا ایک حصہ جلال الدین کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد اپنے زخم چاٹ رہا تھا اور دوسرا حصہ ابھی تک گھات میں تھا، ان کے پاس اطلاع تھی کہ خوارزم شہزادے ازلاق اور آق وہاں سے گزرنے والے ہیں، ان کا پروگرام تھا کہ خوارزمی شہزادوں کا یہیں صفایا کہ دیا جائے تا کہ خوارزمی سلطنت کا نام ونشان مٹا دیا جائے اُدھر شہزادوں کونسا کے حاکم نے بذریعہ قاصد اطلاع پہنچائی کہ پیش قدمی کے دوران ہوشیار رہیں مغل ان کی گھات میں ہیں۔ چنانچہ وہ ہوشیار تھے اور مقابلے کے لیے تیار تھے۔ جب منگولوں نے ہلہ بولا تو انھیں خوارزمیوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ خوارزم شہزادوں نے بہادری کی نئی تاریخ رقم کی اور میدان ان کے ہاتھ رہا۔ مغل میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لیکن یہ کامیابی عارضی تھی۔ خوارزم شہزادوں کی جنگی بصیرت کی کمی اور دشمن کو کمزور سمجھنے کی غلطی نے اس کامیابی کا نشہ پوری طرح چڑھنے بھی نہ دیا۔ جب منگول فرار ہو گئے، اس وقت ان کی تعداد کم تھی اور فوری خطرہ نہ تھا کہ وہ پلٹ کر حملہ کر سکیں گے۔ یہ جان کر ازلاق سلطان اور شہزادہ آق نے مع سپاہ وہیں ستانے کا فیصلہ کیا، یہی سب سے بڑی غلطی تھی اگر وہ پیش قدمی جاری رکھتے تو اول تو ان کی فوج کا جوش وجذبہ بڑھتا دوئم وہ گڑبڑ کے علاقے سے دور نکل جاتے۔ جب شہزادے اس مقام پر قیام پذیر تھے، ایک بھاری مغل لشکر وہاں سے گزرا، یہ اتفاق تھا کہ خوارزمیوں کا پڑاؤ اور مغل لشکر کی گزرگاہ ایک ہی مقام تھے۔ مغل لشکر نے خوارزمیوں کو گھیر لیا۔ تلواریں ایک مرتبہ پھر بے نیام ہوئیں لیکن مغل تعداد میں زیادہ ہونے کے سبب غالب رہے، میدان لاشوں سے بھر گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغل لشکر کا خوارزمی سپاہ سے ٹکرانا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ لشکر مغل ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

سلطان جلال الدین منقشلاغ سے ہوتا ہوا نیشاپور پہنچ چکا تھا، وہ جہاں سے گزرتا لوگ اس کی عزت افزائی کرتے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے اس کے ساتھ شامل ہو جاتے، اس طرح فضا منگولوں کی چیرہ دستیوں کا بدلہ لینے کے لیے سازگار ہو رہی تھی۔ مغل بھی سلطان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اور ہرگز غافل نہ تھے۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر آچکا ہے کہ منگول سلطان جلال الدین کو سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جلال الدین ایک زخمی شیر ہے اگر اس کی توانائی بحال ہوگئی تو پھر اس کو قابو کرنا مشکل ہو جائے گا۔ وقت اور حالات نے منگول پالیسی کو درست قرار دیا۔ جلال الدین اپنی منتشر قوت کو مجتمع کرنے کے لیے وقت چاہتا تھا۔ اگر اسے وقت مل جاتا اور وہ اپنی پالیسیوں اور منصوبوں کو نافذ کر پاتا تو یقیناً تاریخ کے دھارے کو اپنی طرف موڑ سکتا تھا لیکن منگول اسے کوئی مہلت دینے پر تیار نہ تھے۔ ایک لشکر مسلسل اس کے تعاقب میں تھا۔ سلطان جہاں جاتا لوگ اس کی قدر و

منزلت کرتے، ان کے دل اس کے ساتھ تھے لیکن ان کے دماغ مغلوں کے خوف تلے دب کر جلال الدین کی حمایت میں کسی فیصلے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں، سلطان کے لیے مٹھی بھر سپاہ کے ساتھ منگولوں کے سامنے میدان میں اترنا خودکشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ سلطان نے پیش قدمی جاری رکھی تاکہ جہاں اسے مضبوط مرکز میسر آجائے وہیں پہ تازہ دم فوج تیار کر سکے۔ اس مقصد کے لیے وہ غزنی شہر کی طرف بڑھا۔ لیکن قلعے اور فصیل کی ناگفتہ بہ حالت نے اسے مایوس کیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ بست کے مقام پر تھا کہ اسے چنگیز خان کی نقل، حرکت کی اطلاع ملی۔ چنگیزی لشکر کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ سلطان نے چند دن وہیں قیام کا فیصلہ کیا اور مزید فوجی بھرتی کے لیے ہرات کے حاکم امین الملک سے مدد طلب کی جو فراہم کر دی گئی۔ اس کے پڑاؤ کے مقام کے نزدیک ہی ایک شہر قندز تھا، اسے معلوم ہوا کہ ایک منگول لشکر اس شہر کے درپے ہے اور محاصرہ کیے ہوئے ہے اہل شہر مشکلات کے باوجود پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ سلطان فوراً اہل شہر کی مدد کے لیے پہنچا اور منگولوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ منگول چونکہ تعداد میں کم تھے، جلال الدین ان پر بھاری پڑ گیا اور میدان اس کے ہاتھ رہا۔

جلال الدین کے پاس اطلاعات تھیں کہ منگول مسلسل اس کے تعاقب میں ہیں، چنانچہ وہ ایک جگہ ٹھہرنے کی بجائے غزنی کی طرف مڑ گیا۔ دوسری طرف منگول جلال الدین کو زندہ یا مردہ چنگیز کے دربار میں بھیجنے کے لیے بے تاب تھے، اس مقصد کے لیے ایک منگول لشکر مسلسل جلال الدین کے پیچھے تھا۔ 618ھ/ 1222ء میں جلال الدین غزنی پہنچا۔ اہل غزنی مغلوں کی پیش قدمی کا سن کر سخت پریشان تھے، جلال الدین جیسے بہادر کی آمد پر ان کی جان میں جان آئی۔ اسی اثنا میں موسم سرما شروع ہو چکا تھا اور برف باری کے ایام میں مغلوں کے حملے کا خطرہ نسبتاً کم تھا۔ بہار کے موسم کے شروع ہوتے ہی سلطان جلال الدین نے بروان کی طرف کوچ کیا۔ دراصل یہ منگول پالیسی کا ایک حصہ تھا کہ سلطان کو اس قدر اُلجھا کر رکھا جائے کہ وہ سرحد سے سرحد تک ہی بھاگتا پھرے اور اسے سکون کا سانس میسر ہی نہ آئے تاکہ وہ کوئی بڑی فوج مجتمع نہ کر سکے۔ بروان پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ مغلوں نے بامیان کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ عالم اسلام کے اس سپوت کی جوانمردی کا اندازہ لگائیں کہ بے سروسامانی کے باوجود وہ اہل بامیان کی امداد کے لیے روانہ ہوا۔ مغلوں کو جب سلطان کی چڑھائی کی اطلاع ملی تو انھوں نے محاصرہ اٹھایا اور دریائے آب بارانی عبور کر گئے۔ دریا عبور کر کے انھوں نے دریا کا پل اڑا دیا اور دریا کے دوسری جانب مورچے سنبھال لیے لیکن سلطان کی آمد سے قبل ہی رات کے اندھیرے میں کھسک گئے۔ ان حالات میں بھی جب عالم اسلام کا قلب تباہ ہو چکا تھا ایک تباہ حال سلطان جس کی کوئی سلطنت اور باقاعدہ فوج نہ تھی، کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ منگول وحشی اس سے مقابلہ کرنے سے کتراتے تھے۔ اگر سلطان علاؤالدین محمد خوارزم اپنے لشکر کی کمان جلال الدین کو دے دیتا تو آج تاریخ میں کسی چنگیز خان خاقانِ اعظم کا ذکر تک نہ ملتا۔ ذکر ملتا بھی تو صرف ایک پہاڑی سردار تموجن کا۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہوتا ہے۔

جب منگولوں کی بزدلی کی خبر چنگیز خان تک پہنچی تو وہ غصے میں لال پیلا ہو گیا۔ اس نے شیکی قتقو کی قیادت میں تیس ہزار کا ایک لشکر سلطان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ جلال الدین کو مغل پیش قدمی کی اطلاع بروان میں ہی مل گئی تھی۔ اس شیر دل خوارزم نے آگے بڑھ کر مغلوں کو للکارا اور شہر سے باہر ایک کھلے میدان میں صف آرا ہو گیا۔ جیسے ہی منگول پہنچے، لڑائی چھڑ گئی۔ دونوں اطراف سے تلواریں بے نیام ہوئیں۔ بہادر اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ منگولوں کی بربریت بھری داستانوں اور مظالم سے بھرپور ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے جلال الدین کا ان کے سامنے

صف آرا ہونا اور ڈٹ کر مقابلہ کرنا ایک بہادر ہی کے شایانِ شان ہے۔ تذکرہ نگار رقمطراز ہے کہ سلطانی لشکر اپنی حکمت عملی کے تحت گھوڑوں کی بجائے با پیادہ لڑا جس کا نفسیاتی اثر منگولوں پر ہوا۔ سلطانی لشکر کا دایاں بازو مضبوط تھا، اگر اس میں کوئی شگاف پڑتا تو سلطانی لشکر کا نظم وضبط خراب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ منگولوں نے سارا دباؤ دائیں بازو پر بڑھا دیا تا کہ اسے باقی لشکر سے علیحدہ کر کے تلوار کی نوک پر رکھ سکیں منگولوں کے دباؤ اور یلغار نے دائیں بازو کے لشکریوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا جب سلطان نے یہ صورتِ حال بھانپی تو گھوڑا دوڑاتا جلتی صفوں میں کود گیا اور حالات کو مزید خرابی سے روکا اور صفوں کو واپس اپنی جگہ لے آیا۔ تمام دن لڑائی عروج پر تھی میدان کشت وخون کا منظر پیش کر رہا تھا۔ شام کو دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ پر لوٹ آئے جب دونوں لشکر علیحدہ ہوئے تو دونوں کا پلڑہ برابر تھا۔ یہاں دونوں فوجوں کے پلڑے برابر ہونے کا مطلب طاقت کے توازن (Balance of power) کی برابری نہ تھا بلکہ اس کا سہرا جلال الدین خوارزم کی بہادری، جوانمردی اور شاندار قیادت کو جاتا ہے جس نے نہ صرف مسلم سپاہ کے گرتے مورال کو سنبھالا بلکہ منتشر مسلمانوں کو یکجا کر کے حملہ آوروں کے مقابلے میں میدان میں لے آیا۔

دوسری صبح کو جب دونوں لشکر صف آرا ہوئے تو سلطانی سپاہ نے مغل لشکر سے دور ایک اور لشکر کو دیکھا، یہ لشکر ایک ڈمی لشکر تھا جو پہلے دن کی لڑائی میں کام آنے والے منگولوں کے گھوڑوں پر مشتمل تھا، ان گھوڑوں پر ایک رات قبل منگولوں نے لکڑیوں کے بت بنا کر اور انھیں کپڑوں سے ڈھانپ کر بیٹھا دیا تھا۔ یہ جنگی چال صرف اور صرف مسلمانوں پر رُعب ڈالنے کے لیے چلی گئی تا کہ منگولوں کی عددی برتری مسلمانوں پر نفسیاتی برتری حاصل کر کے ان کی جنگی حکمت عملی کو ناکام کردے۔ سلطانی لشکر کے یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ایک نفسیاتی چال ہے۔ اگر یہ اطلاع انھیں بروقت مل جاتی تو لڑائی کا نقشہ بدل جاتا۔ منگولوں کی جنگی چال کام کر گئی، سلطانی لشکر میں مایوسی اور بددلی پھیل گئی اور وہ لڑائی سے کترانے لگے خود سرداران لشکر کا بھی یہی خیال تھا کہ میدان سے ہٹ جایا جائے، انھوں نے سلطان کو بھی منانے پر زور دیا لیکن سلطان نے ان مشوروں کو کوئی اہمیت نہ دی اور حکم دیا کہ تمام لوگ مل کر ہلہ بول دیں اور منگولوں کو روند ڈالیں۔ گھمسان کا رن پڑا اور مغلوں کے قدم اکھڑ گئے۔ تذکرہ نویس احمد النسوی لکھتا ہے کہ اس لڑائی میں منگول چیف چنگیز خان فوج کی کمان کر رہا تھا۔

لڑائی کا پلہ جب خوارزم شاہ کے حق میں نظر آ رہا تھا۔ جلال الدین کے لشکر میں دو سرداروں سیف الدین اغراق اور امین الملک کے درمیان پھوٹ پڑنے سے لشکر کی وحدت متاثر ہوئی۔ معاملہ جلال الدین کے سامنے پیش کیا گیا لیکن وہ اس نازک موقع پر کسی قسم کا ایکشن لینے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ وہ امین الملک کو چھیڑنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ تیس ہزار فوج کا کمانڈر تھا۔ اس مصلحت نے سیف الدین اغراق کو ناراض کر دیا۔ اس نے اپنی زیر کمان فوج کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ہر چند جلال الدین کے سمجھانے پر وہ خاموش ہو گیا لیکن رات کی تاریکی میں وہ اپنے لشکر کو لے کر نکل گیا۔ چنگیز حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا، اس کا جاسوسی نظام پوری طرح متحرک تھا۔ اس نے اغراق کی علیحدگی کی اطلاع پہنچائی۔ چنگیز نے حکم دیا کہ کسی لمحے کو ضائع کیے بغیر سلطان پر حملہ کیا جائے اور اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے اگر اسے زندہ گرفتار نہ کیا جا سکے تو میدانِ جنگ سے بچ کر نہ جائے۔ سلطان کو اغراق کی علیحدگی کے بعد قلت تعداد اور لشکریوں کے گرتے مورال کے پیش نظر حالات کی سنگینی کا اندازہ تھا چنانچہ وہ بروان کو چھوڑ کر غزنی کی طرف نکل پڑا۔ اس کی فوری حکمت عملی یہ نظر آتی ہے کہ فی الوقت خطرے کے مقام سے نکلا جائے اور کوئی محفوظ ٹھکانہ دیکھا جائے جہاں بیٹھ

کرکھوئی ہوئی طاقت مجتمع کی جا سکے۔اس کا طویل المدتی منصوبہ یوں نظر آتا ہے کہ موقع ملنے پر دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان چلا جائے اور وہاں سے مدد کے لیے قسمت آزمائی کرے۔

جب چنگیز بروان پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان غزنی کی طرف نکل گیا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ جلال الدین نے بروان سے نکلتے وقت انتہائی رازداری سے کام لیا تا کہ منگولوں کو اس فرار کی بھنک نہ پڑے جبکہ منگول جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔جلال الدین اپنی حکمت عملی میں اس حد تک کامیاب رہا کہ اول تو کشت وخون سے بچ کر نکل گیا۔دوئم چنگیز کی آمد سے قبل وہ پندرہ دن کی مسافت جتنا فاصلہ طے کر چکا تھا اس طرح اسے سکھ کے چند لمحات میسر آ گئے۔جلال الدین کی اس رفتار نے چنگیز کو آگ بگولا کر دیا اس نے سلطان کے تعاقب کا حکم دیا اور منزلوں پر منزلیں مارتا سلطان کے سر پر جا پہنچا۔اس تعاقب میں وہ بعض اوقات راتوں کو بھی سفر کرتا اور لشکریوں کے پاس اتنا وقت نہ ہوتا تھا کہ وہ کھانا پکا کر کھا سکیں۔

سلطان دریائے سندھ کے کنارے پڑاؤ کیے تھا، رات کی تاریکی میں منگول لشکر نے اس کو تین اطراف سے گھیر لیا، چوتھی طرف ٹھاٹیں مارتا دریائے سندھ تھا۔جب دن چڑھا تو جلال الدین کو خبر ملی کہ وہ اور اس کا لشکر گھیر لیے گئے ہیں اور اب لڑائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ابھی تک جلال الدین کی جنگی حکمت عملی (War strategy) یہ تھی کہ لڑائی کو ملتوی کیا جائے تا کہ اسے منتشر طاقت اکٹھی کرنے کا موقع میسر آ جائے جبکہ چنگیز کی یہ کوشش تھی کہ جلال الدین کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔بہرحال اب سلطان جلال الدین بقول شخصے (Between devil and deep sea) یعنی آگے سمندر پیچھے شیطان کے درمیان تھا۔جب لڑائی مسلط کر دی گئی تھی تو بھاگنا جلال الدین کی فطرت نہ تھا۔اس نے بھی للکارا مارا اور مقابلے پر آ گیا۔نقارے پر چوٹ پڑی، علم بلند ہوئے اور فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔جلال الدین اور اس کے مجاہدوں نے اس قدر جان توڑ کر حملہ کیا کہ چنگیز کے بڑھتے قدم رُک گئے اور وہ اپنی فوج کو پیچھے کھسکانے پر مجبور ہوا۔دراصل چنگیز جو فوج کے قلب میں کھڑا تھا اور فوج کو لڑا رہا تھا، جلال الدین کی نظر اس پر پڑ گئی، اس کی آنکھوں میں غصے اور انتقام کے مارے خون اتر آیا۔سلطان نے اس زور کا حملہ کیا کہ تاتاری بھاگ کھڑے ہوئے۔امین الملک کا دستہ بھاگنے والوں کے تعاقب میں تھا اور یہی غلطی تھی۔منگول ایک جنگ حکمت عملی کے تحت پیچھے ہٹتے تھے۔جب تعاقب کرنے والے ان کے پیچھے کافی اندر آ جاتے تو گھات میں بیٹھے دستے ان پر ہلہ بول کر انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیتے۔اگر ان پہلوؤں اور مغلوں کے جنگی پینتروں کو زیرِغور لایا گیا ہوتا تو نتائج کا پانسہ پلٹا جا سکتا تھا۔یہاں بھی چنگیز نے دس ہزار سوار گھات میں بٹھا رکھے تھے جیسے ہی امین الملک کا دستہ ان کی زد میں آیا۔نقشہ ہی پلٹ گیا وہ شور وغوغا ہوا کہ تمام نظم وضبط دھرا رہ گیا۔اب امین الملک کے گھڑسوار جان بچانے کی فکر میں تھے اور تاتاری دباؤ بڑھا رہے تھے۔جنگ میں مورال (جذبہ) ہی کلیدی حیثیت رکھتا ہے، تاتاری مورال کے عروج پر تھے۔انھوں نے تعاقب کرنے والوں کو تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔اس افراتفری میں سلطان جلال الدین کا ایک بیٹا بھی شہید ہو گیا۔

معاملہ اس ناگہانی صورت تک ہی محدود رہتا تو اور بات تھی۔امین الملک اپنے بچے کھچے لشکریوں کو لے کر پشاور کی طرف چل پڑا۔ایک تو اس نے جلال الدین جیسے بہادر کے ساتھ بیوفائی کی دوئم اس کی عقل میں یہ نہ آیا کہ وہ تین اطراف سے تاتاریوں کے محاصرے میں تھے۔جب تک

وہ بڑے لشکر کے ساتھ تھے تو محفوظ تھے جیسے ہی وہ سلطان کی فوجوں سے علیحدہ ہوئے تو تاتاریوں کے لیے محض ایک دستہ رہ گئے جس کی چنداں اہمیت نہ تھی۔ پشاور کی طرف رخ کیے ہوئے امین الملک ذرا آگے بڑھا تو مغلوں نے گھیرے میں لے کر سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ امین الملک کی اس بے وفائی نے جلتی پر تیل ڈالا۔ چنگیز کے حوصلے مزید بلند ہو گئے جبکہ جلال الدین کی حالت پتلی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مغلوں کا گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ سلطان کی معیت میں صرف چند سپاہی رہ گئے تھے۔ مورخین ان سپاہیوں کی تعداد کم و بیش سات سو بتاتے ہیں۔ چنگیزی فرمان تھا کہ سلطان جلال الدین کو زندہ گرفتار کیا جائے اس لیے تاتاری اس پر براہِ راست حملہ نہیں کر رہے تھے۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ سلطان کے حفاظتی حصار کو توڑ کر اس تک پہنچا جائے۔ سلطان لڑائی میں اس قدر مگن تھا کہ وہ اپنی ذاتی حفاظت سے مکمل بے خبر تھا۔ انہونی ہونے کو تھی کہ سلطان کے ماموں اجاش ملک نے صورتِ حال بھانپ لی وہ سرعت سے آگے بڑھا اور سلطان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے میدان سے باہر لے آیا اب آگے دریائے سندھ کی شکل میں پانی کا سیلاب تھا اور پیچھے منگولوں کی شکل میں دشمنوں کا سیلاب تھا۔ جلال الدین گھوڑے کو دوڑا کر ایک ٹیلے پر لے گیا۔ اس مقام سے سندھ دریا تیس فٹ نیچے تھا۔ اور یہی وہ مقام تھا جہاں سے جلال الدین اور چنگیز خان کی نظریں چار ہوئیں۔ چنگیز نے سلطان کی نظروں میں وہ آگ دیکھی جو اسے اب تک کسی حریف میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی چشم خود سے سلطان جلال الدین کو دریائے سندھ کی خوفناک موجوں میں کودتے دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا۔

"از پدر پسر چنیں باید"

(وہ باپ خوش قسمت ہے جن کا بیٹا اتنا بہادر ہو)

سلطان کے جانے کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا قطعی مشکل نہیں کہ اس کے خاندان اور بچے کھچے لشکر پر کیا گزری ہو گی۔ ایک ایک شخص کو بلا لحاظ عمر، مرتبہ، جنس موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ادھر جب سلطان جلال الدین نے خود کو موجوں کے حوالے کیا تو وہ تن تنہا تھا۔ قدرت کو اس کی زندگی منظور تھی۔ تیس فٹ کی بلندی سے گھوڑے سمیت کود کر بھی وہ بچ نکلا اور تیر کر دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ تین دن تک وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پڑا رہا کہ شاید کوئی اور اس کے پیچھے آ جائے۔ سلطانی لشکر کے بہت سے سپاہیوں نے اپنے سپہ سالار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود کو منگول دشمنوں کی بے رحم تلواروں سے بچاتے ہوئے دریائے سندھ کے حوالے کیا تھا۔ بہت سے تیز رفتار موجوں کا شکار ہو گئے اور ڈوب گئے جو تیر رہے تھے وہ منگول تیروں کی بارش کا شکار بن گئے۔ صرف سات سپاہی دریا پار کر کے سلطان تک پہنچ پائے۔ سلطان اور اس کے سات سپاہی نہتے تھے لیکن ان کے حوصلے بلند تھے۔ اب وہ ایک اجنبی سرزمین پر تھے جو ہندوستان تھی۔

دریائے سندھ کے کنارے لڑی جانے والی جنگ مغلوں اور خوارزمیوں کے درمیان آخری دو بدو لڑائی تھی جس میں دونوں فریقوں نے اپنا بھرپور زور لگایا۔ بہادری دونوں اطراف موجود تھی۔ فرق جنگی چالوں اور اندرونی ریشہ دوانیوں کا تھا۔ منگول لشکر نظم و ضبط کا شاہکار اور اندرونی سازشوں سے پاک تھا۔ جبکہ جلال الدین کا لشکر ترکوں، غزنیوں، ایرانیوں، غوریوں پر مشتمل تھا۔ ان کے سردار من مانیاں کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جلال الدین اس وقت حالات کے رحم و کرم پر تھا۔ اس طرح ایک طاقتور رہنما کے ہوتے ہوئے بھی لشکر میں وہ یکجہتی اور

قومی اتحاد کے جذبے کی کمی تھی۔

چنگیز کی طرف لوٹنے سے قبل، اس جوانمرد جلال الدین محمد خوارزم شاہ کی بہادری اور لیڈر شپ کوالٹی پر ایک اور نظر ڈالتے ہیں۔ دریائے سندھ کے پار اب جلال الدین کے پاس تقریباً سو سپاہی تھے لیکن سب کے سب نہتے تھے۔ سلطان نے حکم دیا کہ جنگل سے لکڑیاں توڑ کر بھالے نیزے بنائے جائیں تا کہ دفاع کیا جا سکے۔ ایک طرف منگول تعاقب کا خطرہ تھا دوسری جانب ایک اجنبی سرزمین تھی۔ علاقے کے ہندوؤں سے چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں سلطان کی آمد کی اطلاع مقامی ہندو راجہ کے کانوں تک پہنچ گئی، اس نے سلطان کو تیاری کا موقع دیے بغیر ہزار ڈیڑھ ہزار کی سپاہ کے ساتھ سلطان پر چڑھائی کر دی۔ ہندو کیل کانٹے سے لیس تھے جبکہ جلال الدین کے مٹھی بھر سپاہیوں کے پاس لڑنے کے لیے نہ گھوڑے اور نہ جنگی ہتھیار تھے لیکن ان کے پاس جوش وجذبہ اور وسیع جنگی مہارت موجود تھی جس نے ترپ کے پتے کا کام کیا۔ میدان خوارزمیوں کے ہاتھ رہا اور ہندو راجا مارا گیا۔ جب ان معرکوں اور فتوحات کی خبر دریا کے اس پار پڑاؤ ڈالے چنگیز تک پہنچی تو وہ بڑا جزبز ہوا۔ اس نے سلطان کو پکڑنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جو سلطان کے تعاقب میں شاہ پور تک آیا لیکن جلال الدین جس کی منزل دہلی تھی، بہت دور نکل چکا تھا۔ بلانویان کی سرکردگی میں تعاقب کے لیے بھیجا جانے والا لشکر دہلی جانے والے قافلوں کے ہجوم میں اس کو تلاش نہ کر سکا۔ مزید براں علاقے کی شدید گرمی نے منگولوں کو بے حال کر دیا۔ تعاقب بے سود پا کر منگول واپس لوٹ گئے۔ واپس پہنچ کر انھوں نے اپنے خاقان کو بتایا کہ علاقے میں نہ پانی صاف ہے اور نہ تازہ ہوا۔ اس طرح شاید گرمی نے ہندوستان کو ایک عفریت سے بچا لیا۔ اب تبت سے بحر خزر تک کا وسیع علاقہ مغلوں کے زیر تسلط تھا۔ نسل انسانی کا کثیر حصہ اپنے ہی خون میں نہا کر موت کی ابدی نیند سو چکا تھا۔ جو بچے غلامی ان کا مقدر تھا۔ چنگیز کی یہ پیشین گوئی اس کی آنکھوں کے سامنے پوری ہوئی کہ اس کے جانشین کمخواب کا لباس پہنیں گے، سیر ہو کر کھائیں گے اور شاندار اور برق رفتار نسلی گھوڑوں پر سواری کریں گے۔ دہلی میں اس وقت درویش صفت بادشاہ شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ وہ کسی بھی طرح منگول فتنے سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے جلال الدین کی اچھی مہمان نوازی کی اور کہا کہ ہندوستان کا موسم آپ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ بہتر ہے آپ افغانستان کی طرف نکل جائیں۔

دریائے سندھ کے کنارے لڑی جانے والی فیصلہ کن جنگ کے بعد بوڑھے چنگیز کو وطن یاد آنے لگا۔ اس کے الفاظ تھے کہ ''میرے بیٹوں کو ایسے ملکوں اور شہروں میں رہنے کی خواہش ہوگی مجھے تو نہیں ہے۔'' اس وقت کے ورلڈ آرڈر کے مطابق، خطا کے مسند پر بیٹھا مغل گورنر مقولی بہادر اب دنیا میں نہ رہا تھا، تبت کے اس پار ہیا کی سلطنت بغاوت پر آمادہ تھی۔ چنگیز کی تب کی جنگی پوزیشن سے یہ علاقہ کم وبیش آٹھ سو میل کی دوری پر تھا۔ راستہ بھی میدانی نہیں بلکہ تنگ پہاڑی دروں پر مشتمل تھا۔ اس نے سکندر اعظم کے برعکس اس پہاڑی سفر کی صعوبتوں سے بچنے کے لیے ایک مختلف راستے کا انتخاب کیا اور پامیر کے راستے اپنی بنوائی سڑک کے ذریعے آگے بڑھا۔ اس اقدام سے چنگیز کی جنگی سوچ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر پیش بند (Proactive) تھا۔ راستے میں پڑنے والے پشاور شہر کو زیر کرنے کے بعد چنگیز سمرقند پہنچا۔ اب نہ سمرقند اور نہ چنگیز ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ 1220ء میں چنگیز نے جب پہلی مرتبہ سمرقند شہر کی دیواریں اور باغات دیکھے تھے تو انگشت بدنداں رہ گیا تھا لیکن آج 1221ء میں اس کی پیش قدمی کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ لیو چتسائی کے الفاظ تاریخ کا حصہ ہیں چنگیز نے کہا، کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ''قتل وغارت

روک دی جائے۔''اب تک قیدیوں کی شکل میں ایک جمِ غفیر منگول لشکر کے ساتھ ساتھ گھسٹتا پھر رہا تھا۔ سمرقند سے کوچ کرنے کے بعد، چنگیز نے ان سب سے گلوخلاصی کا ارادہ کرلیا لیکن ان کو قید سے آزاد کر کے نہیں بلکہ زندگی کی قید سے آزاد کر کے یعنی ان کے قتل عام کا حکم دیا۔ ماسوائے خوارزم شاہی حرم کی خواتین کے ہر مرد، زن کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان بدقسمت خواتین کو آخری مرتبہ اپنے وطن کی طرف دیکھنے اور آہ و بکا کا موقع دیا گیا۔ ان مقید خواتین کے ہمراہ سلطان محمد خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون بھی تھی اس کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے خاندان کی تمام خواتین کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں لشکر کے آگے آگے چلے اور تمام خواتین اپنی تباہی و بربادی کا ماتم کرتی جائیں۔ ترکان خاتون تاتاریوں کے مرکز میں 630ھ تک زندہ رہی۔ باقی خواتین کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ سلطان محمد خوارزم شاہ کی بیگمات اور بیٹیوں، اسی طرح سلطان جلال الدین کی بیگمات کے ساتھ ناروا سلوک منگول تاریخ پر ایک سیاہ داغ ہے۔ تموجن کو حالات نے چنگیز بنایا ورنہ وہ بھی عام انسانوں کی مانند فطری کمزوری کا حامل تھا۔ اسے وہ دن کبھی نہ بھولے تھے جب اس کی بورتی کو اس کے گھر میں گھس کر اغوا کرلیا گیا تھا اور وہ اس واقعے کو روک نہ پایا تھا، وہ اس برسرِعام اپنی کمزوری قرار دیتا تھا، اس کے وہ الفاظ تاریخ کے انمٹ صفحے پر آج بھی محفوظ ہیں، جب وہ بورتی کو اغوا کنندگان کے قبضے سے بازیاب کروا کر لایا تھا، تو اس نے روتی بورتی سے کہے تھے۔ تیسرا اغوا میری کمزوری اور دشمنوں پر میری ہیبت کے فقدان کا نتیجہ تھا۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے لیکن یہ میری محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جو مخالفین کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ مجھے اس بات کا کڑا دکھ ہے کہ یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا ہی کیوں! اس کے بعد اس نے بورتی کی تسلی، تشفی کی اور گرجدار آواز میں کہا کہ دیوتاؤں کی قسم، اب زندگی بھر دشمن میری کمزوری نہ دیکھ پائیں گے۔ حرم شاہی کی خواتین کے ساتھ اس درجے کی بدسلوکی چنگیز خان کی ایک مخصوص نفسیاتی کیفیت کا پتہ دیتی ہے۔ جس کیفیت سے اسے اس وقت دوچار ہونا پڑا تھا جب اس کی خوبرو بیوی بورتی (توشی کی ماں) منگول قبائل کے مابین جنگ میں دشمن قبیلے کے ہاتھ چڑھ گئی تھی اور حاملہ ہوگئی تھی۔ بیوی کی عصمت دری نے چنگیز پر ایک ہیجانی کیفیت طاری کردی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہی خاندان کی عورتوں کے متعلق اس کا رویہ خصوصاً سنگدلانہ ہوتا تھا۔ چنگیز کی واپسی کا راستہ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ راوی نے لوب اور تبت لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ تبت کے کون سے درے سے گزرا۔ لوب سے مراد لوب نادر ہے جو دیامیر کے جنوبی پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ وطن کی طرف آخری کوچ سے قبل دنیا کا یہ فاتح اپنے مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق سے غافل نہ تھا۔ ان علاقوں میں اپنے صوبے دار اور گورنر مقرر کرنے کے بعد، اس نے دریائے سیحوں کے کنارے اسی مقام پر جہاں سے وہ پہلی مرتبہ خوارزم شاہی سلطنت میں داخل ہوا تھا، ایک عظیم الشان اور تاریخی اجلاس منعقد کرنے کا حکم دیا اس مقصد کے لیے ہرکارے ہر طرف بھجوائے گئے۔ اس کا قبل اس کا ارادہ ہندوستان کی طرف جانے کا تھا لیکن بکری کی ہڈی کا شانہ جب بھی وہ جلاتا، اسے اجازت نہ ملتی اور فتح کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا۔ اس کا چال یہ تھا کہ لکھنوتی اور کامرود کے راستے چین پہنچے۔ لیکن کئی مرتبہ روایتی فال کے ذریعے اسے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی اجازت نہ ملی تو وہ رک گیا۔

تیرویں صدی میں اس فاتح عالم کا ہر سو ڈھنکا تھا، مسلمان تو خیر اس سے کوسوں دور بھاگتے اور اظہارِ نفرت کرتے تھے لیکن غیر مسلم اقوام کے اہل علم اور دانشور چنگیز کے دربار میں حاضر ہو کر اسے اپنی مشاورت سے نوازتے تھے۔ اسی طرح کے اہل علم میں سے استاد چیانگ چنگ کا نام سرفہرست تھا جو دور دراز سے اور میلوں کا سفر طے کر کے (کہا جاتا ہے کہ یہ سفر دو ہزار میل کا تھا) چنگیز کے دربار میں تاؤازم کی فلاسفی بتانے کے لیے

حاضر ہوا۔ ایسے ہی ایک صاحب علم قاضی وحید الدین خوشنجی تھے جنھیں ہرات شہر کے محاصرے کے دوران تولی کی فوجوں نے گرفتار کیا جو بعد ازاں تولی کے دربار سے ہوتا چنگیز خان کے حضور پیش کیا گیا، کے ساتھ چنگیز کا مکالمہ تاریخی نوعیت کا تھا۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ تولی مجھے خود چنگیز کے پاس لے گیا اور میری داستان بمعہ علوم وفنون اسے سنا ڈالی اس طرح مجھے چنگیز کا قرب حاصل ہو گیا۔ وہ اکثر مجھ سے انبیائے کرام، عجمی بادشاہوں اور ماضی کے نامور حکمرانوں کے حالات سنتا تھا۔ وہ دریافت کرتا تھا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ احادیث میں میرے خروج اور عروج کا بھی کوئی ذکر موجود ہے؟ میرے علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب جو احادیث میرے علم میں تھیں وہ میں نے اس کے گوش گزار کر دیں۔ چنگیز کا جواب تھا کہ میرا دل کہتا ہے کہ تم صحیح کہتے ہو۔ چنگیز سلطان محمد خوارزم شاہ کے نام کے ساتھ اُغری کا لقب استعمال کرتا تھا۔ ترکی زبان میں اغری کا لفظ چور اور ڈاکو کے لیے لیا جاتا تھا۔ چنگیز اسے چور قرار دیتا اس کا کہنا تھا کہ سلطان خوارزم اگر واقعی بادشاہ ہوتا تو تجارتی قافلے کو نہ لوٹتا۔ بادشاہ رسولوں اور تاجروں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ چنگیز کی تاریخی بات کا تاریخی جواب یہ بنتا ہے کہ اگرچہ بادشاہوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تاجروں اور سفیروں کو قتل کریں لیکن کیا یہ بادشاہوں کی شان ہے کہ زمین کو انسانوں کے خون سے رنگ دیں۔

قاضی صاحب کا کہنا تھا کہ ایک مرتبہ چنگیز نے مجھ سے پوچھا کہ آیا اس کا نام تاریخ میں عزت سے لیا جائے گا۔ میں نے جان کی امان طلب کر کے جواب دینے کی خواہش ظاہر کی۔ چنگیز نے جان کی امان دی اور میں نے عرض کیا، اے فاتح عالم "نام تو وہاں موجود رہے گا جہاں نام لینے والا کوئی ہوگا، جہاں مخلوق ہی موجود نہ ہو وہاں نام کیا ہوگا۔ آپ کی تلوار سے شاید ہی کچھ بچا ہوگا۔" میرا جواب سن کر چنگیز غصے میں آگ بگولا ہو گیا، میں سمجھا میرا آخری وقت آ گیا، اس کی زبان کی جنبش میرے لیے موت کا پیغام لا سکتی تھی۔ کچھ لمحے توقف کے بعد، چنگیز دھاڑا، میں تمھیں بڑا ہوشیار اور زیرک انسان سمجھتا تھا لیکن تیری عقل محدود ہے۔ میں نے صرف ان مقامات پر حملہ کیا جہاں خوارزم شاہ اغری کے گھوڑے کے سم پڑے تھے، دنیا میں موجود باقی بادشاہ میری داستان کا تذکرہ ضرور کریں گے۔ اس واقعہ کے بعد مجھے چنگیز کی قربت میسر نہ آ سکی اور میں بھی ایک دن موقع پا کر منگول اردو سے نکل بھاگا۔

کرولتائی

چنگیز کے حکم کی تعمیل میں اجلاس کے لیے مقررہ جگہ پر اردو کے سرداروں کی سواریاں پہنچنے لگیں۔ اجلاس کے لیے سات میل کے قطر کا ایک سرسبز وشاداب میدان منتخب کیا گیا تھا۔ ہر سردار اپنے مخصوص انداز میں آیا تھا، خطا سے آگے سردار کو ٹھاٹھ کی کونسلوں کی جوڑی، تبت سے آئے سرداروں کی گاڑیوں کو ست چلنے والے یاک کھینچ کر لائے تھے۔ جن کے سینگ چوڑے اور دم ریشم کی تھی۔ تولی خراسان کی مہم سے فراغت پا کر آتے ہوئے اونٹوں کی ایک لمبی قطار کے ساتھ آیا چغتائی اپنے ساتھ ایک لاکھ گھوڑے خاقانِ اعظم کے لیے بطور تحفہ لایا تھا۔ گوبی سے تولی کا بیٹا تو بیلائی آیا تھا۔ اس کی عمر صرف نو برس تھی۔ منگول روایات کی رو سے اسے پہلی مرتبہ شکار میں شریک ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ بادشاہ کے لیے یہ بڑے فخر کی بات تھی۔ اس نے یہ رسم اپنے ہاتھوں انجام دی۔ اردو کے تمام سردار کمخواب، طلائی اور نقرئی جاموں میں ملبوس تھے ان بیش قیمت کپڑوں کے اوپر

انھوں نے بڑے بڑے لبادے اور کھالیں اوڑھ رکھی تھیں تا کہ ان کے کپڑے میلے نہ ہو جائیں۔ اپنوں کے ساتھ ساتھ غیر بھی اس اجلاس میں شرکت کے لیے آنا باعث فخر تصور کرتے تھے۔ طیان سے ایغوروں کا سردار ایدیقوت بھی آیا تھا جبکہ قرغیز عیسائیوں کی نمائندگی ان کا بادشاہ قرغیز کر رہا تھا۔ یہ دونوں خاقانِ اعظم کے مہمان اور اس کے حلیف بننے کے متمنی تھے منگول جن کی اقتصادی حالت ان جنگوں سے قبل انتہائی پتلی تھی، اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ان کے گھوڑوں کا ساز چمڑے کے بنے نہیں تھے بلکہ کھنکھتی ہوئی لوہے کی زنجیریں ہوتی تھیں۔ لیکن اب گھوڑوں کے سازوں پر ہیرے اور چاندی کا مرصع کام نظر آتا تھا۔

اجلاس کے مقام کرولتائی میں ایک بڑا سفید رنگ کا شامیانہ لگایا گیا تھا۔ جس میں دو ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس شامیانے کا ایک دروازہ صرف چنگیز خان کے داخلے کے لیے مخصوص تھا۔ جنوبی دروازہ مہمانوں کی گزرگاہ تھا۔ اس کے دروازے پر محافظ موجود تھے۔ اردو کے نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ مغل خاقان کے رہائشی خیمے کے قریب چڑیا پر نہ مار سکتی تھی۔ صحرائے گوبی کے اس پار کی روایت کے مطابق مغل فاتح کو گھوڑے، عورتیں اور ہتھیار پیش کیے جاتے تھے لیکن اس بار اس تاریخی اجلاس کے موقع پر وہ بیش قیمت تحائف خاقانِ اعظم کی خدمت میں پیش کیے گئے جو اس سے قبل کسی نے نہ دیکھے تھے۔ یہ قیمتی تحائف دنیا بھر کی فتوحات کے نتیجے میں ہاتھ لگے تھے۔ منگول شہزادے گھوڑیوں کے دودھ کی بجائے شہد کھاتے تھے اور ایران کی سفید اور سرخ شراب پیتے تھے۔ خود خاقانِ اعظم کا بیان تھا کہ اسے شیراز کی شراب بہت پسند ہے۔

اس اجلاس میں خاقانِ اعظم جس تخت پر بیٹھا تھا وہ سلطان محمد خوارزم شاہ کا تھا۔ اس کے علاوہ مرحوم خوارزم سلطان کا شاہی عصا اور تاج بھی چنگیز کے تصرف میں تھا۔ تخت کے نیچے جانوروں کے بالوں کا بنا خاکی سمور کا ٹکڑا پڑا تھا جو گوبی میں سرداری کی مسند کی علامت تھا۔ اسی اجلاس میں سلطان خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون کو پیش کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس خاتون کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ چنگیز نے سرداروں سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنے کارنامے مختصر انداز میں بیان کیے جو اس نے پچھلے تین سالوں میں سرانجام دیے تھے۔ اس نے اپنے کارناموں کو یاسا کی مہربانی اور برکت سے تعبیر کیا۔ مغل سردار نے قانون کی بالادستی پر زور دیا اور کہا کہ اب ہم ایک بڑی سلطنت کے وارث ہیں اور ہمیں قانون کی پاس داری کرتے رہنا چاہیے۔ چنگیز جانتا تھا کہ علاقائی روایات کے مطابق ہر سردار آزاد اور خودمختار تھا، وہ اپنے طور پر اعلانِ جنگ کر سکتے تھے اگر کبھی ان کے درمیان اختلافات کے سبب پھوٹ پڑ گئی تو منگول سپر پاور اتھارٹی کے لیے خطرناک بات ہوگی۔ اپنے بیٹوں کو اس نے نرمی اور سختی کے ملاپ رکھنے کی تنبیہ کی اور اوکتائی سے وفادار رہنے کی نصیحت کی۔

کرولتائی کا یہ اجلاس شان وشوکت، نظم وضبط کے اظہار اور منگول اظہارِ یکجہتی کا ایک نمونہ تھا۔ رسمی اجلاس کے بعد جشن مہینہ بھر جاری رہا۔ تحفے تحائف لیے اور دیے جاتے رہے۔ اسی دوران سوبیدائی بہادر چنگیز کے ناراض بیٹے جوچی کو منا کر لے آیا تھا جس کے آنے سے چنگیز خوش ہو گیا۔ وہ جوچی سے خاص محبت کرتا تھا لیکن اظہار نہیں کرتا تھا۔ پولینڈ کی سرحد سے آنے والا جوشیلا سپہ سالار جوچی اپنے ساتھ چنگیز کے لیے ایک لاکھ قپچاقی نسل کے گھوڑے لایا تھا۔ جوچی نے منگول روایت کے مطابق ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوزانو بیٹھ کر باپ کے سامنے حاضری دی۔ جشن کے اختتام پر جوچی چنگیز کی اجازت سے وولگا چلا گیا۔ سوبیدائی البتہ چنگیز کے پاس ہی مقیم رہا۔ چنگیز روزانہ سوبیدائی کو بلا کر اس سے یورپ کی باتیں سنتا

تھا۔ چغتائی پہاڑوں پر چلا گیا اور باقی مہمانان اور اردو قراقرم کی طرف روانہ ہو گئے۔ قراقرم اس زمانے کی بڑی ہائی وے تھی۔ بوڑھا مغل فاتح اب اپنے لوگوں اور اپنے ماحول میں دن گزارنا چاہتا تھا۔ اب اس کی سلطنت کو کسی طرف سے کوئی فوری خطرہ نہ تھا صرف دو دشمن قوتیں باقی رہ گئی تھیں۔ ایک تبت کی پہاڑیوں کے پیچھے واقع ہیا سلطنت اور دوسری قوت جنوبی چین میں برسر اقتدار سنگ خاندان تھا۔ پیش بندی کی عادت کے تحت، چنگیز نے آج کو کل پر نہ ڈالا بلکہ سوبیدائی کو سنگ کی مہم سونپی اور سیا قبائل کے خلاف مہم کا بیڑا خود بوڑھے جرنیل نے اٹھایا۔ اس مہم میں چنگیز کی بہادری سے زیادہ اس کی دہشت نے ہی اسے کامیابی دلادی۔

آپریشن بلیو سٹار

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف **طارق اسماعیل ساگر** کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا دوسرا ناول **آپریشن بلیو سٹار** کہانی ہے ایسے سرپھرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کو کچلنے کے لیے کیا گیا بدنام زمانہ فوجی ایکشن جسے آپریشن بلیوسٹار کا نام دیا گیا تھا، اسی آپریشن کے بعد ہندوستان کی سابقہ وزیرِ اعظم اندرا گاندھی کو اسکے اپنے سکھ باڈی گارڈز نے گولیوں سے اُڑا دیا۔ ہندوں اور سکھوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

شیطان صاحب

عمران سیریز اور جاسوسی دُنیا جیسے بہترین جاسوسی اور سراغرسانی سلسلے کے خالق اور عظیم اُردو مصنف ابنِ صفی کے شریر قلم کی کاٹ دار تحریروں کا انتخاب۔ طنزیہ اور مزاحیہ مضامین پر مشتمل یہ انتخاب یقیناً آپ کو پسند آئے گا۔ شیطان صاحب کو کتاب گھر پر **طنز و مزاح** سیکشن میں پڑھا جا سکتا ہے۔

چینگ چن چنگیز کا من پسند مفکر

1220ء میں ٹرانسونیا کی فتح کے مکمل ہونے کے بعد تاثر یہ تھا کہ چنگیز خان ایک خاموش اور پُرامن زندگی گزارے گا۔ اس نے خوارزم ایمپائر کے فتح کردہ علاقوں کی حاکمیت اپنے بیٹوں اور جرنیلوں کے سپرد کی۔ دیکھا جائے تو یہ ایک انتقامی مہم تھی جو سلطان محمد خوارزم کے ہاتھوں اس کے بھیجے تجارتی قافلے کے قتل عام کے ردعمل میں شروع کی گئی۔

1220ء میں چنگیز کی عمر 58 برس تھی جو بلاشبہ ایک معزز عمر سمجھی جاتی تھی۔ خوارزم کے خلاف ایکشن لینے سے قبل، چنگیز اپنی جانشینی کا مسئلہ حل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ شمالی چین میں جنگوں کے دوران، ایک چینی سکالر اور راہب چینگ چن چنگیز کی توجہ مبذول کروانے میں کامیاب ہوا تھا۔ چینگ چن کو چن اور سنگ شاہی درباروں میں خاصا عزت واکرام حاصل تھا۔ جادوگروں کی قدیم تحریروں اور پرانے سکالروں کی بدولت چین میں تاؤازم نے خوب ترقی کی تھی۔ بعد میں یہ ترقی کر کے مافوق الطبیعاتی نظام کے قالب میں ڈھل گیا اور خود کو پُراسراریت کے بطن سے آزاد کروانے میں کامیاب ہو گیا۔

تاؤ طریقہ علاج زندگی کے لیے تریاق ڈھونڈتا تھا جس کا مقصد زندگی کو امر بنانا تھا۔ یہ ایک ایسا علم الادویہ تھا جس میں بڑی کشش تھی۔ چینگ چن ایک فلسفی اور شاعر تھا۔ اس فلسفی نے تاؤازم کے پلیٹ فارم سے عالمانہ کوششوں کے ذریعے روحانی منازل طے کر کے اپنے لوگوں کے دل جیتے تھے۔ اسے جادو سے کوئی سروکار نہ تھا۔

ایک اَن پڑھ منگول فاتح عالم اس فلسفی کے لافانیت کے اسرار، رموز کے فلسفے میں کھو گیا تھا، وہ اس معروف راہب کی جادوئی طاقتوں کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ ان معجزات کو اپنے بس میں کر کے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کر سکے۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا واقعی چینگ چن کے پاس لافانیت (نہ ختم ہونے والی زندگی) کی کوئی دوا ہے اور کیا وہ زندگی اور موت کے متعلق آسمانی قوتوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس کا کہا مانیں۔

1219ء میں جب چنگیز خان کا رااِرتش دریا پر خوارزم پر حملے کے لیے اپنی فوج تیار کر رہا تھا، اس نے چینگ چن کو ملنے کا پیغام بھیجا۔ چینگ شینٹنگ (Shanting) کے صوبے میں مقیم تھا۔ 71 سالہ تاؤاسٹ نے محسوس کیا کہ فاتح عالم سے ملنے سے انکار ممکن نہیں چنانچہ وہ خان کے بھیجے 20 افراد کی معیت میں شینٹنگ سے روانہ ہوا۔ منگول فاتح کے مشیروں میں سے ایک چنکائی کو سفر میں راہب کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اپنی روانگی کے دن، عمر رسیدہ تاؤاسٹ نے اپنے پیروکاروں کو بتایا کہ وہ تین سالوں میں لوٹ پائے گا۔

جنگی مہمات کے دوران منگول فوج شکست خوردہ قوموں میں سے جنسی لذت کے لیے جوان اور خوبرو عورتوں کا انتخاب کرتے تھے۔ فاضل اور عالم زاہد کو جب یہ معلوم ہوا کہ اسے منگولوں کے حرم کی عورتوں کے ساتھ سفر کرنا پڑے گا تو وہ سخت برہم ہوا۔ اس کا احتجاج کامیاب رہا اور

ایسی عورتیں اس سے دور رہیں۔

پیکنگ میں بوڑھے راہب کو بتایا گیا کہ چنگیز خوارزم کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ مارچ 1221ء میں چینگ چن نے ایشیا کی طرف اپنے کٹھن سفر کا آغاز کیا۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک لی چی چینگ روزمرہ واقعات کی تفصیلی ڈائری لکھتا تھا جو بعد میں ایک اہم تاریخی ماخذ بن گیا۔ یہ ڈائری صرف تاریخی واقعات کا بیان نہیں تھا بلکہ وسطی ایشیا کے جغرافیائی، موسمی اور علم اقوام کے بارے میں قیمتی معلومات کی فراہمی کا ذریعہ تھا۔ یہ کمپنی ڈلون کے راستے چنگیز خان کے چھوٹے بھائی تیموجی اوچی جن کے کیمپ میں پہنچی۔ 30 اپریل کو چینگ چن کا استقبال تیموجی نے کالکا دریا کے کنارے کیا۔ انھوں نے کیرولن وادی کے راستے بالائی ارخوان کی طرف سفر کیا جہاں موسم گرما کے باوجود کافی سردی تھی۔ حتیٰ کہ اس کمپنی کا طاقتور ترین شخص بھی موسمی اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سفر التائی کی پہاڑیوں کے راستے شمال کی طرف تین شان پہاڑیوں سائیرم نور اور الما لک کے ساتھ سمرقند کی طرف جاری رہا۔ یہ سیاح 3 دسمبر 1221ء میں سمرقند پہنچے۔

جاڑے کے موسم کے سبب چینگ چن چند ماہ کے لیے سمرقند میں مقیم رہا۔ اپریل 1222ء کے وسط میں، اسے چنگیز خان کا پیغام ملا کہ وہ اس سے ملے چنانچہ تاؤ ماسٹر 26 اپریل کو سمرقند سے محافظوں کی ایک کمپنی کے ساتھ نکل پڑا۔ وہ بلخ کے راستے چنگیز خان کے کیمپ کی طرف جا رہا تھا جو ہندوکش کے جنوب میں تھا۔ عمر رسیدہ چینی سکالر 15 مئی کو پہنچا۔ فاتح عالم نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور شکریہ ادا کیا کہ خان سے ملنے کے لیے بوڑھے سکالر نے تقریباً دس ہزار لی کا فاصلہ طے کیا تھا (ایک لی 573 میٹر کے برابر ہے) بوڑھے مفکر نے جواب دیا کہ چنگیز خان کا حکم اس کے لیے آسمانی حکم کا درجہ رکھتا ہے اور بطور ایک پہاڑی وحشی اس کے پاس سوائے اطاعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک راہب نے بطور طنز (خود کے لیے پہاڑی وحشی کا نام استعمال کیا۔ ایک تارک الدنیا کو پیش آنے والی شرمندگی کے اظہار کے طور پر) چنگیز نے تاؤ استاد کو بیٹھنے کی دعوت دی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کی بجائے براہِ راست اپنے دل میں چھپے سوال کو زبان پر لے آیا۔ اس نے بوڑھے راہب سے پوچھا کیا اس کے پاس نہ ختم ہونے والی زندگی کی دوا ہے؟ چینگ چن نے جواب دیا کہ زندگی بڑھانے کے بہت سے طریقے ہیں لیکن اس کی کوئی ایک دوا نہیں ہے۔ چنگیز خان کو یہ جواب سن کر سخت مایوسی ہوئی کیونکہ وہ موت کو شکست دینے کے بارے میں پُر امید ہو چلا تھا۔ وہ دل میں ٹھان چکا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ ایسی کوئی دوا آ جاتی ہے تو وہ ساری دنیا کی طرح موت کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ منفی جواب سن کر اسے شدید مایوسی ہوئی لیکن اس نے اپنے جذبات عیاں نہ ہونے دیے اور راہب کو اس کے دیانت دارانہ جواب پر مبارک باد دی۔ فاتح عالم نے حکم دیا کہ اس کے ہیڈ کوارٹر کے مشرق میں دو شامیانے نصب کیے جائیں، ایک تاؤ ماسٹر اور دوسرا اس کے ساتھیوں کے لیے۔

اس پروٹوکول سے چنگیز کی اس خواہش کا پتہ چلتا ہے کہ وہ تاؤ فلسفے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن افغانستان میں دشمن کی شورش نے چنگیز کی توجہ اپنی طرف مبذول کی ہوئی تھی اس کی اپنی درخواست پر چینگ چن سمرقند واپس لوٹا اور جون 1222ء کے وسط میں پہنچا۔ جب چنگیز خان نے ستمبر 1222ء میں دوسری مرتبہ بوڑھے راہب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس کا کیمپ بلخ کے جنوب مشرق میں منتقل ہو چکا تھا۔ چینگ چن 28 ستمبر کو وہاں پہنچا۔ اکتوبر سے قبل چنگیز خان مصروفیات کے سبب تاؤ ازم کے بارے میں تاؤ استاد سے مزید باتیں نہ سن سکا۔ ایک متاثر کن شامیانے

میں جو اسی مقصد کے لیے تعمیر کیا گیا تھا، چنگیز نے بوڑھے استاد کا بڑی عزت سے استقبال کیا۔ خان نے تاؤ استاد کے الفاظ کو بڑی توجہ سے سنا جسے ایک ترجمان نے اس کے لیے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمان یے۔ لو۔ اے۔ حائی تھا جو چنگیز خان کے ختیائی وزیر یے۔ لو۔ چوت سائی کے خاندان کا فرد تھا۔ بوڑھا راہب اس کے بعد سمرقند لوٹ آیا لیکن اس کے بعد وہ چنگیز کی اگلی پیش قدمی میں اس کے ساتھ رہا۔ چنگیز کی خواہش تھی کہ چینگ چن اس کے ساتھ اس کے وطن منگولیا واپسی کے سفر میں ساتھ رہے لیکن استاد نے اس سے چین واپسی کی اجازت چاہی کیونکہ اس نے دوستوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین سال بعد لوٹ آئے گا۔

قبل اس کے کہ چین کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوتا، بوڑھے راہب کو ایک موقع ملا کہ چنگیز تک اپنی ایک نصیحت پہنچا دے، یہ نصیحت سے زیادہ مشورہ تھا جس میں چنگیز کو اپنا خیال اور دیکھ بھال کرنے کا کہا گیا تھا۔ مارچ 1223ء میں ایک شکار کے دوران، چنگیز نے ایک ریچھ کا نشانہ لیا لیکن اسی لمحے اس کا گھوڑا بدک گیا اور فاتح عالم زمین پر گر پڑا۔ ریچھ جو زخمی ہو چکا تھا، ساکن کھڑا رہا اور چنگیز پر حملہ نہ کیا حتیٰ کہ چنگیز کے محافظین نے آگے بڑھ کر اپنے آقا کو سہارا دیا اور اٹھنے میں مدد دی۔ بوڑھے راہب نے دراصل اس واقعہ کی بنیاد پر چنگیز کو بتانے کی کوشش کی کہ زندگی بہت قیمتی ہے اور اسے اس قدر زیادہ شکار نہیں کھیلنا چاہیے۔ چنگیز منگول طرزِ زندگی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس نے تسلیم کیا کہ استاد ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن منگول گھڑسواری کرنا اور تیر کمان چلانا بچپن سے سیکھ جاتے ہیں اور یہ عادتیں چھوڑنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ اس نے چینگ چن سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی نصیحت کو ذہن میں رکھے گا۔

اپریل 1223ء میں چینگ چن نے آخر کار رخصت کی اجازت چاہی۔ واپسی کا راستہ بھی کم و بیش ویسا ہی تھا جیسا آتے وقت تھا۔ جنوری 1224ء میں یہ کمپنی پیکنگ پہنچ گئی یعنی تقریباً آٹھ ماہ میں۔ پانچ ماہ بعد تاؤ استاد کو چنگیز خان کا ایک پیغام ملا کہ وہ اپنے پرانے دوست کو نہیں بھولا اور خاقانِ اعظم کو امید ہے کہ تاؤ استاد بھی اسے نہیں بھولا ہوگا۔ چینگ چن کا انتقال 1222ء میں ہوا اور اسی سال چنگیز خان کا بھی انتقال ہو گیا، اقوامِ عالم کو شکست دینے کے بعد موت کو شکست دینے کی اس کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

منگول شہہ سواروں کی دہشت

جیبی کی طرف سے چنگیز خان کے دربار میں کاکس کے راستے واپسی کی اجازت کے لیے پیغام بھیجا گیا تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔ اسی دوران جیبی نویان نے سوبیدائی کے ساتھ مل کر عراق، عجم اور آذربائیجان میں تباہی و بربادی کا کھیل کھیلا۔ تباہی سے دوچار ہونے والا پہلا شہر رے تھا، شہر کو بڑی بے رحمی سے برباد کر دیا گیا اور آبادی جزوی طور پر قتل کر دی گئی۔ یہاں سنیوں کی طرف سے اکسائے جانے پر انھوں نے شیعہ کے بڑے مرکز قم شہر پر بلہ بول دیا اور اسے زبردست نقصان پہنچایا۔ سنیوں کی خوشی عارضی تھی کیونکہ اب وہ مغلوں کا اگلا شکار بننے والے تھے۔ اہل ہمدان نے کسی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ انھوں نے تاوانِ جنگ کی صورت میں ایک زر کثیر منگولوں کو دے کر جان بچائی اور شہر کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اس کے بعد زنجان اور پھر قزوین کی باری آئی۔ دونوں شہر لوٹ کر تباہ کر دیے گئے اور اہل شہر کو انتہائی ظالمانہ اقدامات کے نتیجے میں شدید

نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔

آذربائیجان کے اتابیگ ازبک نے جو تبریز میں رہائش پذیر تھا، حملہ آوروں کو کثیر مال، دولت، کپڑے اور بڑی تعداد میں گھوڑے دے کر اپنے شہر کو امان دلوائی۔ منگولوں کو اہل آذربائیجان کی طرف سے بغیر کسی تردد اور محنت کے اتنی رسد کا مل جانا بھا گیا۔ اس دور کی جنگی صورتِ حال میں جہاں خاک اور خون کے بعد ہی خزانوں تک پہنچا جاتا تھا، اس قدر آسانی سے کثیر رسد کے مل جانے سے منگولوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا، وہ کئی مرتبہ تبریز آدھمکے اور کثیر رسد حاصل کی۔

تبریز سے جیبی اور سوبیدائی شمال کی طرف گھوڑے دوڑاتے چلے گئے۔ ان کا ارادہ آنے والے موسم سرما کو مگن کے میدانی علاقوں میں گزارنے کا تھا۔ اس علاقے میں جنوری کا مہینہ غیر معمولی طور پر نرم ہوتا تھا۔ جب وہ قیام پذیر تھے، کرد اور ترکمان خانہ بدوش قبائل اردگرد کی پہاڑیوں سے اتر کر آئے اور انھیں اپنی فوجی خدمات پیش کیں۔ ان کی حیثیت آوارہ گردوں سے زیادہ نہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس سے بہتر کیا کام کر سکتے ہیں کہ وہ منگول فوجوں میں شامل ہو جائیں۔ مگن میدانوں میں جیبی اور سوبیدائی کی توجہ کہیں اور ہی تھی۔ سال 1221ء کے جنوری اور فروری میں، انھوں نے جارجیا کی سلطنت کی طرف مارچ کیا اور پٹرولنگ کرتے ہوئے کرا دریا کے پار جارجیا کے علاقے میں داخل ہو گئے ان کا ارادہ اس ملک پر حملہ کرنا اور اسے تباہ کرنا نہ تھا۔ کرد اور ترکمان جوان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، ان کو ہراول دستے کے طور پر رکھا گیا تھا۔ اپنے وطن کے دفاع کے لیے کنگ جارج سوئم (1212-23) دس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ منگولوں کے مقابلے کے لیے نکلا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا طفلس (تبلیسی) کے جنوب میں ہوا جہاں سے منگولوں کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ جیبی اور سوبیدائی پیچھے ہٹے اور جارجین لشکر پر مسلسل چھوٹے بڑے حملے کر کے انھیں تھکا دیا اس کے بعد منگولوں نے بڑا حملہ داغا اور تھکے دشمن پر شرم ناک شکست کو گرم پانی کی طرح انڈیل دیا۔

مارچ 1221ء میں یہ دو منگول جرنیل آذربائیجان واپس چلے گئے۔ اپنے مخصوص انداز میں انھوں نے مراگھا (Maragheh) کا محاصرہ کر لیا اور اپنے ساتھ لائے قیدیوں کو دشمن کی توپوں کی خوراک کے طور پر اپنے سامنے صف آرا کر لیا۔ مہینے کے اختتام پر وہ شہر میں داخل ہوئے اور ایک کثیر آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جیبی اور سوبیدائی نے بغداد جانے کی منصوبہ بندی کی تا کہ عباسی خلیفہ کو جکڑ کر اس سے خوب مال اکٹھا کیا جا سکے اگر ایسا ہو جاتا تو خلیفہ کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ ہوتا کیونکہ اس کی فوج کا ایک حصہ عراق کے شمال میں تھا اور اس کے پاس جو فوج تھی وہ اس قابل نہ تھی کہ منگولوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس سے قبل صلیبیوں نے ڈیمیٹیا حاصل کرنے کے بعد ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ بہرحال آزمائش خلیفہ بغداد کو چھو کر گزر گئی اور جیبی اور سوبیدائی ہمدان کی طرف مڑ گئے لیکن اس مرتبہ ہمدان نے بغیر مزاحمت کے ہتھیار نہ ڈالے۔ اہل ہمدان کچھ یوں جم کر لڑے کہ منگولوں کو محاصرہ اٹھانے کے بارے میں سوچنا پڑ گیا، منگول لشکر کو بھاری جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا لیکن کامیاب جنگی حکمت عملی اور فوجی برتری کی بدولت میدان آخرکار منگولوں کے ہاتھ رہا، شہر ان کے سامنے ڈھیر ہو گیا اور آبادی پر ایک خوفناک وقت آن پہنچا جو سامنے آیا مٹا دیا گیا جو باقی بچا اسے آگ لگا دی گئی۔

منگول دست برد کا اگلا نشانہ اردابیل تھا جہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کے بعد وہ 1221ء کے موسم خزاں میں جارجیا کی طرف واپس لوٹے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک مضبوط جارجین فوج ٹفلس کے نواح میں لڑائی کے لیے تیار کھڑی ہے۔ نومبر 1221ء میں وہ دریا عبور کر کے اس چھوٹی سی عیسائی ریاست میں داخل ہو گئے۔ بہادر جارجین شہہ سواروں نے بڑھ کر منگولوں کو روکا۔ جارجین کے ساتھ پہلی مڈبھیر کے بعد سوبیدائی نے جنگی چال چلی اور یوں پلٹا جیسے بھاگ رہا ہو۔ جارجین جو منگولوں کی جنگی ٹیکنیک سے ناواقف ہوں گے یا انھوں نے ان کے طریقہ جنگ کو سنجیدگی یا باریک بینی سے نہ دیکھا ہوگا، اس دھوکے میں آ گئے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب خوارزم پر منگولوں کے حملے کی خبریں یورپ تک پہنچ رہی تھیں لیکن یہ خبریں ملک جارجیہ کے شہر ٹفلس تک محدود تھیں۔ ٹفلس تبریز کا سرحدی ہمسایہ شہر تھا۔ دراصل یہ خبریں کچھ انداز میں پہنچ رہی تھیں کہ منگول ٹکڑیوں میں بٹ کر محمد شاہ اور پھر جلال الدین خوارزمی کا پیچھا کرتی پھر رہی تھیں۔ یہ خبریں کسی بڑے معرکے کا پتہ دینے سے قاصر تھیں اور حقیقتاً کوئی بڑا معرکہ ہوا بھی نہیں تھا۔ چنانچہ یہ خبریں یورپ پر کچھ خاص اثر (Impact) نہ ڈال سکیں۔ جارجیہ پر عیسائی بادشاہ شاہ جارج چہارم کی حکومت تھی۔ جب تبریز کے حاکم اتابیگ نے منگول محاصرے کے دوران جارج چہارم کو مدد کی درخواست کی تو جارج چہارم نے صاف انکار کر دیا۔ اس پالیسی سے جارج چہارم کا مطمع نظر منگولوں کو اپنی سرحد سے دور رکھنا اور منگول مسلم ٹکراؤ میں کودنے سے اجتناب کرنا اور لاتعلق رہنا نظر آتا ہے۔ جارج چہارم کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ جب تک منگول اس کے ملک پر باقاعدہ حملہ نہ کریں، عیسائیوں کو حملے میں پہل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ سمجھ رہے تھے کہ مغل لوٹ مار کر کے صحرائے گوبی واپس لوٹ جائیں گے۔ بادشاہ اپنی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کے اعتبار سے ہوشیار اور چالاک تھا لیکن عیش و عشرت اس کی کمزوری تھی۔

اس سیاسی پس منظر میں ہی ایک دن ہرکاروں نے اطلاع دی کہ بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک وحشی منگول لشکر راستے میں کھیتیاں تباہ کرتا اور لوٹ مار کرتے ہوئے کیورا دریا کی سمت سے ٹفلس شہر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس خبر نے بادشاہ کے عیش و عشرت بھلا دی اور وہ ستر ہزار فوج کے ساتھ منگولوں کا سامنا کرنے کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ دراصل قاصد جس منگول فوج کی آمد کی خبر لائے تھے، وہ چڑھائی کرنے والی مغل فوج نہ تھی بلکہ جیبی نوین اور سوبیدائی کی زیر کمان وہ لشکر تھا جو اس راستے سے ہوتا ہوا روس کی طرف جا رہا تھا۔ اتفاقاً یہ راستہ جارجیہ کی حکومت کا علاقہ تھا۔ اگر شاہ جارجیا نے ملنے والی اطلاعات کی تصدیق کروالی ہوتی اور منگولوں کی حکمت عملی (War strategy) کا خفیہ ذرائع سے پتہ کروالیتا تو یہ اتفاقی حادثہ ایک خوفناک جنگ کی صورت میں سامنے نہ آتا۔ بہرکیف جارج چہارم اپنے لشکر کے ساتھ پورے جوش و خروش سے منگولوں کے مقابلے پر آیا۔ صلیبی جنگوں نے جارجیوں کے ہتھیاروں کا زنگ اتار دیا تھا۔ جارجیوں کی لشکری تنظیم میں گھڑ سوار دستوں کی تعداد پیدل فوج کی نسبت زیادہ تھی۔ خومان کے میدان میں جہاں دریا برویوج اور دریا کیوارہ کا ملاپ ہوتا تھا۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ منگول جارجین گھڑ سوار دستوں کے زوردار حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب جنگ کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ منگول آگے آگے اور جارجین ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ دونوں افواج اس قدر دوڑیں کہ دونوں اطراف کے گھوڑوں کا دم پھول گیا بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ ابھی گرے اُدھر بچے کھچے منگولوں نے جو اس دوڑ سے باہر تھے۔ انھوں نے آگ پھینکنے والے بانسوں کی مدد سے جارجین لشکر کو ادھر اُدھر بکھیڑ دیا۔ یہ ان کی بڑی کامیابی تھی۔ جارجین کو کامیابی اسی بات میں تھی

کہ اپنے بڑے لشکر کو مجتمع رکھتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ بھاگتے منگولوں نے جب یہ دیکھا کہ جارجین لشکر بکھر گیا ہے، انھوں نے پینترا بدلہ اور ایک طے شدہ منصوبے کے تحت یکدم رک گئی اور اس انداز میں پلٹے کہ تھکے ماندے گھوڑے چھوڑ کر تازہ بہ تازہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے جو اسی مقصد کے لیے وہاں کھڑے کیے گئے تھے۔ دوسری طرف جارجین گھوڑے بری طرح تھک ہار کر یورش کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ اس تھکاوٹ کی بدولت ان کے پاس دوبارہ یکجا ہونا اور منگولوں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا، مغلوں نے جارجین تیروں کی بارش سے بچنے کے لیے اس دفاعی لائن کو آگے رکھا جن کے پاس بڑی بڑی ڈھالیں تھیں۔ اس حکمت عملی کی کامیابی کے بعد وہ گاودم کی شکل بناتے جارجین فوج میں گھس گئے اور بادشاہ اور اس کے محافظ دستوں سے ہٹ کر جو سامنے آیا، قتل کر ڈالا۔ منگولوں کے نوک دار بھالوں نے جارجین گھڑ سواروں کو بہت نقصان پہنچایا اور ان کے گھوڑوں کو کچوکے لگا لگا کر انھیں بے حال کر دیا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اب منگول بڑی شاہراہ پر تھے اور شاہراہ کے اردگرد نصب توپوں کے چلانے والے ان کی زد میں تھے۔ توپچیوں کے سراڑا دینے کا فائدہ یہ ہوا کہ جارجیوں کو کمک نہ پہنچ سکی اور جو پہنچی بھی وہ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ جارج چہارم یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دستوں کے ساتھ پیچھے کی بھاگا اور بھاگ کر شہر کی فصیل میں چھپ گیا۔ اہل شہر کے لیے منادی کرا دی گئی کہ وہ شہر کی فصیلوں کو مضبوط کریں اور ان کی حفاظت کریں۔

جب منگول ڈویژن سوبیدائی اور جیبی نویان کی مشترکہ کمان تلے کاکس کے پہاڑی سلسلے میں راستہ تلاش کر رہا تھا، ان کا مقابلہ عیسائی جارجین کے ایک لشکر جرار سے ہوا۔ انھوں نے اس لشکر کو شکست فاش دی۔ روسوڈان، جارجین کی ملکہ نے آنی کے بشپ ڈیوڈ کے ہاتھ ایک مراسلہ پوپ کو بھیجا جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ منگولوں نے اپنے دستوں کے آگے جو پھریرا لہرا رکھا تھا اس پر صلیب کا نشان تھا جس سے جارجین کو یہ دھوکہ ہوا کہ منگول عیسائی ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ دوبارہ لائینز (Liegnitz) کے مقام پر پیش آیا۔ پولینڈ کے اخبارات لکھتے ہیں کہ منگول پھریرے پر علامتی نشان یونانی حرف "X" کی طرح تھا۔ ایک تاریخ دان لکھتا ہے کہ منگولوں کی طرف سے ایسا کرنا صلیب کا مذاق اڑانے کے لیے شمان کا ایک حربہ ہو سکتا ہے اور علامتی نشان بھینس کی ٹانگ کی ہڈیوں کو موڑ کر بنایا گیا ہو۔ یہ ہڈیاں شمان اپنے مراقبوں میں اکثر استعمال کرتے تھے۔ اس علامتی نشان کی دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کرنے کے لیے دھوئیں کے بادل مخصوص ڈبوں میں بند کیے گئے ہوتے تھے۔ پھریرے کے ساتھ ساتھ لمبے جبا پہنے افراد ان ڈبوں کے منہ بوقت ضرورت کھول دیتے تھے جس سے علامتی نشان "X" کے گرد دھوئیں کے بادل چھا جاتے۔

یہ خیال زیادہ قابل قبول نہیں کہ منگول ارخوان جیسے ماہر اور ذہین جرنیل دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے آگے صلیب کی علامت استعمال کریں۔ یہ ممکن ہے کہ نیسٹورین عیسائی جو منگول لشکر کا ایک حصہ تھے، شاید انھوں نے صلیب اٹھا رکھی ہو اور یہی راہب لائینز کے مقام پر بھی اسی طرح نظر آئے ہوں۔

جارج چہارم نے تیز رفتار پیروکاروں کے ذریعے اپنی سلطنت کے کونے کونے میں یہ پیغام پہنچا دیا کہ منگولوں سے فیصلہ کن جنگ کے لیے تازہ بھرتی کی ضرورت ہے۔ خبروں کی تیز رفتار ترسیل پر مامور ہرکارے سلطنت میں ہر سو پھیلا دیے گئے تا کہ وہ حملہ آوروں کے بارے میں

بروقت خبریں پہنچائیں۔ دوہفتوں کے بعد انھوں نے اطلاع دی کہ منگول واپس چلے گئے ہیں۔منگولوں کی اس طرح واپسی کا جارجین نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنی قوم کو یہ بتایا کہ چونکہ انھوں نے منگولوں کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا اس لیے انھوں نے بہتری اسی میں سمجھی کہ چپکے سے نکل جائیں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ انھیں شکست فاش ہوئی تھی۔منگولوں نے ان کے لشکر کی چولیں ہلا دی تھیں اور جارجین کی کوئی جنگی حکمت عملی کارگر ثابت نہ ہو سکی تھی۔ دوسری طرف منگول اپنی جنگی برتری میں حسب روایت تھے، ان کی جنگی حکمت عملی (War Strategy)، جنگی چالیں (War Tactics) اور جنگی ہتھیار (آگ پھینکنے والے لمبے لمبے بانس اور منجنیقیں'' ان کا طرہ امتیاز (Competitive Advantage) تھا۔منگولوں کی جارجیا، تفلس پر چڑھائی کو اگر اتفاقی حادثہ قرار نہ دیں تو تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ منگولوں کی منزل تو روس (Russia) تھا اور ان کے پاس لشکر بھی زیادہ بڑا نہ تھا۔یہ ممکن ہے کہ انھیں جارجیا کے مال وزر نے کشش (Attract) کیا ہو چونکہ انھیں یہاں سے اتنا کچھ مل سکتا تھا جو راستے بھر کی لوٹ مار کا کئی گنا ہوتا۔لیکن اگر اس خیال کو آگے بڑھایا جائے تو پھر انھوں نے شہر کا محاصرہ کیوں نہ کیا، اگر ان کے پاس طاقت کی کمی تھی تو وہ خراج اور تاوان وصول کر کے بھی جا سکتے تھے اور یہ بات قرین قیاس بھی نہیں کہ جارجین کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ اس معرکے کی وجوہات کچھ بھی رہیں ہوں۔ دونوں متحارب قوموں کو اس معرکے سے کچھ حاصل نہ ہوا ما سوائے ایک دوسرے کی طاقت کا اندازہ ہو گیا۔مذکورہ منگول جرنیل تو ین جیبی اور سوبیدائی ایک مرتبہ پھر میدانِ جنگ میں اپنا لوہا منوانے میں کامیاب رہے لیکن سیاسی طور پر وہ اس مہم کو کوئی اختتام نہ دے سکے۔اس سے یہ تجزیہ کرنا آسان ہے کہ اس معرکے کے لیے ان کے پاس چنگیز خان کی طرف سے کوئی احکامات نہ تھے۔چونکہ اگر ان کے پاس خاقان کا حکم ہوتا تو ساتھ ایک مکمل پالیسی بھی ہوتی اور وہ مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچائے بغیر چھوڑنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔البتہ اس مہم سے ان دونوں جرنیلوں نے یہ سبق سیکھا کہ آئندہ وہ طے شدہ راستے کے اندر آنے والے قلعوں اور شہروں کو تاراج کریں گے اور راستے سے ہٹ کر کسی مہم سے اجتناب کریں گے کیونکہ اس سے ان کے جنگی اور انسانی وسائل کا نقصان ہوتا ہے۔جرمن تاریخ میں ہٹلر کا ارادہ فرانس پر قبضہ کرنے کا تھا جس کے لیے وہ بلجیئم کے راستے شارٹ کٹ کرنا چاہتا تھا لیکن بلجیئم کی مزاحمت پر ہٹلر نے باقاعدہ اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

تفلس سے واپسی پر مغل مراگھا (Maraghah) اور ہمدان (Hamadan) رکے اور لوٹ مار کرنے کے بعد کورہ دریا کے کنارے قائم منگول فوجی کیمپ کی طرف لوٹ گئے۔ان دو شہروں میں لوٹ مار کا مقصد تفلس میں پہنچنے والا مالی نقصان کی تلافی کرنا اور خزانے کو مضبوط کرنا تھا۔اس زمانے کے ورلڈ آرڈر کی رو سے وہی قوم طاقتور تصور ہوتی تھی جس کا خزانہ بھرا ہوتا ہے۔بہر حال یہ تصور تو آج کی جدید زندگی کا بھی خاصہ ہے۔

جاڑے کا موسم سر پر تھا۔اس موسم میں کسی بھی فوج کے لیے مہم جوئی کرنا مشکل ہوتا تھا۔موسم سرما کی یخ بستہ راتوں میں گرم کھالوں سے ملنے والی حرارت کا مزہ لوٹنے کے بعد وہ واپس پلٹے لیکن اس بار وہ جارجیا کے مشرق سے ساحلی علاقے کی پٹی کے ساتھ ساتھ چنگارتے ہوئے دربند (Darband) شہر کی طرف بڑھے۔

جغرافیائی اعتبار سے یہ شہر کے کس پہاڑی سلسلے اور کیسپیں سمندر کے درمیان نہایت اہم جگہ واقع تھا۔ یہ شہر ایک خوبصورت اور طاقتور شہر تھا۔پچھلی مہم کے برعکس یہ مہم ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت عمل میں لائی گئی تھی۔اس مہم کا بنیادی مقصد روس کی جنگی مہم کے لیے معلومات اکٹھی کرنا تھا۔

اس ایکشن کے لیے رازداری برتی گئی تھی۔اس مقصد کے لیےشہری آبادیوں سے ہٹ کر سمندر کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ سفر کیا گیا تھا لیکن چونکہ جارج چہارم سابقہ معرکے کے زخم چاٹ رہا تھا اور چوکنا تھا۔وہ قلعے میں مقیم لشکر کو لے کر منگولوں کے مقابلے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔جارج چہارم کی اس جارحانہ پالیسی کی وجہ بظاہر نظر نہیں آئی ماسوائے وہ عیسائی دنیا میں اپنے جارحانہ مقام کو برقرار رکھنا چاہتا تھا اور شکست خوردہ کی چھاپ سے بچنا چاہتا تھا منگولوں کو جارج چہارم کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔سوبیدائی جس کو جنرل سوبیدائی کہنا بے جا نہ ہوگا۔ایک حکمت عملی کے تحت، جارج کی آمد سے قبل ہی اس کی راہ سے ہٹ کر ایک درے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔یہ ایک طرح کا کیموفلاج (Camu flauge) تھا۔اس زمانے کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے مغل جنگی چالیں آج کل کی ہائی ٹیک (Hi-tech) برتری کی مانند ہیں۔دوسری طرف نوین جیبی اپنی جنگی پوزیشن پر اپنے پانچ ہزار کے دستے کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔اس مڈبھیڑ میں پہلا فائدہ (Advantage) جو جارجیوں کو ملا وہ منگول تیروں کی بارش سے بچ جانا تھا کیونکہ دونوں کے درمیان فاصلہ کم تھا اور تیروں کو موثر بنانے کے لیے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔جنرل سوبیدائی اس کے عقب سے باز کی جھپٹا اور فوج کے ایک بازو کو روندتا چلا گیا۔وہ اس سرعت سے لپکا تھا کہ جارجیوں کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اور وہ گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے صرف جارج چہارم اور اس کا محافظ دستہ پیچھے ہونے کے سبب اس ریلے میں محفوظ رہے۔بے خوفی اور بہادری کے اس ملاپ نے ہی منگولوں کو غیر اقوام پر فتح دلائی۔فرنٹ سے نوین جیبی جارج کے لشکر میں گھس گیا تھا۔تمام فوج موت کی وادی میں دھکیل دی گئی۔

اس معرکے کے بعد دربند شہر منگول گھوڑوں کے سموں تلے تھا۔وہاں لوٹ مار کرنے کے بعد اور سونا چاندی قبضے میں کر کے لدے پھندے مغل شیروان کے مقام پر پہنچے۔یہاں کے قلعے دار کا نام شاہ رشید تھا۔مغل دہشت اور بربریت کی خبریں مغلوں کی آمد سے قبل ہی یہاں پہنچ چکی تھی۔اہل شہر اور سب سے بڑھ کر ان کے حاکم شاہ رشید کی اخلاقی جرات ختم ہو چکی تھی۔جنگیں انسان نہیں ان کے جذبے لڑتے ہیں۔شیروان کے باسی دفاعی حکمت عملی کے متلاشی تھے۔دوسری جانب منگول پالیسی ساز جانتے تھے کہ ان کے سامنے کاکسس کا پہاڑی سلسلہ ہے جو منگولوں کے حوصلے اور جذبے سے بڑھ کر تو نہیں لیکن اسے عبور کرتے کرتے موسم سرما انھیں آلے گا اور پہاڑوں میں موسم سرما کا مقصد ہے رگوں میں خون کی گردش جامد اور موت کا اندھیرا۔جب اہل شیروان کی طرف سے امن کی خواہش کا اظہار کیا گیا جس کے بدلے منگولوں کو مال و دولت کی پیش کش کی گئی، ان کے گھوڑوں کو چارہ مہیا کیا جانا تھا، ساتھ ہی آگے کے سفر کی رہنمائی کے لیے تجربہ کار گائیڈ فراہم کرنے کی پیش کش کی گئی۔چنانچہ مغلوں نے شہر کو امان دے دی۔شاہ شیروان اور اہل شہر کی جاں بخشی کر دی گئی، قلعے کو منگول روایت کے برعکس مسمار نہ کیا گیا اور اس کی فوج کو سلامت رہنے دیا گیا۔اس معاہدے کی حد تک منگول شاہ شیروان کے ساتھ فیئر (Fair) تھے لیکن شاہ رشید کے ارادے کچھ اور تھے۔گائیڈ فراہم کرنے کی آڑ میں وہ مغلوں کو غلط راستے پر ڈالنا چاہتا تھا تا کہ وہ پہاڑوں کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اور تلخ موسم کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن جائیں کیونکہ سخت اور ظالم موسم سرما آنے والا تھا۔جنرل سوبیدائی نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیل رکھی تھیں کہ اپنے گھوڑے کی باگ دشمن کے ہاتھ میں دے دیتا۔اس نے ساتھ چلنے والے گائیڈوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کا سر تن سے جدا کر دیا تا کہ اس کی تلوار کی ہیبت باقی گائیڈوں کے مزاج کو قابو میں رکھے۔لیکن اس عمل کا ردعمل اُلٹ ہی نکلا۔گائیڈز کو یہ خیال آیا کہ منگولوں کو شارٹ کٹ بتائیں یا لانگ کٹ ان کا اختتام تلوار پر ہی ہوگا۔اس خیال کے تحت انھوں

نے مغلوں کو ایسے ایسے تنگ دروں سے گزارا جہاں سے صرف گھوڑے ہی گزر سکتے تھے۔ توپیں اور چھکڑے تو ہرگز نہیں آگے بڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایسی ہر بڑی مشین یا گاڑی پہاڑی کھڈوں میں جا گریں جن پر لدا راشن پانی بھی ضائع ہو گیا جو راشن بطور نان ونفقہ ساتھ تھا وہ ختم ہونا شروع ہو گیا۔ راستے میں برف باری کی مصیبت نے آن گھیرا۔ ایسے حالات کا وہ لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جو پہاڑوں اور ان میں سفر کرنے سے وابستہ مشکلات کو سمجھتے ہوں۔ بہرکیف جیسی مصیبتیں اور صعوبتیں منگول لشکر نے برداشت کیں۔ آج کی فوجیں ہوتیں تو اکثریت لقمہ اجل بن جاتی اور جو باقی بچ جاتے وہ ہسپتالوں میں پڑے ہوتے۔ منگول تو پہاڑوں میں میدانی علاقوں کا راستہ تلاش کر رہے تھے جبکہ دوسری طرف شاہ رشید نے پہاڑوں کے اس پار جاسوس روانہ کر دیے تھے تاکہ اگر منگول بچ کر میدانی علاقوں تک پہنچ بھی گئے تو ان کا استقبال کرنے کے لیے لشکر موجود ہوں جو اس تھکی ماندی فوج پر ٹوٹ پڑیں اور منگول خطرے سے محفوظ ہو جائیں۔ تاریخ کے اس موڑ پر آگے بڑھنے سے قبل جارج چہارم پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔ مغلوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد رسوائی اس کا مقدر ٹھہری۔ جارجیہ ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا وہاں کھنڈرات کے سوا کچھ نہ تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنے پیچھے ایک ناجائز بچے کو چھوڑا تھا۔ جارج چہارم کے بعد اس کے بیٹے ڈیوڈ اور اس کی بہن رسوداں نے عنانِ اقتدار سنبھالی۔ رسوداں اپنے بھائی کی طرح ایک نااہل اور اخلاق سے گری عورت تھی، اس میں جارجیا کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی چنداں صلاحیت نہ تھی۔ جارجیہ اب ویسی ریاست نہ رہی تھی جو صلیبی جنگوں کے لیے افرادی قوت فراہم کرتی تھی بلکہ اس عورت نے پوپ کو خط لکھ کر معذرت کر لی کہ وہ اب صلیبی جنگوں کے لیے سپاہ فراہم نہیں کر سکتی اور تاتاریوں سے جنگ کے بعد صلیب برداری کے قابل نہ رہے تھے۔

دوسری طرف مغل فوج یخ بستہ ہواؤں اور برفانی تھپیڑوں سے لڑتی جھگڑتی برف پوش پہاڑوں میں آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اچانک انھیں برف پر چلتے چلتے سخت زمین ہونے کا احساس ہوا، امکان پیدا ہو گیا کہ برفانی میدان ختم ہونے کو ہیں۔ جلد ہی خوابوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا اور وہ برفانی پگڈنڈیوں میں سے ہوتے ہوئے ایک کھلے میدان میں آن نکلے۔ یہاں شاہ رشید کا بچھایا جال ان کے سامنے تھے۔ رشید کے جاسوسوں نے علاقے کے کیومانوں کو منگول آمد کی اطلاع پہنچا دی تھی، کیومانوں کا گزر بسر بھی لوٹ مار پر تھا، ان کے لیے منگول لشکر کی آمد کا مطلب مالِ غنیمت کا حصول اور علاقے میں کیومانوں کی حاکمیت برقرار رکھنے کا ایک موقع تھا کیومانوں نے علاقے کے تمام قبائل کو ساتھ ملا لیا اور میدان میں پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے۔ سفر کی سختیاں سہتے سہتے جب بے جان اور نیم مردہ منگول پہاڑوں سے نیچے اترے تو میدانی علاقے کو پا کر انھیں جو خوشی میسر آئی تھی وہ اس وقت کافور ہو گئی جب انھوں نے ایک لشکر جرار کو اپنا انتظار کرتے پایا۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ منگولوں کے پیچھے پہاڑ تھے اور سامنے دشمن تھے ان کے لیے بنیادی نقطہ یہ تھا کہ جنگ سے بچا جائے کیونکہ فوج کافی تھکی ہوئی تھی اور اس حالت میں جنگ لڑنا خودکشی ہوتی نیز فوج کو بکھیرنے کے لیے ان کے پاس کافی جگہ نہ تھی۔ ان حالات میں منگول جرنیلوں سوبیدائی بہادر اور نوین جیبی نے پیچھے ہٹ کر پہاڑوں میں پناہ لینے کی ترکیب کی۔ کیونکہ اگر وہ لڑنے کا قصد بھی کرتے تو ان کے پاس لڑائی کے لیے کوئی جنگی پوزیشن نہ تھی اور انھیں مخالف فریق کی مرضی تلے لڑنا پڑتا جو قرین مصلحت نہ ہوتا۔ مزید براں اس تنگ لوکیشن پر بھاری فوج کو بکھیرنا ناممکن تھا۔ ان حالات میں انھوں نے پہاڑوں کو ڈھال بنا لیا۔ کیومنز نے بدلتے حالات کے مطابق اپنی جنگی چالوں میں تبدیلی کی اور منگولوں کا پیچھا نہ کیا۔ اس طرح وہ منگول تیراندازوں کی زد میں آتے تھے اور ان کا جانی

نقصان ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے خیموں کی میخیں گاڑ دیں اور پہاڑی دروں کے راستے کی نگرانی شروع کر دی۔ منگول اب محاصرے کی حالت میں تھے۔ ایک سمت وہ برفیلے پہاڑوں سے نبرد آزما تھے جہاں واپسی کا مطلب موت تھا اور دوسری سمت وہ ایک جارحہ فوج سے متصادم تھے۔ اب یہ لڑائی بلی چوہے کا کھیل بن گیا تھا جس میں منگول چوہوں کی طرح کونوں کھدروں میں چھپنے پر مجبور تھے۔ منگول وحشیوں کو یوں گھیرے میں لیے جانے پر کیومن سپاہ میں کامیابی کے شادیانے بجائے جا رہے تھے ادھر منگول مورال زمین کو چھو رہا تھا۔ آخر ایک صبح ایک منگول قاصد پہاڑوں کی اوٹ سے کیومن فوجوں کے پڑاؤ کی طرف آتا نظر آیا، وہ کیومن شہزادے کے لیے منگولوں کی طرف سے خیر سگالی کا پیغام اور متعدد بیش قیمت تحائف لے کر آیا تھا۔ ان تحائف میں ہزار ہا گھوڑے اور مال و زر شامل تھا۔ ان تحائف نے کیومنوں کی آنکھیں چندھیا ڈالی تھیں لیکن ان کو اتنا اندازہ شاید کبھی نہ تھا کہ تیرویں صدی کی عالمگیر طاقت کو نیچا دکھانے کا انعام انھیں اس قدر زیادہ ملے گا۔ اس دور کی بین الاقوامی سیاست میں کیومنوں کا کردار خانہ بدوش اور صحرائی لٹیروں سے زیادہ نہ تھا۔ کوئی سیاسی کردار نہ ہونے کے سبب کیا منگول، کیا عیسائی اور کیا یہودی کیومنوں کے لیے وہ سب دشمن تھے۔ لیکن منگولوں کے ساتھ ان کی قدرِ مشترک بیابانوں میں بسیرا تھا۔ چنانچہ جب انھوں نے منگولوں کا بھیجا ہوا سونا دیکھا تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور انھوں نے منگولوں کی طرف سے صلح کی پیشکش قبول کر کے ان کے شانہ بشانہ لڑنے کا وعدہ کر لیا۔ اس صلح کے بدلے میں انھیں ڈھیر سارا خزانہ دیا گیا۔ لیکن کیومن اور مغلوں کی شادی یعنی صلح کا معاہدہ ایسا معاہدہ تھا جس میں دونوں ہی فریق نا قابل اعتماد تھے۔ کیومن نا قابل اعتماد تھے، وہ راتوں رات اپنے کیمپوں کو چھوڑ کر نکل گئے۔ جب ایک بڑی اور منظم فوج کا بڑا حصہ ہی ساتھ چھوڑ جائے تو پیچھے گروہ اور جتھے ہی رہ جاتے ہیں۔ کیومن سپاہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ چھوٹی چھوٹی گروہ بندیاں مغلوں کی عظیم طاقت کے سامنے کیونکر ٹھہر سکتی تھیں، اس بکھری اور غیر منظم فوج کو تہہ تیغ کر دیا گیا دوسری طرف کیومن مغلوں سے مال لوٹ کر بھاگے جا رہے تھے۔ گھوڑوں کے جم غفیر اور ان پر لدے خزانے کی وجہ سے ان کا سفر سست روی کا شکار تھا۔ ان کو قطعی اندازہ تھا کہ موت تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ادھر سوبیدائی اور نوین جیبی غصے میں تلملائے برق رفتاری سے منزلوں پر منزلیں مارتے کیومن لٹیروں کے پیچھے تھے آخر ایک مقام پر وہ منگولوں کے قابو آ گئے۔ منگولوں نے اس فوج کو جس نے انھیں محاصرے میں لیا تھا اور ان پر دھاڑے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا، نہ صرف اپنا مال واسباب واپس لیا بلکہ اپنی قومی غیرت اور حمیت کا بھی کامیابی سے دفاع کیا۔ کیومن لشکر کے بگھوڑوں نے جدھر کو جان بچی ادھر کا منہ کیا۔ جان بچانے کی اس دوڑ میں کچھ مغرب کی طرف بھاگ اٹھے کچھ نے جنوبی سمت میں واقع ترک بندرگاہوں میں عافیت تلاش کی۔ منگولوں کے لیے کیومن بھگوڑوں کا پیچھے کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اب ان کے سامنے کوئی اس قدر طاقتور دشمن نہ تھا جو منگولوں کو للکار سکتا۔ یہ وقت ان کی دوررس حکمت عملی مرتب کرنے کا تھا۔ جاڑے کا موسم سر پر تھا، اس موسم سے پہلے وہ اپنے پاس راشن کا وافر ذخیرہ کر لیتے تھے، ان کے گھوڑے آرام کرتے تھے اور سپاہی ہلکی پھلکی ٹریننگ میں مشغول رہتے تھے تاکہ ان کی نقل و حرکت اور رفتار میں مزید بہتری آئے۔ یقیناً یہ جنگی معیار ہی منگولوں کی دوسری اقوام پر جنگی برتری کا آئینہ دار تھا اور بارہویں صدی میں ماسوائے چند بہادروں کے، کسی نے منگولوں کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

روسی سرزمین پر پیش قدمی

سیاسی ماحول کے اس تناظر میں، سوبیدائی اور نوین جیبی نے فیصلہ کیا کہ اب وہ علیحدہ علیحدہ ہوکر بھی اپنے اپنے مشن حاصل کر سکتے ہیں۔ سوبیدائی جنوب مغرب کی سمت ہولیا، اس کے دورے کا مقصد معلوماتی اور مطالعاتی تھا تاکہ وہ اپنی اور دوسری اقوام کا موازنہ کر سکے۔ آزو سمندر (Azov sea) کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ وہ مختلف مغربی ممالک کے تاجروں اور سیاحوں سے ملا، اسے ان سے بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں کیونکہ وہ دور جنگ و جدل سے عبارت تھا اس لیے کہا جا سکا ہے کہ سوبیدائی کا مقصد ایک قسم کا فوجی، معاشی اور معاشرتی سروے کرنا تھا۔ مغربی ممالک کے تاجر، سیاح اور دانشور بھی مغلوں کے بارے میں صرف یہی رائے نہیں رکھتے تھے کہ وہ کیومن کی طرح نیم وحشی اور ڈاکو ہیں جن کا مقصد سوائے لوٹ مار کے اور کچھ نہیں۔ انھیں اندازہ تھا کہ ایک لشکر صرف وحشی پن اور سفاکیت کی بناء پر دنیا فتح نہیں کر سکتا اس کے لیے جس قدر نظم وضبط کی ضرورت ہوتی ہے وہ منگول فوج میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ منگول جرنیل کا مغربی تاجروں سے میل جول (Interaction) اس لحاظ سے بھی سودمند تھا کہ اسے اہل وینس کی نفسیات کا علم ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ کیومن بھگوڑوں کو اہل وینس کے ہاں پناہ نہیں مل سکتی تھی۔ اس سروے کا مقصد مستقبل میں منگولوں کے خلاف کسی ممکنہ اتحاد کی پرورش اور فروغ پر نظر رکھنا تھا۔ سوبیدائی کو مغربی تہذیب وتمدن کا علم ہوا، ان کی جنگی اور اقتصادی صلاحیت کا اندازہ ہوا۔ مذکورہ سروے بارہویں صدی کے ماحول کے اعتبار سے ایک اچھی خاصی پُرحکمت چال تھی وگرنہ اس سے قبل ایسی کوئی مثال نہ تھی، وہ دور مکمل طور پر جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ کہنے کو تو آج اکیسویں صدی میں بھی یہی پاور پالیٹیکس ہی کارفرما نظر آتی ہے۔

المختصر، سوبیدائی اور اہل وینس کے مابین باہمی تعلقات اور خیر سگالی کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ اس معاہدے کا براہِ راست فائدہ اہل وینس کو یہ پہنچا کہ وہ آنے والے پُرفتن دور میں بھی مغل دست، برد سے محفوظ رہے جبکہ مغلوں کے راستے میں آنے والی ہر دوسری تجارتی منڈی فنا کر دی گئی۔ منگولوں کو اس معاہدے سے یہ فائدہ پہنچا کہ ان کے بارے میں دنیا کو بہت سی نئی معلومات ان مغربی تاجروں کی نقل و حرکت کے ذریعے پہنچیں۔ مغرب کے بارے میں سوبیدائی کے ذہن میں جو سوالات تھے اسے ان کا جواب مل چکا تھا لیکن اب اس کا اشتیاق بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ آگے اس کی منزل ملک ہنگری تھا جہاں وہ اس ملک کی فوجی صلاحیت کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ طے یہ ہوا تھا کہ نوین جیبی مغرب کی طرف پلٹے گا اور راستے میں ملنے والے بھگوڑوں کو کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ دونوں لشکر دریائے ڈان کے کنارے دوبارہ آن ملیں گے۔ ہنگری کے سرحدی مضافات میں قیام کے بعد وہ نوین جیبی سے ملنے دریائے ڈان کے کناروں کی طرف بڑھا۔ راستے میں پڑنے والے برف سے بھرے درے کو عبور کیا جو آزون اور بلیک سی سمندروں کو جدا کرتا تھا، اس کے دوسری طرف جینوئیس (Genoese) کی تجارتی منڈی سُدق تھی۔ یہ سولڈئیا (Soldaia) کے مقام پر واقع تھی۔ سوبیدائی نے اپنی فوج کو برفیلے درے پر کام کروا کے سدق سے ملا دیا اس طرح برف اور زمین ایک ہونے سے اٹلی کے باشندوں کو فائدہ پہنچا۔

دریائے ڈان کی اٹھتی موجوں کے کناروں پر دونوں جرنیلوں کی دوبارہ ملاقات ہوئی اور اگلی مہم کے لیے تیاری کا آغاز ہوا۔ تازہ دم

گھوڑوں پر زینیں کسی گئیں۔ خوراک اور راشن پانی لشکر میں تقسیم کیا گیا۔ لشکر میں مزید تقویت کے لیے براڈنکی سپاہ شامل کی گئی جس کی تعداد کم وبیش پانچ ہزار سوار تھی۔ ایسا ایک معاہدے کے تحت عمل میں آیا جو جیبی اور پولسکینیہ سردار براڈنکی کے درمیان تحریر کیا گیا۔ اب ان منگول سواروں کے سامنے کھلے اُجاڑ میدان تھے۔ جہاں وہ کھلے عام گھوڑے دوڑا سکتے تھے، ہر طرف منگول ہی منگول نظر آتے تھے، وہ دریائے ڈائیسٹر تک گھوڑے سرپٹ دوڑاتے گئے جنگ سے قبل یہ ان کی پسندیدہ ریہرسل تھی کیومن بھگوڑے جو علاقے میں موجود تھے پینترا بدل کر جنوب کی جانب سمٹ گئے۔

سن 1222ء کا دور تھا جب منگول لشکر ڈائیسٹر کنارے دندناتا پھر رہا تھا۔ علاقے میں خوف اور دہشت کا عالم تھا۔ منگولوں کے سامنے کوئی حریف نہ تھا لیکن ان کا فوری مقصد علاقے میں فوجی صورتِ حال کا جائزہ لینا اور اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا تھا روز منگول مخبر اور جاسوس علاقے میں پھیل جاتے اور بندے پکڑ کر لے آتے جن سے پوچھ گچھ کی جاتی اور معلومات اکٹھی کی جاتیں۔ یہاں منڈ ریز نے منگولوں کی کافی اعانت کی، یہ وہی منڈ ریز تھے جنھوں نے چینی بادشاہوں کے خلاف خاقانِ اعظم چنگیز خان کا ساتھ دیا تھا۔

منگول افواج کار پاتھینز عبور کرنے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ جب وہ ابھی سولڈ یا میں تھیں خبریں بلیک سی کے اس پار پہنچ چکیں تھیں۔ یورپ میں منگولوں کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں، ان میں جوج ماجوج سے منسوب تاریخی روایت پر مشتمل ایک رپورٹ بھی شامل تھی جس میں تاتاریوں کو جوج ماجوج کے لٹیرے دکھایا گیا تھا یعنی جوج ماجوج کو" تاتار" کہا گیا جس کا مطلب تھا" جہنمی لوگ" فرانس، جرمنی اور انگلینڈ میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ ہنگری کے بادشاہ بیلا نے اپنا نظریہ (Doctrine) دیتے ہوئے کہا کہ" منگولوں کا خروج دہشت گردی کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور ان کا مقصد کوئی عالمگیر بادشاہت کا قیام نہیں۔" چنگیز ازم کا بنیادی فلسفہ زمین پر اپنی حاکمیت اور دھونس کا قیام تھا (Territorial Hagemony) ابھی تک کے بیان کردہ حالات سے ایک اندازہ قائم کرنا زیادہ مشکل نہیں کہ یورپی عیسائی مسلمانوں اور تاتاریوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ خود عیسائیوں کا آپسی اتحاد کوئی فقید المثال نہ تھا کیونکہ منگولوں کے مقابلے میں بیلا چہارم بادشاہ نے کوئی چھ مرتبہ اہل یورپ کو مدد کے لیے پکارا لیکن جواب ندارد!

سوبیدائی انھیں اپنے پیچھے لگائے ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا جہاں جیبی گھات لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر جارجین شکست کھا گئے، اکثریت قتل ہوگئی جو بچے وہ ٹفلس میں پناہ لینے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ منگولوں کا شہر پر قبضے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن انھوں نے جارجیا کے جنوبی حصے میں خوب لوٹ مار کی اس کے بعد وہ اسلامی شیروان کی طرف نکل گئے۔ یہاں انھوں نے چملکا شہر پر قبضہ کر لیا اور شہر میں خوب لوٹ مار کی۔ یہاں سے وہ دربند کے تنگ درے کے ذریعے شمال کی جانب نکل گئے۔

دربند سے آگے کا تاریخی سفر شروع کرنے سے قبل پچھلے واقعات کو تاریخ کے ایک دوسرے زاویے سے ملاحظہ فرمائیں۔

جینی اور سوبیدائی کی مشترکہ افواج کی پھیلائی دہشت کی تاریخ تو انمٹ سیاہی سے رقم کی جا چکی۔ جب انھوں نے 1220ء میں سمرقند کے نزدیک سے اپنی جگہ چھوڑی ہر دو جرنیلوں کی کمان تلے ایک تمان تھا۔ 1221ء کے موسم خزاں تک ان فوجوں کی ہیت ترکیبی میں نقصانات اور دوبارہ بھرتی سے تبدیلی آ چکی تھی۔ اس کے باوجود ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس ہزار لڑاکے نفوسوں سے تجاوز نہ کی تھی۔ کاکس کے غیر موزوں

حالات میں کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی مارچ اور نقل وحرکت نہ کر پاتی جتنا منگول فوج نے کیا علاقہ گہری وادیوں، خراب راستوں اور تنگ دروں پر مشتمل تھا، کسی بھی فوج کے لیے تیز نقل وحمل ممکن نہ تھی۔ یہ جیبی اور سوبیدائی کا کمال تھا کہ وہ اس علاقے سے فوج کو نکال کر لے آئے۔ ان کے دستوں نے دشمن کے علاقے میں مارچ کرتے ہوئے فالتو سامان گرادیا تھا اور کئی مرتبہ مکمل فوجی لباس کے بغیر ہی پریڈ اور مارچ کرتے تھے۔

ساتویں صدی کے آغاز میں خاذر (Khazar) نامی ترک قبیلہ جنوبی روسی میدانوں میں آباد تھا۔ ان کی قائم کردہ ایمپائر کا ہر سو شہرہ تھا لیکن نویں صدی میں اس کی اہمیت کم ہونا شروع ہوگئی تھی خاذر دسویں صدی کے آغاز تک اس کو مستحکم رکھنے میں کامیاب رہے تھے لیکن آخر ترک پیچنیگز کے ہاتھوں نکالے گئے۔ اگوز (Oghuz) نے پیچنیگز کو ایمبا اور ارل دریاؤں کے دوآبے سے نکال باہر کیا۔ ڈان سے مولڈیویا تک کا علاقے اگوز کے زیر تصرف تھا۔ خاذر ڈان، وولگا اور کاکس کے درمیانی علاقے سے نکالے گئے تھے۔ 1030ء تک خاذر ایمپائر کیو شہزادے اور مشرقی رومی سلطنت کے مشترکہ حملوں کے نتیجے میں اپنی رہی سہی طاقت گنوا چکی تھی۔ 1036ء میں کیو شہزادے نے پیچنیگز کو شکست فاش دی، پیچنیگز نے مشرقی رومی سلطنت سے ان علاقوں کے بدلے میں جو اس نے کیو کے ہاتھوں کھوئے تھے، ہرجانے کا مطالبہ کیا۔ بعد میں ہونے والی جنگیں لمبے عرصے پر محیط رہیں۔ ان جنگوں میں مشرقی رومی سلطنت (Byzantium) کی مدد کے لیے چند نئے چہرے منظر پر آئے، یہ کپچاک یا کیومن تھے۔ گیارہویں صدی کے اختتام پر، کیومن نے پیچنیگز کو ڈینوب کی طرف دھکیل دیا۔ 1091ء میں کیومن اور مشرقی رومی سلطنت کے ایک مشترکہ حملے نے پیچنیگز قبیلے کی تعداد کو اس قدر کم کر دیا کہ ان سے کسی کو ڈرنے کی ضرورت نہ رہی۔ کیومن اب جنوبی روس کے بلا حجت مالک تھے۔

تاریخ ان کیومنز یا کپچک کو مختلف ناموں سے جانتی ہے۔ روسی انھیں پلوٹسی (Polovtsy) جبکہ رومی سلطنت میں انھیں کیومانوئی (Ko(u)manoi) پکارا جاتا تھا جہاں سے کیومن نام اخذ کیا گیا۔ کپچک نام بھی انھیں منگولوں کے ہاتھوں پٹنے کے بعد ملا۔ بعد میں مغل کانتے کو کانتے کپچک (دشت کپچک) کا نام دیا گیا۔

جب جیبی اور سوبیدائی اپنی مشترکہ افواج کے ساتھ دربند کے درے سے گزر رہے تھے، کاکس کے شمال میں رہنے والے تین قبائل ایکن، چرکیسی اور لیذ جائنیز ان نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف متحد ہوگئے۔ کیومن نے بھی اس اتحاد میں شمولیت اختیار کی۔ اس اتحاد اور منگولوں کے درمیان پہلی جنگ غیر نتیجہ رہی لیکن دونوں منگول جرنیلوں کا معاملات کو یوں ادھورا چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ خفیہ ڈپلومیسی کے ذریعے انھوں نے کیومن کو آمادہ کرلیا کہ وہ جنگ میں غیر جانبدار رہیں، انھوں نے کیومن کو ترک منگول اتحاد کی یاددہانی کروائی اور وعدہ کیا کہ کاکسین قبیلوں کو شکست کی صورت میں انھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔ جب یہ زیرزمین انتظام مکمل ہوگیا تو جیبی اور سوبیدائی نے ایلن اور ان کے اتحادیوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ مزاحمت جلد ہی دم توڑ گئی۔ اس کے بعد منگول کیومن کی طرف بڑھے اور انھیں بھی روند ڈالا۔ بھاگتے کیومنوں کا شمال مغربی سمت میں پیچھا کیا گیا۔ جو ملے ماردیے گئے جو بچے وہ بھاگ گئے۔

1222ء کے ابتداء میں ایک منگول جماعت کریمیا گئی جہاں جینیشین اور جینوئیز جیسے تجارتی مراکز تھے۔ منگولوں نے بڑی بندرگاہ جینوئیز سولڈیہ میں خوب لوٹ مار کی۔ شکست خوردہ کیومنز کیو اور گیلیچ کی سمت میں بھاگ گئے تھے جہاں سے انھوں نے مدد کے لیے روسی شہزادے سے

درخواست کی۔ روس اس وقت مختلف شہزادوں کے زیر حکومت تھا۔ یہ جنوب سے آگے نہیں تھا بلکہ کیو کے جنوب میں ایک خط مشرق مغرب کو جدا کرتی تھی۔ روسی شہزادے کیومنز کے اتحادی نہ تھے وہ انھیں لٹیروں کے نمائندے قرار دیتے تھے۔ اگر روسی شہزادے کیومن کے ساتھ نہ ملتے تو جیبی اور سوبیدائی روس کو حالت امن میں ہی رہنے دیتے۔

کیومنوں کا سردار کوتیان گلیچ کے ایک طاقتور شہزادے مٹسلو (Mstislav) کا خسر تھا۔ شہزادہ مٹسلو طاقتور کیو سمیت دوسرے شہزادوں کو منگولوں کے خلاف یکجا کرنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ ویلاڈ میر سوزدلیہ کے شہزادے نے بھی مدد کا یقین دلایا لیکن اس کا اپنے حریفوں کے مسائل حل کرنے کے لیے مدد کرنے کا یقینی اور دلی ارادہ نہ تھا چنانچہ اس نے اپنا جواب دینے کے لیے وقت لیا ان روسی شہزادوں نے منگولوں کے خلاف اپنی فوجوں کو متحد کیا کیونکہ روس میں کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ انجانے حملہ آور کہاں سے آئے تھے، کون تھے، ان کی زبان کیا تھی یا وہ کس مذہب کے پیروکار تھے۔

جب منگولوں کو معلوم ہوا کہ روسی شہزادوں نے کیومنوں کی مدد کرنے کی پیش کش کی ہے، انھوں نے دس مترجم بھیج کر روسیوں کو یقین دہانی کروائی کہ ان کے روسیوں کے خلاف کوئی جارحانہ عزائم نہیں ہیں۔ وہ صرف کیومنوں کے خلاف حالت جنگ میں ہیں اور انھوں نے ہی بقول منگول روسیوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا ہے۔ منگولوں کے یہ دس ترجمان جو کسی معاہدے کی تلاش میں بھیجے گئے تھے، موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ چار سال قبل محمد خوارزم شاہ نے ایسے ہی ایک سلوک کی بدولت اپنے سر پر مصیبت مول لے لی تھی۔

ایک روسی فوج جسے کیومنز کی امداد بھی حاصل تھی، کی تعداد تیس ہزار نفوس تھی ان کی توجہ ڈینیپر پر مرکوز تھی۔ روسیوں کو منگولوں پر اگر کوئی برتری حاصل تھی تو وہ عددی برتری اور مقامی حالات کی تھی لیکن یہ حالات منگولوں کے لیے نئے نہ تھے بلکہ وہ ان کے عادی تھے۔ ابتداء میں روسی شہزادوں کے درمیان اس بات پر اختلاف تھا کہ منگولوں کو کس طرح اور کدھر سے قابو کیا جائے۔ کیو اور گلیچ کے شہزادوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے نے روسی دوررس حکمت عملی میں دراڑیں ڈال دیں۔

جیبی اور سوبیدائی جان چکے تھے کہ روسی تعداد میں زیادہ ہیں چنانچہ انھوں نے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا۔ منگولوں کی ایک خفیہ آنکھ روسیوں کی حرکات پر مسلسل نظریں گاڑھے تھی۔ منگول اس قسم کی پسپائی کے ماہر تھے ان کے فوجی یونٹس بھی اس کام کے لیے تجربہ کار اور منظم تھے۔ نو دنوں تک دونوں منگول جرنیل روسیوں سے مڈبھیڑ سے بچنے کے لیے پہلو تہی کرتے رہے اس دوران روسی بھی اپنے سرحد سے دور سے دور ہٹتے گئے۔ ایک مرتبہ پھر منگولوں نے روسیوں کے پاس ایلچی بھیجے جن کے ذریعے دس پرُامن ترجمانوں کے قتل پر احتجاج کیا گیا۔ انھوں نے روسیوں کو ملامت کی کہ وہ بغیر کسی وجہ کے منگولوں کے خلاف جنگ کرنے نکل پڑے ہیں۔ اس موقع پر ایلچی صحیح سلامت واپس لوٹ آئے۔ ایلچی پیغام لے کر آئے کہ روسی اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک منگول فوج جتنا آگے آ چکی تھی اتنا ہی واپس چلی جائے کیونکہ انھیں خطرہ تھا کہ منگول کیومن کے ملک کو فتح کرنے کے بعد ان کی قلمرو پر حملہ کر دیں گے۔

روسیوں اور منگولوں کے درمیان پہلی لڑائی کا نتیجہ روسیوں کے حق میں رہا۔ گلیچ کے شہزادے نے (Volynia) کے شہزادے کی معیت

میں ڈینیپر میں منگول عقبی دستے کو شکست دی۔ گلیچ کا شہزادہ مٹسلو اس کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھنے کا خواہش مند تھا چنانچہ وہ اپنی فوج، وولینزاور کیومنز کو کالکا دریا کے پار لے گیا، یہ دریا آزوو کے سمندر میں گرتا تھا۔ اس نے ایسا دوسرے روسی شہزادوں کو بتائے بغیر کیا۔ وہ غیر ضروری خود اعتمادی کا شکار ہو گیا تھا اور دریا عبور کرتے وقت اس نے حفاظتی تدابیر اختیار نہ کیں۔ کیو کا شہزادہ اپنی باقی روسی فوج کے ساتھ کالکا دریا سے ابھی کچھ فاصلے پر تھا۔ جیبی اور سوبیدائی نے اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا جو انھوں نے مئی 1222ء کے اختتام پر پسپائی کے فرضی طریقے سے شروع کیا تھا، اور پلٹ کر حملہ کیا۔ منگولوں نے خود کو روسیوں اور فلیتکس کے درمیان لا کر کھڑا کر دیا۔ انھوں نے گلیچ کے شہزادے کو دلدلی علاقے میں جا لیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ مخالفوں کے لیے روکنا تقریباً ناممکن تھا۔ کیومن بھاگ کھڑے ہوئے جس سے روسیوں کی صفوں میں پریشانی پھیل گئی۔ گلیچ کے شہزادے نے اپنی پوزیشن کمزور دیکھتے ہوئے جان بچانے ہی میں عافیت جانی۔ وہ کچھ جانثاروں کے ساتھ میدان سے نکل گیا۔ کیومن میں سے محدودے چند ہی بچ پائے۔

کیو کا شہزادہ مٹسلو کالکا کے مغربی کنارے سے دیکھتے ہوئے بھی اپنے ہم نام اور ہم وطن شہزادے کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ گلیچ کی شکست کے بعد، کیو کے شہزادے نے محسوس کیا کہ پسپائی کی صورت میں اس کا حشر بھی گلیچ کے شہزادے جیسا ہو سکتا ہے کیونکہ دشمن انتہائی عیار اور پھرتیلا ہے۔ چنانچہ اس نے خود کو ایک بلند پہاڑی پر قلعہ بند کر لیا لیکن قبل اس کے وہ اپنا دفاع مضبوط کر پاتا، جیبی اور سوبیدائی نے حملہ کر دیا۔ روسیوں نے تین دن تک حملہ آوروں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن کوشش بے سود دیکھ کر محاصرہ زدہ شہزادے نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی کہ اسے اپنی فوجوں کے ساتھ کیو کی طرف جانے کی اجازت دی جائے۔ حسب دستور منگولوں نے اس پیش کش کو مان لیا تاکہ ہتھیار ڈالنے کی رسم جلدی جلدی ہو۔ جیسے ہی روسیوں سے اسلحہ لیا گیا انھیں قتل کر دیا گیا۔ کیو کے شہزادہ مٹسلو اور دوسرے شہزادوں کو اس طرز پر موت کی سزا دی گئی جس طریق پر وہ شاہی شخصیتوں کو دیتے تھے یعنی خون بہائے بغیر انھیں پھانسی دے دی گئی۔ منگولوں نے ان کو اس پلیٹ فارم کے نیچے دفن کیا جس پر منگول اپنی فتح کا جشن مناتے تھے۔

دوسری طرف گلیچ کا شہزادہ اپنی بچی کھچی فوج کی باقیات کے ساتھ ڈینیپر کے پیچھے بحفاظت پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ منگول اس دریا کو پار کر کے دوسری طرف نہ پہنچ پائیں، اس نے زیادہ سے زیادہ جہاز (جتنے وہ تلاش کر سکا) تباہ کر دیے۔ سوزدل ولاڈ امیر کے شہزادے کے ست دستے چرنیگو کی نسبت کالکا کی جنگ میں اس لمحے تک کچھ آگے نہ بڑھ پائے تھے لیکن روسی جس بات سے خوف کھاتے تھے وہ ہوئی ہی نہیں۔ جیبی اور سوبیدائی نے گلیچ کے شہزادے کا تعاقب ضرور کیا لیکن جنوب میں چھوٹے بڑے شہر لوٹنے کے بعد، جو ان کے راستے میں پڑتے گئے، ساریسن (Tsaritsin) کے نزدیک انھوں نے وولگا عبور کیا پھر 1222ء کے اختتام پر وہ شمال مشرقی سمت میں وولگا کاما کے بلگارز کی طرف بڑھے۔ لیکن منگول ترک قبیلے کی طرف سے بچھائے ایک جال میں پھنس کر شکست کھا گئے، ترکوں نے منگولوں کی جنگی حکمت عملی کی طرز پر گھات لگایا تھا۔ نتیجتاً جیبی اور سوبیدائی چنگیز خان کی طرف پلٹ پڑے انھوں نے کیسپین اور آرال کے سمندر کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب کا راستہ اختیار کیا۔ 1223ء میں یہ دوتمان بڑی منگول فوج کے ساتھ دوبارہ مل گئے۔ وہ اکیلے کارروائیوں میں تھک گئے تھے۔ منگول فوج (Syr.Iarya River) کے مشرقی

میدان میں پڑاؤ ڈالے تھی چنگیز خان نے دونوں جرنیلوں کے کارناموں کی خوب تعریف کی۔ جیبی جسے اس مہم کی سپہ سالاری بخشی گئی تھی، کی خاص طور پر پذیرائی کی گئی لیکن سوبیدائی نے بھی اپنے حصے کی عزت و اکرام خوب وصول کی۔ جیبی مزید مہمات سر کرنے کے لیے زندہ نہ رہا۔ یہی وہ شخص تھا جو دنیا کی تاریخ کے گھڑسوار دستوں کا عظیم شہہ سوار جرنیل تھا آخر کار منگول ایمپائر کی کہانی کے منظر سے غائب ہو گیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ 1223ء یا تھوڑے عرصے بعد مر گیا۔ سوبیدائی بدستور پھیلتی ہوئی مغل ایمپائر کے لیے اپنی خدمات ایک چوتھائی صدی تک سرانجام دیتا رہا۔

سلطان محمد دوئم یعنی سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا تعاقب اور کاکس کے راستے جنوبی روس کا سفر ایک غیر معمولی کوشش، حوصلگی کا شاندار نمونہ، خود اعتمادی کا مظہر اور استقلال سے بھرپور نظر آتا ہے۔ اس سے قبل اتنی مختصر سی جمیت کا دنیا کے مشکل ترین راستے سے ایک انجان اور جارح سرزمین پر کئی سال تک اتنی جرأت سے سفر کرنے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ان مہمات نے منگول شہہ سواروں کو دنیا کی نظر میں ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔

کاکیشیا اور روس میں منگول خانہ بدوش قبائل کے اثرات کچھ ایسے دوررس نہ تھے ماسوائے مشرقی یورپ کے سیاسی ڈھانچے پر اس کے اثرات نظر آئے۔ یہ بات اہم ہے کہ روسی شہزادوں نے منگولوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے باوجود تاریخ سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ ان کا باہمی نفاق جاری رہا جو کسی بھی حملہ آور کے لیے چارے کا کام کرتا تھا۔ ان شہزادوں کی باہمی رقابت اور دشمنی نے منگولوں کو فائدہ پہنچایا اور خود روسی لوگوں کو نقصان پہنچایا۔

قراقرم

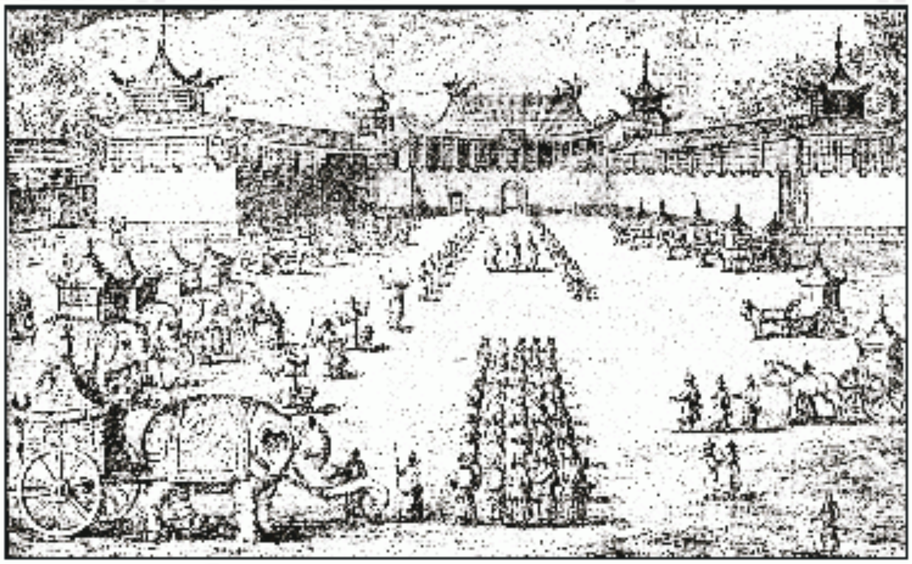

آرٹسٹ کی نظر میں ساتویں صدی کا قراقرم شہر
تصویر میں منگول ٹینٹ گاڑی نظر آ رہی ہے۔

دنیا میں گزرے دوسرے فاتحین کے برعکس، چنگیز خان اپنی فتح کردہ نئی نوآبادی ختا کے انتہائی پرشکوہ حصے میں قیام پذیر نہیں ہوا۔ چن کی شکست کے بعد، جب وہ عظیم دیوارِ چین سے گزرا تو وہ پھر واپس نہیں لوٹا۔ اس نے وہاں موہلی کو جنگی سالار تعینات رکھا اور اپنی جنم بھومی کی طرف لوٹ گیا۔ آرام دہ زندگی کے تصور کو جھٹک کر بنجر میدانوں کی طرف پلٹنا چنگیز کا اپنی روایات کے ساتھ الفت اور لگاؤ کے بلند درجے کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ بنجر میدان ہی اس کے ہیڈ کوارٹر تھے۔ صحرائی شہروں سے ہٹ کر اس نے سیاہ ریتلے علاقے قراقرم کو اپنی اردو کا مرکز قرار دیا۔ یہاں اس نے ہر وہ چیز جمع کی جس کی کسی خانہ بدوش کو خواہش ہوتی ہے۔ قراقرم ایک عجیب شہر تھا ہواؤں میں لپٹا اور ریت سے اٹا بنجر زمینوں کا دارالخلافہ، رہائشی بستیاں کیا تھیں بس گاڑے اور گھاس پھونس کی جھونپڑیاں تھیں جن کے درمیان میں باقاعدہ گلیوں کا تصور بھی ناپید تھا۔ ان جھونپڑیوں کے گرد سیاہ سمور کی چوٹیاں تھیں۔

مصائب اور آوارہ گردی کے سال بیت چکے تھے۔ موسم سرما کے لحاظ سے تعمیر کردہ اصطبلوں میں گھوڑوں کے منتخب ریوڑ آرام کرتے تھے،

ان پر خان کی مہر کنندہ نظر آتی تھی۔ قحط سے بچاؤ کے لیے کھلیانوں میں اناج کا وسیع ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ باجرہ اور چاول آدمیوں کے لیے اور گھوڑوں کے لیے چارہ اور گھاس رکھا جاتا تھا۔ سیاحوں کے آرام کے لیے اور شمالی ایشیا سے آئے سفیروں کی رہائش کے لیے سرائے بنوائی گئیں تھیں۔

جنوب میں عرب اور ترک تاجر آتے، ان سے بات چیت کرنے کا چنگیز کا اپنا انداز تھا، وہ ان سے قیمت پر بحث پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر سوداگر اس کے ساتھ قیمت پر بحث، تکرار کرتے تو ان کے مال کو کسی ادائیگی کے بغیر ضبط کرلیا جاتا۔ اگر دوسری طرف وہ ہر چیز خان کے حوالے کر دیتے تو بدلے میں خان ان کو اتنے تحائف سے نوازتا جو ان کی توقع اور لاگت سے بڑھ کر ہوتے۔

شہر میں سفیروں کے شہر کے پاس پجاریوں کی بستی تھی۔ بدھ مت کے پرانے مندروں کے ساتھ ساتھ پتھر سے بنی مساجد اور لکڑی سے تعمیر کردہ چھوٹے چھوٹے گرجا گھر، ہر مذہب کے پیروکار کے لیے کھلی مذہبی آزادی کا مظہر تھے۔ ہر شخص اپنی من پسند عبادت کرنے میں آزاد تھا بشرطیکہ وہ یاسا کے قوانین کا احترام کرتا ہو اور مغل اردو کے بنائے قوانین کی اطاعت کا پابند ہو۔

سیاحوں کی ملاقات سرحدوں پر مغل افسروں سے ہوتی تو انھیں رہبروں کے ساتھ قراقرم کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ ان کی آمد کی اطلاع ان کی روانگی سے قبل ہی تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے تجارتی قافلوں کے راستوں میں کروادی جاتی۔

جیسے ہی سیاح سفر کرتے ہوئے ریوڑوں کی چراہ گاہوں، سیاہ سمور کی چھتوں والی بستی، درخت اور پہاڑ سے بے پرواہ چٹیل میدان کی حدود میں پہنچتے تو وہ منگول قانون کی حفاظت میں پہنچ جاتے۔

خانہ بدوشوں کی ایک پرانی روایت کی پیروی میں، سیاحوں اور مسافروں کو آگ کے دو بڑے آلاؤ کے درمیان سے گزرنا پڑتا تھا۔ قانون کی رو سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ منگولوں کا عقیدہ تھا کہ ان میں سے کسی پر اگر بھوت پریت کا سایہ ہے تو یہ آلاؤ اسے جلا کر بھسم کر دیں گے۔ اس کے بعد انھیں رہائش اور خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ اگر خان اجازت دیتا تو ان مسافروں اور سیاحوں کو خان کے دربار میں حاضری کا موقع مل جاتا۔

خان اپنی عدالت ایک بلند جگہ پر لگاتا جو سلکی سفید رنگ کی سمور سے مزین ہوتی۔ داخلے کے موقع پر، چاندی کی ایک میز رکھی گئی ہوتی جس پر گھوڑی کا دودھ، پھل اور گوشت سجائے گئے ہوتے تاکہ خان سے ملنے کے لیے آنے والا ہر شخص خوب سیر ہو کر کھانا تناول کر سکے۔ عدالت والی جگہ کے ایک سرے پر خان ایک نسبتاً چھوٹے بنچ پر بیٹھتا جبکہ بورتی یا کوئی دوسری بیوی بایاں ہاتھ پر اس کے نیچے رکھے بنچ پر بیٹھتی۔

چند وزیر اور امیر اس کی حاضری پر مامور رہتے، ان میں سے ایک بلوچستائی تھا جو زرق برق عبا زیب تن کیے ہوتا مزید سونے پر سہاگہ، اس کی شخصیت کو چار چاند اس کی لمبی داڑھی اور گہری آواز لگا دیتی تھی۔ عدالتی جگہ کے گرد دیواروں کے ساتھ مزید بنچ لگوائے گئے تھے جن پر دوسرے امراء لمبے کوٹ اور سفید فلرٹ ہیٹ پہنے نظر آتے۔ دربار میں مکمل خاموشی رکھی جاتی۔ اس جگہ پر درمیان میں ہڈیوں اور جھاڑیوں سے آگ روشن کی جاتی تھی۔

ارخوانوں کو دوسروں کی نسبت زیادہ عزت دی جاتی تھی۔ وہ بنچوں پر ٹانگیں سکوڑ کر (آلتی پالتی مار کر) یوں بیٹھتے کہ ان کے جنگ وجدل

کے عادی ہاتھ ان کی مردانہ ٹانگوں کی رانوں پر رکھے ہوتے۔ ارخوان اور کئی دوسرے ڈویژنل سردار اپنا اپنا علامتی عصا اٹھائے نظر آتے تھے۔ آپس میں گفتگو سرگوشی سے زیادہ نہ ہوتی لیکن جب خان بولتا تو دربار میں مکمل خاموشی چھا جاتی جب خان کسی موضوع پر بات کر چکتا تو اس موضوع پر مزید بات ختم ہو جاتی یعنی کسی دوسرے کو خان کے خیالات کے اوپر اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔

کوئی شخص اس کے الفاظ میں اپنا لفظ شامل نہ کر سکتا۔ بحث کرنا آداب کی خلاف ورزی تھا۔ مبالغہ آرائی اخلاقی پستی تصور کی جاتی تھی اور کسی مسئلے پر جھوٹ بولنا سزا دینے پر مامور افسر (Master of Punishment) کے اختیارات کی زد میں آ تا تھا۔ کم الفاظ ادا کیے جاتے اور وہ بھی نپے تلے ہوتے۔

اجنبیوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے ساتھ تحائف لے کر آئیں۔ محافظ دستے کا کپتان ملاقاتیوں کو اس وقت تک چنگیز کے دربار میں پیش نہ کرتا جب تک ان کے لائے ہوئے تحائف چنگیز کے سامنے پیش نہ کر دیے جاتے۔ نئے آنے والوں کی جامہ تلاشی لی جاتی کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار تو نہیں انھیں ہدایت دی جاتی کہ لکڑی کی جس سٹیج پر چنگیز بیٹھا ہوتا اس کی دہلیز کو مت چھوئیں۔ اگر ان کی طلبی چنگیز کے خیمے میں ہوتی تو انھیں خیمے کی رسیوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی۔ ان ملاقاتیوں پر لازم تھا کہ وہ خان سے بات کرنے سے قبل دوزانو ہو کر بیٹھیں ایک مرتبہ جب وہ اردو میں آ گئے تو خان کے حکم کے بغیر واپس نہ جا سکتے تھے۔

قراقرم کا وجود آج صحرائے گوبی کی مسلسل بڑھتی ریت تلے دفن ہو چکا ہے، لیکن اس دور کے سیاسی حالات میں اس شہر پر حکومت آہنی عزم، ہمت سے ہی کی جا سکتی تھی جو لوگ ایک مرتبہ اردو میں شامل ہو جاتے وہ تخت اور تاج کے مالک چنگیز خان کے ملازم تصور کیے جاتے اس کے علاوہ کسی اور قانون کا کوئی وجود نہ تھا۔

''فرار بری کوئیس نامی راہب نے جب منگولوں کے لشکر میں شمولیت اختیار کی تو اس کے جذبات یوں تھے جیسے وہ ایک مختلف دنیا میں داخل ہو گیا ہے۔'' یہ وہ دنیا تھی جہاں یاسا کے قوانین چلتے تھے اور جو خان کے حکم کا خاموشی سے انتظار کرتی تھی، ساری تنظیم فوجی تھی اور نظم و ضبط انتہا درجے کا تھا۔ خان کے بیٹھنے کی جگہ کا رخ جنوب کی جانب ہوتا تھا اور اس سمت میں تمام جگہ خالی رکھی جاتی تھی۔ اس کے دائیں اور بائیں اردو کے لوگوں کی مقررہ جگہیں تھیں۔ یہ ترتیب ویسے ہی تھی جیسی بنی اسرائیل نے مظلے (Tabernacle) کے گرد جگہیں مقرر کر رکھیں تھیں۔

خان کے اپنے گھر کی خانہ داری بڑھ چکی تھی بورتی کے علاوہ اس کی دوسری بیویاں بھی اردو کے خیموں میں مقیم تھیں، ان کے ملازم ان کی خدمت گزاری پر مامور تھے۔ لیا اور ختا کی شہزادیاں ترک شاہی خاندانوں کی بیٹیاں اور صحرائی قبائل کی خوبصورت ترین عورتیں اس کی بیویاں تھیں۔

چنگیز کے نزدیک عورت اپنی خوبصورتی، مردانی طاقت اور بصیرت اور گھوڑے اپنی برداشت اور برق رفتاری کے اعتبار سے قابل تعریف تھے۔

جیسے ہی کسی مفتوح شہر میں کوئی منگول اسے کسی خوبصورت اور پری پیکر عورت یا لڑکی کی موجودگی کا پتہ دیتا تو پھر اس چہرے کو تلاش کرنا خان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ وہ بڑی بے صبری سے دریافت کرتا کیا وہ واقعی خوبصورت ہے۔ میں اسے تلاش کر لوں گا۔

خان کے ایک خواب کے بارے میں ایک حیران کن کہانی منسوب ہے جس نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک

عورت اس کو نقصان پہنچانے کے لیے سازش کر رہی ہے اس وقت وہ حسب معمول میدانِ جنگ میں تھا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے خیمے کے داخلے کی جگہ کے محافظ دستے کے سربراہ کو فوراً بلایا، جب متعلقہ سربراہ نے اپنا نام اس کے سامنے بولا تو خان نے حکم دیا،''فلاں فلاں عورت تمھارے لیے تحفہ ہے، اس کو اپنے خیمے میں لے جاؤ۔'' اسی طرح اخلاقی مسائل بھی وہ اسی منفرد انداز میں حل کرتا تھا۔ ایک دوسرا واقعہ اس کی ایک اور داشتہ کا ہے جس نے خان کے خانوادے کے ایک منگول سے ناجائز تعلقات استوار کر لیے تھے۔ جب خان کو اس معاشقے کا علم ہوا تو اس نے دونوں کو یا دونوں میں سے کسی کو قتل نہیں کروایا بلکہ انھیں اپنی جگہ سے دور منتقل کر دیا اور کہا مجھے معلوم نہ تھا کہ میں نے ایک ذلیل جذبات والی لڑکی کو اپنے لیے منتخب کیا ہے۔

اس نے اپنے تمام بیٹوں میں سے صرف چار کو جو بورتھی کے بطن سے تھے، اپنا وارث تسلیم کیا تھا، وہ اس کے آزمودہ بازو تھے اور اس نے ان سب پر ایک اتالیق مامور کر کے ان کی نہ صرف تربیت کی تھی بلکہ نگرانی کی تھی۔ جب وہ ان کی صلاحیتوں اور طبیعتوں سے مطمئن ہو گیا تو اس نے ہر ایک کو اور لوک یعنی شاہین کا خطاب دیا۔ شاہین شاہی خون کا علامتی نشان تھا۔ نظم وضبط کی مختلف سکیموں میں ان کا اپنا کردار تھا۔

بڑے بیٹے جوچی کو میر شکار بنایا گیا۔ خوراک اور رسد کی سپلائی کے تناظر میں یہ ایک نہایت اہم شعبہ تھا۔ چغتائی کو قانون اور سزا کے متعلق فیصلوں کا اختیار سونپا گیا۔ اوگتائی کو مشاورت کا منصب دیا گیا جبکہ سب سے چھوٹے بیٹے تولی کو جو فوجوں کا برائے نام سپہ سالار تھا، خان ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا یہ وہی جوچی تھا جس کے بیٹے باٹو نے زریں اردو (خانہ بدوش لشکر) کی بنیاد رکھی اور روسی سلطنت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ چغتائی کو وسطی ایشیا وراثت میں ملا اور جس کی اولاد میں سے ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں عظیم مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ تولی کے بیٹے کو بلائی نے چینی سمندر سے وسطی یورپ تک کے وسیع علاقے پر حکومت کی۔ جوان کو بیلائی چنگیز خان کا بڑا چہیتا تھا، دادا اس کی صلاحیتوں کی بناء پر اس پر ناز کرتا تھا۔ خان کو بیلائی کی فہم وفراست کا قائل تھا، وہ اکثر کہتا تھا اس کی باتیں غور سے سنا کرو۔

جب چنگیز ختا سے واپس لوٹا تو اس کی نوزائیدہ سلطنت کے مغربی حصے کی حالت خاصی خراب ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وسطی ایشیا کے طاقتور ترک قبائل جو کارا خطائی کی سلطنت کے ٹیکس گزار تھے، وہ ایک شورش پسند اور طاقتور کچلوک کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ کچلوک کون تھا یہ نائیمان لوگوں کا شہزادہ تھا اور کرائیت کے ساتھ جنگ کے بعد منگولوں کے سامنے آیا تھا لیکن اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

کچلوک نے سر ابھارنے کے لیے جس دولت کا سہارا لیا تھا وہ دھوکے کی کمائی تھی۔ اس نے مغربی بعید کی طاقتور ریاستوں سے اتحاد قائم کر لیا تھا اور اپنے محسن اور میزبان ختا کے خان کو قتل کر دیا تھا۔ جب چنگیز چین کی عظیم دیوار کے پار مصروفِ عمل تھا، کچلوک نے ایغور جیسے اہم قبیلے میں شورش اور فتنہ برپا کر کے انتشار پھیلا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک منگول اتحادی اطالیق کے عیسائی خان کو قتل کر دیا تھا۔ کچلوک کی پشت پناہی کی وجہ سے مرکش منگول اردو کا ساتھ چھوڑ کر اس سے جا ملے تھے۔

قراقرم سے واپسی پر چنگیز نے تبت سے لے کر سمرقند تک پھیلی کچلوک سلطنت کا صفایا کر دیا۔ کچلوک البتہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا، جسے زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے جیبی نویان کو دو تمان دے کر بھیجا گیا۔ بعد میں وہ اپنے تازہ دم گھوڑوں پر سوار اردو کو لے کر نائمین کی طرف بڑھا۔

سیاہ ختا کا حاکم اپنی جنگی پوزیشن کو مضبوط کر کے اس میں دبکا بیٹھا تھا۔ اسے اس کی پوزیشن سے باہر لانے کے لیے ایک چال چلی گئی جو کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور وہ منگولوں کے ہاتھوں ہزیمیت کا شکار ہوا۔ سوبیدائی کو ایک ڈویژن فوج کے ساتھ علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کا کام بے وفا مرکٹس کو سبق سکھانا تھا۔ یہ دونوں مہمیں کافی کشت وخون کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچیں لیکن ان وسیع جنگوں کا مختصر تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ان دونوں جنگوں میں چنگیز خان نے بنفس نفیس حصہ نہیں لیا۔

کچلوک کے تعاقب میں جیبی نویان نے کمال کی ایک چال چلی۔ اسے معلوم تھا کہ کچلوک جس پہاڑی راستے سے گزر گیا ہے اسے مقامی لوگوں نے امداد دی ہوگی یا مدد کا وعدہ کیا ہوگا۔ چنانچہ اس نے تمام دشمنوں کے لیے عام معافی کی منادی کرا دی ماسوائے کچلوک کے۔ اس اعلان کا متوقع نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ علاقے کے مسلمانوں نے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا اور بدھ عبادت گاہوں کے جو دروازے جنگ کی وجہ سے بند تھے، انھیں دوبارہ کھلوا دیا۔ علاقے کے ماحول میں موجود سیاسی انتشار پر قابو پانے کے بعد اس نے ایک سال تک کچلوک کا پیچھا کیا اور سطح مرتفع پامیر کے علاقے میں قابو کر کے اس کا سر قلم کر دیا۔ یہ سر ایک ہزار سفید ناک والے گھوڑوں کے گلے کے ساتھ چنگیز کو قراقرم بھجوا دیا گیا۔ جیبی نویان نے یہ قیمتی اور اعلیٰ النسل گھوڑے خان کو بطورِ تحفہ دینے کے لیے علاقے سے اکٹھے کیے تھے۔

ان مہمات کا سیاسی تجزیہ (Political Analysis) کیا جائے تو ایک بات عیاں نظر آتی ہے کہ اگر چنگیز ان جنگوں میں سے پہلی ہی جنگ ہار جاتا تو اس کے اقتدارِ اعلیٰ کے لیے زہر قاتل ثابت ہوتا۔ البتہ اس کی جیت نے دو براہِ راست نتائج اخذ کیے ترک قبائل جو تبت سے لے کر روس کی چراہ گاہوں تک پھیلے ہوئے تھے، خان کی فوجی برتری نے ان کی غلط فہمی دور کر دی تھی اور وہ بلا چون، چراہ مغل اردو میں شامل ہو گئے۔ شمال ختا کی شکست کے بعد، علاقے میں طاقت کا توازن ان جنگی ترک قبائل کی حمایت میں تھا جبکہ منگول فاتح ہونے کے باوجود اقلیت میں تھے۔

بدھ عبادت گاہوں کے دروازے کھلنے سے علاقے میں چنگیز خان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ پہاڑی شہروں سے لے کر وادی کی ضمیر بستیوں تک سب یہ جان گئے کہ ختا فتح ہو چکا اور بدھ مت کے ماننے والے ختا کا پُر اثر سایہ اس کی شخصیت پر منتقل ہو گیا دوسری طرف مسلمانوں کے ملا بھی نوازے گئے، انھیں تنگ نہ کیا گیا اور ٹیکسوں اور نت نئے محاصل سے آزاد رکھا گیا۔ تبت کی برف پوش چوٹیوں تلے اور دنیا بھر میں پھیلی مذہبی منافرت کے ماحول میں بھکشو، ملا اور لاما سب برابر تھے اور ایک گھاٹ کا پانی پیتے تھے۔ انھیں تنبیہ کی گئی تھی کہ ان کے سر پر سایہ یاسا کا ہوگا۔ داڑھی والے ختائی منگول خان کے قاصد بن کر فاتح کے نئے قوانین کا پرچار کر رہے تھے اور انتشار کی بجائے نظم وضبط کی تربیت کا ماحول پیدا کر رہے تھے تا کہ وہ آہنی شخصیت والے موہلی کی پالیسیوں میں سے ختا کے لیے چین اور سکون حاصل کر سکیں۔

اسی اثناء میں ایک برق رفتار قاصد جیبی نویان کے لشکر کے راستے تلاش کرتا پہنچا وہ بڑے خان کی طرف سے جیبی کے لیے پیغام لایا تھا۔

''تمھارے بھیجے گھوڑے خان تک پہنچ گئے ہیں، اس کامیابی پر مغرور نہ ہو جانا!''

بہر حال جیبی نویان تبت کے پہاڑی سلسلوں میں سے جنگجو اکٹھے کرتا چلا جا رہا تھا۔ خان کی نصیحت پر عمل درآمد کیا گیا یا نہیں، جیبی قراقرم واپس نہیں گیا۔ دنیا کے دوسرے حصے میں اس کے کرنے کے لیے بہت کام تھے۔

کچلک کے زوال کے ساتھ ہی شمالی ایشیا میں امن کی فضا اس قدر چھا گئی جیسے کوئی پردہ گرتا ہے۔ چین سے لے کر بحر ہند (آرال سمندر) تک ایک آقا کی حکومت تھی۔ بغاوتیں فرو کی جا چکیں تھیں۔ خان کے قاصدین بھاگتے بھاگتے طول البلد کے پچاس پچاس درجے تک عبور کر جاتے تھے، قانون کی عمل داری اور نقل و حمل کے تیز رفتار ذرائع کو دیکھتے ہوئے شاید یہ کہا گیا کہ ایک کنواری دوشیزہ اپنے سر پر سونے کی بوری لاد کر سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے تک بغیر کسی نقصان کے سفر کر سکتی تھی۔

اس درجے کی انتظامی تدبیر کے باوجود بوڑھا فاتح مطمئن نہ تھا۔ اسے چراگاہوں کے اندر جاڑے میں کیا گیا شکار اب بھاتا نہ تھا۔ ایک دن اس نے ایک منگول محافظ کو بلا کر اس سے دریافت کیا کہ دنیا بھر میں ایسا کونسا کام ہے جو میرے لیے خوشی لا سکے۔

محافظ نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا ’’کھلا میدان، ایک روشن اور اجلا دن، ایک سبک رفتار گھوڑا آپ کے نیچے ہو اور آپ کی کلائی پر عقاب بیٹھا ہو جو خرگوشوں کو ہوشیار کر دے۔‘‘

چنگیز کا ردعمل فوری تھا اس نے کہا نہیں ’’اپنے دشمنوں کو زیر کر کے اپنے قدموں میں گرانے، ان کے گھوڑے لینے، مال واسباب پر قبضہ کرنے اور ان کی عورتوں کی نالہ و بکا کو سن کر حقیقی مزہ آتا ہے۔‘‘

منگول تخت و تاج کا مالک بنی نوع انسان کے لیے تباہی کا دوسرا نام تھا۔ منگول کی اگلی نظر مغرب پر تھی اور اسے یہ بہانہ ایک واقعے نے فراہم کر دیا۔

1194ء تا 1206ء کا دور ایسا تھا جب تموجن کے سامنے ہر چیز خس، خاشت کی طرح بہہ جاتی تھی۔ اس کے اطراف کے تمام قبیلوں پر اس کی نفسیاتی اور فوجی برتری کا رعب بیٹھ چکا تھا۔ تقریباً تمام اس کی جوانمردی کے قائل ہو گئے تھے۔ اب یہ نوشتہ دیوار تھا کہ تموجن علاقے کی ایک سپر پاور کے طور پر ابھر رہا تھا۔ ایرانی تاریخ کے مطابق تموجن کے پاس ایک لشکر جرار تیار ہو چکا تھا، اس کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صحرائے گوبی تک جاتی تھیں۔ یہ وہ عرصہ تھا جب تموجن کو اپنا لوہا منوانے اور متحارف قبائل کو مغلوب کرنے کے لیے کئی جنگیں اور معرکے لڑنے پڑے۔ ان معرکوں میں ہزارہا افراد، قیدی بن کر اس کے قبضے میں آئے۔ ایسے ہی ایک معرکے میں ایک شخص ٹاٹنگا (Tatatunga) کو گرفتار کیا گیا۔ یہ شخص اپنے قبیلے ایگور کا سردار تھا۔ ٹاٹا اس اعتبار سے دوسرے منگولوں سے مختلف تھا کہ وہ اپنی زبان بولنے کے ساتھ ساتھ لکھنا اور پڑھنا بھی جانتا تھا۔ تموجن نے ٹاٹا ٹنگا کو اپنے چاروں بیٹوں جوچی، چغتائی، سوبیدائی اور تولی کو پڑھانے پر مامور کیا۔ اس حکم سے تموجن کی ذہنی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک شمشیر زن ہی نہیں تھا بلکہ قائدانہ صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور اسے یقین تھا کہ دوسروں پر بامقصد حکمرانی کرنے کے لیے جوانمردی اور علمی سوچ کا امتزاج ضروری تھا۔

سوبیدائی خون کی ہولی کھیلنے کا ماہر

یہ 1206ء کا سال تھا جب تموجن نے محسوس کیا کہ وہ اس قدر طاقت ور ہو چکا ہے کہ وہ علاقے کے چھوٹے بڑے تمام قبیلوں اور امرا کو ایک ضیافت پر مدعو کرے اور یہ ضیافت دریائے انون (Anon) کے کنارے ایک بڑے جشن کی شکل میں ہو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس تاریخی موقع پر اس نے پہلی مرتبہ اپنے لیے اس لقب کا استعمال کیا کہ وہ ''چنگیز خان'' ہے یعنی ''عظیم سمندر۔'' جلد ہی چنگیز خان نے اپنا (Yassa) یعنی قانونی ضابطہ اخلاق (کوڈ) نافذ کیا۔ یہ کوڈ ان دفعات پر مشتمل تھا:

1- آپس میں محبت رکھو۔
2- بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت کرو۔
3- غریبوں کو نیچا مت رکھو بلکہ عزت کرو۔
4- چوری مت کرو۔
5- کسی کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم نہ کرو۔
6- غداری سب سے بڑا جرم ہے جس کی سزا موت۔

7- جھوٹی گواہی انسان کی تذلیل ہے جو نہ کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ

8- پانی یا راکھ میں پیشاب کرنے سے منع کر دیا گیا۔

9- قتل کی سزا جرمانہ قرار دی گئی اس کا انحصار مرنے اور مارنے والے کے معاشرتی رتبے کی بنیاد پر رکھا گیا۔ مثلاً مسلمان کے قتل کے بدلے میں 20 سونے کے سکے اور ایک گدھا جبکہ کسی چینی کے قتل کے عوض بھی جرمانے کی حد مقرر کی گئی۔

10- منگولوں کے بارے میں ایک عام روایت تھی کہ وہ مہینوں نہاتے نہیں تھے، ہفتوں گھوڑے سے نیچے نہیں اترتے تھے۔ کھانا کھا کر چربی بھرے چکنے ہاتھ اپنے یا دوسروں کے کپڑوں سے مل لینا ان کا عام معمول تھا۔ کپڑے تب تک تبدیل نہیں کرتے تھے جب تک کپڑے پھٹ نہیں جاتے تھے۔ چنگیز نے اخلاقی ضابطہ میں واضح حکم دیا کہ کپڑوں کو دھویا جائے تاکہ وہ گندے ہو کر پھٹ نہ جائیں۔

11- شراب کا استعمال ایک ماہ میں تین مرتبہ تک محدود کر دیا گیا۔ یہ منگولوں کی اس عادت کے پیش نظر کیا گیا کہ وہ ہر وقت شراب کے نشے میں ٹن رہتے تھے۔

12- مذہبی رواداری پر زور دیا گیا۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کو ایک جیسا مقام دیا گیا ان کے ذمہ واجب الادا ٹیکس معاف کر دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایسے قوانین کی ایک لمبی چوڑی فہرست لوہے کی پلیٹوں پر کندہ کروائی گئی لیکن مورخین کو ایسی کوئی پلیٹ آج تک دستیاب نہ ہوسکی۔

یاسا The Yassa

کونسل کا اجلاس 1206ء میں منعقد کیا گیا تھا اور اسی سال ختا (Cathay) کے عامل کو حکم تھا کہ وہ عظیم دیوار کے پار وحشیوں پر نظر رکھے اور ان سے خراج وصول کرے۔ اس عامل نے رپورٹ دی کہ ''دور بادشاہتوں میں مکمل سکون ہے۔'' چنگیز خان کے خاقانِ اعظم کے منصب پر فائز ہونے کے بعد، ترک منگول لوگ کئی صدیوں میں پہلی مرتبہ متحد ہوئے تھے۔ وہ جوش وجذبے سے بھرپور تھے۔

جوش وخروش اور ولولے کی اس سطح پر انھیں پکا یقین تھا کہ کل کا تموجن اور آج کا چنگیز خان درحقیقت ایک بوجو (Bogdo) تھا یعنی خداؤں کا بھیجا ہوا جسے آسمانوں کی طاقتیں دی گئی تھیں۔ لیکن کوئی جوش وجذبہ قانون سے بے بہرہ ان جتھوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ مدتوں سے قبائلی رسوم ورواج کے سائے تلے زندگی گزارر ہے تھے اور رسوم ورواج میں بھی وہ اتنی ہی تبدیلی واقع ہوگئی تھی جتنی انسانی فطرت میں ممکن تھی۔

ان شترِ بے مہار قبائل کو قابو میں رکھنے کے لیے چنگیز خان منگولوں کی فوجی تنظیم کو کام میں لایا یہ منگول اب اس شعبے میں تجربہ کار ہو چکے تھے۔ لیکن چنگیز نے اعلان کر دیا کہ ان پر حکومت کرنے کے لیے اس نے یاسا کا نظام وضع کیا ہے اور یاسا منگول اتھارٹی کا وہ پلیٹ فارم ہوگا جہاں سے سب کنٹرول ہوں گے۔ یاسا اس کے قوانین کا کوڈ تھا جس میں چنگیز کی خواہش، تدبر اور مروجہ قبائلی رسوم کا امتزاج شامل تھا۔

چنگیز نے ایک بات واضح کر دی تھی کہ اسے چوری اور بدکاری سے خصوصی نفرت تھی اور اس کی سزا صرف موت تھی۔ اگر ایک گھوڑا

چوری ہوتا تھا تو اس کی سزا موت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے یہ بات بالکل پسند نہیں اور یہ الفاظ اس کے غصے کو ہوا دیتے ہیں جب وہ یہ سنے کہ کوئی بچہ اپنے والدین کی نافرمانی کر رہا ہے، کسی چھوٹے نے بڑے بھائی کی نافرمانی کی ہے۔ ایک خاوند کا اپنی بیوی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا، ایک بیوی کا اپنے خاوند سے روگردانی کرنا، امیر کا غریب کی مدد سے انکار اور پیروکاروں کا اپنے لیڈر کے ساتھ وفاداری نہ برتنا وغیرہ۔

شراب پینے پلانے کی منگولوں کی کمزوری کے بارے میں چنگیز کا قول تھا کہ جو منگول صرف ایک مرتبہ یہ مشروب پیتا ہے اس کا وہ حال ہے کہ سر پر ایک چپت لگے تو اس کی عقل اور لیاقت پر کیا اثر پڑے گا (یعنی ایک مرتبہ پینا کیا معنی رکھتا ہے) ایک ماہ میں کم از کم تین مرتبہ پینا چاہیے یا اس سے بہتر ہے کہ نہ پیا جائے۔ لیکن کون ہے جو مکمل طور پر شراب سے اجتناب کرتا ہے؟

منگولوں کی دوسری کمزوری بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک سے خوف زدہ ہونا تھا۔ صحرائے گوبی کے شاید ترین طوفانوں کے دوران، کئی مرتبہ اس خوف نے انھیں مغلوب کیا تھا۔ آسمان سے بچنے کے لیے وہ خود کو دریاؤں اور ندیوں میں پھینک دیتے تھے۔ اس بات کی تصدیق مشہور مورخ فرا روبروکوئیس (Fra Rubruquis) نے بھی کی ہے۔ یاسا نے البتہ بادلوں کی گھن گرج کے دوران پانی میں نہانے یا پانی کو چھونے کی سختی سے ممانعت کر دی تھی۔

چنگیز خود طیش اور غصے والا انسان تھا لیکن اس نے اپنے لوگوں کو اس قبیح فعل کی چیرہ دستیوں سے دور رہنے کا حکم دیا۔ یاسا منگولوں کے درمیان جھگڑوں کی صورت میں ان کے درجے کم کر دیتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر وہ ناقابل تبدیل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے بعد کوئی خاقانِ اعظم نہ ہوگا اور نہ ہی نئی بادشاہت سے متعلق لوگ اس نام کو استعمال کر سکیں گے۔ اس کے اور اس کے بیٹوں کے نام پتھروں پر کندہ کروائے گئے تھے۔

خدا کے وجود کا اقرار لیکن وحی کا انکار کرنے والی تحریک (Deism) کے ایک پیروکار (Deist) نے گوبی کے شامانوں میں سے ایک ہونے کا دعویٰ کر دیا، اس کا بنایا قوانین کا کوڈ مذہبی معاملات کا احاطہ کرتا تھا۔ دوسرے مذاہب کے رہنماؤں اور پیروکاروں اور مسجدوں میں اذان دینے والے مؤذنوں کو عام عوام کے معاملات سے آزاد کر دیتا تھا۔ ایسے راہبوں کی ایک تعداد قطاروں میں منگول کیمپوں کے ارد گرد نظر آتی تھی، انھوں نے ہاتھوں میں سرخ اور پیلے جھنڈے اٹھا رکھے ہوتے تھے اور وہ دعائیں بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے۔ ان میں سے کئی ایک نے اپنے چہروں پر پینٹ اس طرح کیا ہوتا تھا کہ وہ "حقیقی شیطان" جیسے نظر آتے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں کے زیرِ اثر چنگیز نے ایک جنگ سے قبل حکم دیا کہ ستارہ شناس اسے مستقبل کا حال بتائیں۔ سارسن پیشین گوئی کرنے والے صحیح پیشین گوئی کرنے میں ناکام رہے تھے لیکن عیسٹورین عیسائی اس معاملے میں بہتر نتائج کے حامل تھے۔ اگرچہ چنگیز ختائی ستارہ شناسوں کی پیشین گوئیوں کو بغور سنتا تھا لیکن ان پیشین گوئیوں کی بنیاد پر اس نے کسی مہم سے منہ نہیں موڑا۔

یاسا کا قانون جاسوسوں، ہم جنس پرستی، جھوٹی گواہی دینے والوں اور کالے جادو کرنے والوں کے خلاف بڑا واضح تھا یعنی موت کی سزا۔

یاسا کا پہلا قانون زبردست تھا۔ یہ حکم دیا گیا تھا کہ تمام انسانوں کو اس بات پر عقیدہ رکھنا چاہیے کہ زمین اور آسمان کا بنانے والا ایک خدا ہے اور وہی ہے جو امیری، غریبی اور زندگی اور موت دینے والا ہے جیسی وہ چاہتا ہے وہ کائنات کی ہر چیز پر قادر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس قانون کے پس منظر میں قدیم نیسٹوریز کی تعلیمات کا عمل دخل تھا۔لیکن اس قانون کا اعلان عوامی سطح پر نہ کیا گیا۔ چنگیز خان اس قانون کی بنا پر اپنے عوام کو تقسیم نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی نظریاتی کشمکش میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔

ایک ماہر نفسیات کا کہنا تھا کہ یاسا کے قوانین کے تین بنیادی مقاصد تھے:

- i- چنگیز خان کی غیر مشروط تابعداری جو تمام خانہ بدوش قبائل کو اکٹھا کرنے کی قوت تھا۔
- ii- غلط کاریاں کرنے والوں کو بے رحمانہ سزائیں۔
- iii- ان قوانین کا اطلاق انسانوں پر ہوتا تھا نہ کہ ان کی جائیدادوں پر۔

کسی انسان کو اُس وقت تک مجرم قرار نہیں دیا جاتا تھا جب تک وہ کسی جرم میں نہ پکڑا جاتا اور اسے تسلیم نہ کر لیتا۔ یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے کہ منگول جو جاہل لوگ تھے، ایک بار کا منہ سے ادا کیا ہوا لفظ اس کے حلف نامہ کا درجہ رکھتا تھا۔ اکثر اوقات ایسے واقعات در پیش آئے جب کسی خانہ بدوش پر غلط کام کا الزام لگا تو اگر وہ قصوروار ہوتا تو اسے تسلیم کرنا پڑتا تھا، دونوں صورتوں میں معاملہ چنگیز کے دربار میں لایا جاتا۔ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں، خان کی تابعداری کسی شک وشبے کے بغیر تھی۔ فوج کی ایک ڈویژن کا جنرل چنگیز خان کے دربار سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر بھی ایک عام کوریئر کے ہاتھ آیا خان کا حکم نامہ وصول کر کے اس پر عمل درآمد کا پابند تھا۔

فرا کارپنی (Fra Carpini) لکھتا ہے کہ ہر منگول چنگیز خان کا خوب احترام کرتا تھا اور لفظاً یا عملاً کسی طرح سے بھی اسے دھوکہ دینے کی کبھی کوشش نہ کرتا تھا۔ ان کا آپس میں شاذ ہی جھگڑا ہوتا۔ چوری اور ڈاکے کا تصور نہ تھا۔ یہی وجہ تھا کہ ان کے گھر اور چھکڑے جن پر مال واسباب اور خزانہ پڑا ہوتا تھا، کسی محافظ یا تالے کے بغیر ہوتے تھے۔ اگر ان کے گلوں میں سے کوئی جانور راستہ بھول کر کہیں اور نکل جاتا اور جس کسی کو ملتا وہ اسے واپس گلے کے انچارج افسر کی طرف دھکیل دیتا۔

یہ یاسا قوانین کے سخت اطلاق کا اثر تھا کہ وہ جو بے رحم اور وحشی تھے، اب ایک دوسرے کو برداشت کرنے پر مائل تھے۔ وہ غربت اور مفلسی میں بھی اکٹھے تھے اور ایک یا دو دن کے فاقوں کے باوجود گاتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ ایسی قوم کو متحد اور منضبط رکھنے کے لیے ایک مضبوط مرکز کی ہی ضرورت تھی یعنی Strong Centre سفر کے دوران، وہ شدید گرمی یا شدید سردی کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ اگر چہ وہ نشے میں ڈوبے ہوتے تھے لیکن کبھی ایک دوسرے سے جھگڑتے نہ تھے۔ یہ ایسا نقطہ ہے جس پر مورخین متفق نہیں ہیں۔ شراب نوشی ان کے ہاں ایک معزز اور مردانہ کام سمجھا جاتا تھا۔ جب ایک شخص شراب پی کر مدہوش ہو جاتا اور قے کرنا لگتا تو قے سے فارغ ہو کر وہ پھر شراب نوشی شروع کر دیتا۔ اپنے سے ہٹ کر وہ ہر غیر منگول کو حقیر اور خود سے کم تر تصور کرتے چاہے وہ کتنا ہی اشراف میں سے کیوں نہ ہوتا، خود کو برتر سمجھنے میں وہ حد سے زیادہ مغرور تھے۔ چنگیز کے دربار میں روس کا عظیم ڈیوک، جارجیا کے بادشاہ کا بیٹا، بہت سے سلطان اور بہت سی مشہور اور بلند قد وقامت والی شخصیات موجود تھیں لیکن ان کی کوئی خاص عزت نہ تھی حتیٰ کہ جو تاتار ان بلند مرتبہ شخصیات کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے مقرر کیے گئے تھے، ان سے آگے سے بلا روک ٹوک گزرتے تھے اور بیٹھتے وقت ان کی جگہوں سے اونچی جگہوں پر بیٹھتے۔

وہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے عقائد کو کم تر تصور کرتے تھے، جو سازش بھی وہ دوسروں کے خلاف کرتے وہ بڑی احتیاط سے اسے صیغہ راز میں رکھتے تاکہ کوئی اسے ان کے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ دوسرے لوگوں کا قتل عام ان کے نزدیک ایک عام بات تھی۔

یاسا کی بازگشت تھی۔ ایک دوسرے کی مدد کرو اور دوسروں کو تباہ کر دو۔ جنگ کے بھوکے، چھوٹی بڑی جنگوں کے عادی یہ قبائل صرف ایک ہی طریقے سے باہم متحد رکھے جا سکتے تھے۔ اگر ان کو ان کی خود کی عقل و دانش اور وسائل پر چھوڑ دیا جاتا تو انھوں نے مالِ غنیمت اور سرسبز چراگاہوں پر لڑلڑ کر مر جانا تھا۔ سرخ بالوں والے خاقانِ اعظم نے اپنی دور بین سوچ (Vision) اور مقاصد (Objectives) کو سامنے رکھ کر ہوا کا رخ دیکھا اور پھر تاریخ کا یہ پہیہ ہوا کے دوش پر چلتا چلا گیا۔ چنگیز یہ امر بخوبی جانتا تھا کہ ان وحشی خانہ بدوشوں کو ایک دوسرے کے گلے کاٹنے سے روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انھیں کہیں نہ کہیں جنگ میں مصروف رکھا جائے اس کا مشن ان صحرائی بگولوں پر کنٹرول کرنا اور انھیں گولی سے دور پہنچانا تھا۔

اس عہد کے وقائع نگار کورلتائی (Kurultai) کی شاندار محفل کے اختتام سے قبل چنگیز کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ گاؤں بلدوک کی پہاڑی کے دامن میں کھڑا ہو کر چنگیز نے بورچیکون اور اس سے اظہارِ وفاداری کرنے والے امراء سے خطاب کیا۔ اس نے کہا، ''یہ افراد جو اچھے یا برے مستقبل میں میرے ساتھ رہیں گے، ان کی وفاداری میرے لیے اس پہاڑی کی طرح صاف اور شفاف ہوگی۔ میری خواہش ہوگی کہ میں انھیں ''منگول'' پکاروں۔ ہر وہ چیز جو کرۂ ارض پر سانس لیتی ہے، میں انھیں ہر اس چیز پر اقتدارِ اعلیٰ دوں۔''

وہ تخیل میں اس مجمع کو بے لگام روحوں کا وہ اجتماع دیکھ رہا تھا جو ایک قبیلے میں ڈھل چکا تھا۔ عقل منداور پراسرار ایگورز، پرعزم کرائیٹس، قوی یاکا منگول، ظالم اور خونخوار تاتار اور کرخت مرکٹس تمام ہی بلند و بالا ایشیا کے جری گھڑ سوار اور برفانی طوفانوں کا مقابلہ کرنے والے خاموش اور بلند حوصلہ یہ افراد ایک عظیم قبیلے میں ڈھل چکے تھے جن کا سردار وہ خود (چنگیز خان) تھا۔

وہ ہنگ نو (Hiung-nu) کے عہد میں ہی متحد ہو چکے تھے۔ جنھوں نے ختا کو تخت، تاراج کیا تھا حتیٰ کہ ان سے بچاؤ کے لیے عظیم دیوار تعمیر کی گئی۔ چنگیز خان کی پر جوش تقریر میں وہ فصاحت اور خوش بیانی تھی جس نے ان قبائل کے جذبات میں ہلچل مچا دی اور چنگیز کو اپنی قائدانہ صلاحیت پر کوئی شبہ نہ تھا۔

اسے اپنے تخیل میں انجانی سرزمینوں کی فتح نظر آ رہی تھی، یہ تخیل اس کی دور بیں فہم، فراست کا اظہار تھا۔ اس نے اتحاد کے بعد اس نئی شکل کے خانہ بدوش قبیلے میں نیا اور تازہ خون دوڑانے کے اقدامات کیے۔ اس نے یاسا کے قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا۔

قبیلے کے ہر جنگجو کو سختی سے اس بات کی ممانعت کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے ''دس'' یا دوسرے دستے کے ''دس'' افراد میں سے کسی زخمی فرد کو پیچھے چھوڑ کر خود آگے نہیں بڑھے گا۔ اسی طرح تمام افراد کے لیے یہ بھی ممانعت کر دی گئی تھی کہ جنگ کے دوران پیچھے ہٹنے کی صورت میں کوئی مجھ سے پہلے راہِ فرار اختیار نہیں کرے گا۔ یعنی جس طرف ان کا پھریرا بڑھے گا اُدھر ہی ہر کوئی بڑھے گا چاہے یہ پیچھے ہٹنا کسی حکمت عملی کے تحت ہو یا مخالف فوج کے دباؤ کے نتیجے میں ہو۔ یہ اقدامات اس دور کے اعتبار سے منفرد اور بے مثال اور چنگیز کی شاندار قیادت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

شہزادہ کچلوک کی مہمات

شہزادہ کچلوک کے بارے میں قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر بتا تا چلوں کہ وہ تہین (Tayian) کا بیٹا تھا یہ وہی تہین ہے جو نیمن کا خان تھا اور جس نے یموکا کے اشارے پر خانوں کی لیگ (اتحاد) کو تموجن کے خلاف متحد کیا تھا۔ کچلوک ایک جوان شہزادہ تھا جو عظیم فیصلہ کن لڑائی میں تموجن کے بیٹے جوچی (Juchi) کے مخالف تھا۔ اس لڑائی میں تہین مارا گیا تھا بعد میں یموکا بھی قتل کر دیا گیا لیکن جوان شہزادہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس فرار میں اس کے ساتھ ایک سردار یا جنرل بھی تھا جس کا نام تختا بے تھا۔ تختا بے ایک طاقتور قبیلے کا خان تھا۔ وہ شہر یا قصبہ جسے وہ اپنا دارالحکومت قرار دیتا تھا، کاشی تھا۔ یہ جنوب مغرب کی طرف واقع تھا اور چین کی سرحدوں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تختا بے کشلوک کے ساتھ اس جگہ پر آ گیا اور ایک نئی فوج کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اس کا ارادہ اس نئی فوج کو تموجن کے خلاف استعمال کرنا تھا۔ یہاں تموجن نام اس لیے لیا جا رہا ہے کیونکہ اس وقت تک تموجن نے چنگیز خان کا لقب اختیار نہیں کیا تھا اور مذکورہ حالات جنگ کے فوراً بعد کے تھے۔

جب تموجن کو خبر ملی کہ تختا بے اور جوان شہزادہ کاشی چلے گئے تھے تو اس نے فوراً ان کا تعاقب کرنے کی ٹھانی۔ جونہی تختا بے نے سنا کہ تموجن آ رہا ہے، اس نے اپنے شہر کو مضبوط کرنا شروع کر دیا اور محافظ دستوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ اس نے خوراک اور جنگی ساز وسامان کی رسد کا بھی مناسب بندوبست کیا۔ جب وہ یہ تیاریاں کر رہا تھا، اس نے خبر سنی کہ تموجن ایک بھاری لشکر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنگیز کی فوج اتنی بڑی تھی کہ تختا بے کو یقین تھا کہ اس کا شہر اس کے خلاف زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ بڑا پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔

ایسا ہوا کہ تہین خان کے ایک بھائی جس کا نام بوئے رک تھا وہ ایک طاقتور اردو کا سردار تھا۔ اس کا شہر تختا بے کی ریاستوں سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ تختا بے کو خیال آیا کہ بوئے رک جنگ میں اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائے گا کیونکہ یہ جنگ اس کے بھائی کے ازلی دشمن کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ اس نے اپنا دارالخلافہ محافظ فوجوں کے دفاع پر چھوڑا اور خود بوئے رک کی طرف کمک لینے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے شہزادہ کچلوک کو پہلے روانہ کیا تا کہ وہ جلد از جلد محفوظ جگہ پر پہنچ جائے۔ کاشی سے روانہ ہونے سے قبل اس نے شہر کے دفاع کو ہر طرف سے مضبوط بنایا تا کہ حملے کی صورت میں شہر اپنا دفاع کر سکے۔ مزید براں اس نے اپنے بڑے بیٹے جس سے وہ بیحد محبت کرتا تھا، کو شہر میں ہی چھوڑ دیا اور خود گھڑ سواروں کے ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ بوائے رک کی طرف نکل پڑا۔

ادھر تموجن منزلوں پر منزلیں مارتا اپنی کثیر فوج کے ساتھ کاشی کے شہر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ جن پناہ گزینوں کا وہ تعاقب کر رہا ہے وہ وہاں پر نہیں ہیں لیکن اس نے شہر پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور محاصرہ کر لیا۔ شہر کی محافظ فوج نے بھرپور مزاحمت کی لیکن تموجن کی فوج اہل کاشی کی توقعات

سے کہیں بڑھ کر مضبوط تھی، جلد ہی شہر لے لیا گیا۔تموجن نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر کی دیواروں کے اندر اور باہر جس کے ہاتھ میں اسلحہ نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے اور زمین پر کھڑی ہر دیوار کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔

اس قتل عام کے بعد اس نے فرمان جاری کیا۔جس میں باقی تمام قبائل کو اس شرط پر عام معافی دینے کا اعلان کیا اگر وہ اس کے ساتھ اظہارِ وفاداری کریں اور اس پر سختی سے قائم رہیں۔رب نیڑے کہ گھسن وہ ایسا کرنے پر فوراً تیار ہو گئے۔ان کے دیکھا دیکھی دوسرے بہت سے چھوٹے بڑے قبائل نے تموجن کے دربار میں حاضری دی اور تابعدار رہنے کا عہد کیا۔

یہ تمام واقعات تھبین کے ساتھ فیصلہ کن معرکے اور تموجن کے بادشاہ بننے یا چنگیز خان کا لقب اختیار کرنے کے فوراً بعد رونما ہوئے۔جب تموجن تختابے کے تعاقب میں کاشی کی مہم سر کر رہا تھا تو اندرونِ بریں وہ وقت ضائع ہونے پر نالاں تھا کیونکہ وہ وقت ضائع کیے بغیر قراقرم جانا چاہتا تھا تا کہ وہاں پہنچ کر اپنی حکومت کی مضبوطی کے لیے اقدامات اٹھا سکے۔چنانچہ اس نے ان بھگوڑوں کا مزید تعاقب نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام آپریشن اگلے موسم بہار کی آمد تک ملتوی کر کے فوراً قراقرم کی طرف روانہ ہو گیا۔

قراقرم پہنچ کر اس نے اپنی نئی سلطنت کا آئین تشکیل دیا اور اگلے موسم بہار میں عظیم اسمبلی کے انعقاد کے لیے انتظامات کیے۔اسی اثناء میں بوائے رک نے تختابے اور شہزادے کچلوک کا اس کے ہاں پہنچنے پر شاندار استقبال کیا۔انھیں قوی یقین تھا کہ کاشی کو تخت و تاراج کرنے کے بعد تموجن تختابے اور شہزادے کچلوک کا تعاقب جاری رکھے گا چنانچہ وہ اپنے دفاع کی تیاریوں میں مصروفِ عمل رہے۔لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ چنگیز ان کے تعاقب کا ارادہ ترک کر کے قراقرم واپس چلا گیا ہے تو ان کو کچھ سکون کا سانس نصیب ہوا۔وہ بخوبی جانتے تھے کہ خطرہ صرف ٹلا ہے ختم نہیں ہوا ہے۔چنانچہ انھوں نے دفاعی تیاریاں کسی طور کم نہ کیں کیوں کہ وہ توقع کر رہے تھے کہ اگلے موسم بہار میں ان پر حملہ ہوگا۔

بوائے رک کا یہ اندازہ کسی طور پر غلط نہ نکلا، اپنی حکومت کے معاملات درست کرنے اور چنگیز خان کا لقب اختیار کرنے کے بعد، تموجن نے آنے والے موسم بہار میں تختابے اور بوائے رک کے خلاف مہم جوئی کا قصد کیا۔وہ ایک مضبوط فوج کے ساتھ بوائے رک کی ریاستوں کی طرف بڑھا۔بوائے رک پورے جوش و خروش سے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آیا، شدید لڑائی کا میدان گرم ہوا۔لیکن لڑائی صرف انسانوں کی نہ تھی بلکہ حوصلے اور لیڈرشپ کوالٹی کی تھی۔بوائے رک کو شکست ہوئی۔جب اس نے دیکھا کہ جنگ تو ہاری گئی، اس نے بھاگنے کی کوشش کی، اس کا تعاقب کیا گیا اور اسے پکڑ کر چنگیز خان کے کیمپ میں لایا گیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔بوائے رک کو یہ سزا اس کی غداری کے انعام میں دی گئی یموکا کی طرح اسے کھلا اور معزز دشمن قرار نہیں دیا گیا۔بوائے رک کا ساتھ ایک مجرم کا سا سلوک کیا گیا جنگی قیدی کا نہیں۔

جب بوائے رک کو پکڑا جا رہا تھا، کچلوک اور تختا فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ شمال اور مغرب کی طرف نکل گئے تھے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کی منزل کہاں تھی۔آخر کار انھوں نے ارتش دریا کے کناروں پر جائے پناہ تلاش کی۔یہ دریا براعظم ایشیا کے مرکز سے نکلتا تھا اور شمال کی جانب شمالی سمندر میں جا گرتا۔اس دریا کی گزرگاہ کا علاقہ چنگیز خان کی ریاستوں کے شمال مغرب سے متصل تھا۔دریائی گزرگاہ کے علاقے میں پھرتے پھراتے شہزادہ کچلوک اور تختابے ایک قلعے تک پہنچے جس کا نام اردش تھا، ان کے ساتھ جانثاروں کی کچھ نفری تھی جو ابھی تک ان کے وفادار

تھے۔ دونوں کا ارادہ اس قلعے میں ستانا اور آگے کی سوچنا تھا۔

وہ اب دوستوں کے درمیان تھے۔ گرد ونواح کے لوگ تختا کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہو گئے جلد ہی یہ بے گھر خان ایک متاثر کن فوج کا سربراہ تھا۔ اس فوج کی تعداد میں اس وقت اضافہ ہو گیا جب بوائے رک والی لڑائی سے جان بچا کر بھاگے لوگوں کی ایک قابل ذکر تعداد تختا بے سے آن ملی۔ یہ وہ لوگ تھے جو تختا کے فرار کے وقت اس سے علیحدہ ہو گئے تھے اور افراتفری میں جدھر جس کا منہ اٹھا وہ نکل بھاگا۔

ایسا لگتا ہے جیسے چنگیز خان کو ان پناہ گزینوں کے حال احوال کا پورا اندازہ نہ تھا کیونکہ اگلے سال کی آمد سے قبل اس نے ان کا تعاقب کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جیسے ہی اس نے سنا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کہاں ہیں، اس نے ایک مہم تیار کی اور ملک ارتش میں گھس گیا اور ان پر حملہ کر دیا۔ جب چنگیز اس سرزمین پر پہنچا سردی زوروں پر تھی۔ اس نے یہ مہم اس قدر جلدی میں اس لیے مرتب کی تھی تا کہ تختا بے اپنی قلعہ بندیاں مکمل نہ کر پائے اس نے یہ مشن مکمل کرنے کے لیے موسم گرما کا بھی انتظار نہ کیا۔ تختا بے اور اس کے ساتھیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ چنگیز اسی موسم میں آ رہا ہے تو وہ حیران پریشان رہ گئے۔ ان کی دفاعی تیاریاں ابھی تک نامکمل تھیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ وہ کھلے میدان میں چنگیز کے وحشی دستوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ان سب نے قلعے کے اندر اور نزدیک پناہ گاہیں تلاش کیں اور وہیں بیٹھ کر دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

اس عرض بلد میں سردی کا موسم نہایت شدید ہوتا تھا اور جس سرزمین سے چنگیز نے فوجوں کے ساتھ گزرنا تھا وہ خطرات سے بھرپور تھا۔ دریا کے جن کناروں کو چنگیز نے عبور کرنا تھا وہ برف سے لدے پھندے تھے اور باعث رکاوٹ تھے۔ برف کی وجہ سے راستے مسدود تھے اور گزرنا قریب ناممکن تھا۔ ان تک پہنچنا تو درکنار خانِ اعظم یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تختا بے اور اس کے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس خراب موسم میں ان تک رسائی حاصل کرنا ناممکن ہوتا اگر وہ قبائل جن کی زمینوں سے وہ گزر رہا تھا خان کو راستہ بتانے والے گائیڈ فراہم نہ کرتے۔ ان قبائل کو یہ خیال سوجھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کو شکست دے نہیں سکتے اور نہ وہ منگولوں کے ہاتھوں تباہی و بربادی کا خطرہ مول لینا چاہتے تھے چنانچہ انھوں نے خیریت اسی میں تصور کی کہ خانِ اعظم کا دل جیتا جائے اور اس مشکل میں اسے مدد فراہم کیجائے، چنانچہ انھوں نے گھڑ سوار فراہم کیے جنھوں نے منگول لشکر کو دریا کے ساتھ ساتھ برفانی راستے سے نکلنے کا راستہ دکھایا۔ ان گھڑ سواروں کی رہنمائی میں چنگیز خان آگے بڑھتا چلا گیا اور جلد ہی اردش کے قلعے تک پہنچ گیا اور تختا بے اور اس کے اتحادیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ان سے مقابلہ کریں۔ تختا کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ تختا اور اس کے اتحادی سرداروں کو موت کی نیند سلا دیا گیا لیکن شہزادہ ایک مرتبہ پھر جان بچا کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ہمراہ جانثاروں کی ایک جمعیت تھی جو مصائب برداشت کرتی کرتی ایک طاقتور شہزادے کی ریاستی حدود میں جا پہنچے۔ اس شہزادے کا نام گرکھان تھا وہ جس ملک کا حکمران تھا اس کا نام ''ترکستان'' تھا یہ کیسپین کے سمندر کی طرف ایشیا کے مغربی حصے میں واقع تھا۔ اس سرزمین کے باشندے ترک کہلاتے تھے جو بعد میں ایشیا کے مغربی حصے اور یورپ کے مشرقی حصے میں پھیل گئے تھے۔

گرکھان نے کچلک اور اس کی پارٹی کا استقبال بڑے دوستانہ انداز میں کیا۔ چنگیز نے ان کا تعاقب کیوں نہ کیا۔ آیا تعاقب اس لیے نہیں کیا گیا کہ فاصلہ بہت زیادہ اور کٹھن تھا یا گرکھان کی طاقت نے چنگیز کے بڑھتے قدم روک دیے کہ وہ ایک زیادہ طاقتور فوج کے بغیر اس کا

مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال یہ اندازے بغیر کسی ٹھوس شواہد کے ہیں۔ خان اردش میں اپنا قبضہ مضبوط کرنے اور علاقے کے تمام قبائل سے عہد تابعداری لے کر وطن واپس روانہ ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ مطیع ہونے والے قبائل میں ایک قبیلے کے سردار نے خان کو ایک نایاب پرندہ تحفے میں دیا۔ اس پرندے کا نام شونگر (Shongar) تھا۔ علاقے کی ایک قدیم روایت کی پیروی میں یہ تحفہ خاص الخاص شخصیات کو دیا جاتا تھا۔ یہ ایک بڑا اور زبردست پرندہ تھا جسے عقاب کی طرح تربیت دے کر سدھایا جا سکتا تھا۔ یہ پرندے مشرقِ وسطی کے شہزادوں اور یورپ کے امراء کی ملکیت ہوئے تھے۔ ایسا نظر آتا ہے کہ روایت یوں تھی کہ ایک ادنی خان اپنے سے برتر اور طاقتور خان کو ایسے پرندوں میں سے ایک تحفتاً پیش کرتا تھا۔ یہ اس بڑے خان کی برتری تسلیم کر لینے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ پرندے کو سونے اور قیمتی پتھروں سے مزین کیا جاتا تھا تا کہ تحفہ بیش قیمت بھی ہو جائے۔ چنگیز خان نے جس سردار سے یہ تحفہ قبول کیا تھا اس کا نام ارس انال تھا اور وہ ان میں سے تھا جنھوں نے اس جنگ کے بعد جس میں تختابے کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا، ارتش کی سرزمین میں چنگیز کی بالادستی کو تسلیم کر لیا تھا۔

ارس انال نے نایاب پرندے کا یہ تحفہ چنگیز کو خراجِ تحسین ادا کرنے اور اظہارِ اطاعت کے لیے ایک تقریب میں پیش کیا تھا۔ شہزادے کچلوک کی قسمت کا ستارہ پھر چمکا یا ڈوب گیا، اس بات کی خبر اگلے صفحات کے مطالعے سے ہوگی۔

اری کٹ

شہزادے کچلوک نے چنگیز سے بھاگ کر جہاں پناہ لی تھی وہ ترکستان کا شہزادہ گرکھان تھا گرکھان کے ماتحت ایک طاقتور اور بڑا قبیلہ تھا اس قبیلے کا سردار اری کٹ بھی ویسا ہی طاقتور اور بڑا تھا جیسا اس کا قبیلہ تھا۔ حوادثِ زمانہ اری کٹ کا قبیلہ گرکھان کا باجگزار تھا۔ اس مقصد کے لیے گرکھان نے اپنا ایک افسر اری کٹ کی سرزمین پر تاوان اکٹھا کرنے اور آگے بھیجنے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ اس تاوان کلیکٹر کا نام شواکم تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے دوسرے ٹیکس وصولنے والوں کی طرح مذکورہ ٹیکس کلیکٹر بھی ایک مقرر شدہ حد سے زیادہ وصول کرتا تھا۔ دنیا کی اس دور کی تاریخ میں حکومتوں نے جو طریقہ یا نظام اپنا رکھا تھا وہ زیرِ تسلط علاقوں سے تاوان وصول کرنا ہی نہیں تھا بلکہ ٹیکس کو پالنا تھا۔ کسی بھی علاقے کا جتنا ٹیکس بھی بنتا تھا اسے علاقے کے کسی امیر آدمی کو بیچ دیتے تھے جو اس رقم کی حاکم وقت کو ادائیگی کر دیتا تھا اور اپنی رقم بعد میں اپنے طریقے سے وصول کرتا تھا۔ ٹیکس اکٹھا کرنے کے اس کام میں اس کو جس قدر مشکل آئے یا نہ آئے اس کا سر درد تھا حکومت کا نہیں، ایسے معاملات میں عملی طور پر ہوتا یوں تھا کہ ٹھیکیدار لوگوں سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر لوگ حکومت سے شکایت کرتے تو انھیں شاید ہی کبھی انصاف ملا ہو کیونکہ حکومت جانتی تھی کہ اگر اس نے اب مداخلت کی یا ٹھیکیدار سے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو اگلے سال اسے اتنی موزوں شرائط پر ٹیکس اکٹھا نہیں ہو سکتا۔

ٹیکس پالنے کے اس منصوبے کے پس منظر میں ظلم و استبداد اور ناجائز وصولیوں کا بڑا دخل تھا۔ عموماً لوگ اس ظلم کو صبر سے برداشت کر جاتے تھے کیونکہ اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ جدید دور میں اور مہذب اقوام میں، یہ نظام ترک کر دیا گیا ہے۔ اب ٹیکسوں کی وصولی کا کام خود حکومت کرتی

ہے جس کی طرف سے اس کے مقرر کردہ افسران اس مقصد کے لیے بنائے قوانین کی روشنی میں کام کرتے ہیں۔ قانون کی رو سے ٹیکس اکٹھا کرنے والے افسران غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ اگر وہ ٹیکس مقررہ حد سے زیادہ اکٹھا کر لیتے ہیں تو اس کا فائدہ حکومت وقت کو پہنچتا ہے نہ کہ وصول کرنے والے افسران کو ٹیکس دینے والے کو اگر شکایت ہو تو وہ عدالت میں جا سکتا ہے۔ چاہے عدالت سے رجوع کرنا اس کے لیے باعث زحمت اور اضافی مالی بوجھ ہوتا ہے لیکن وہ امید کر سکتا ہے کہ اس کو انصاف مل جائے گا لیکن پرانے وقتوں کے نظام میں ایسا کوئی علاج ممکن نہ تھا۔ بادشاہ یا حاکم وقت سے اپیل کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ کچھ نہیں ہونا ہوتا تھا۔ ان شکایات پر کم ہی توجہ دی جاتی تھی کیونکہ حاکم کی ایسی خواہش نہ ہوتی تھی کہ ناجائز وصول کردہ رقم مالک کو واپس لوٹا دی جائے یا اس بات کی کھوج لگائی جائے کہ ٹیکس ناجائز وصول کیا گیا ہے۔ غریب ٹیکس دینے والا یہ جان لیتا تھا کہ جو عمال ٹیکس وصول کر رہے ہیں اور جو ایمپائر ان کی نگرانی کر رہا ہے، دونوں اس کو انصاف فراہم کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور وہ بیچارا ہی غلط رہے گا۔ چنانچہ وہ خاموشی اور صبر سے زندگی کی گاڑی کھینچتا۔ آج کے نظام میں ایسے مسائل کا تدارک موجود ہے لیکن صرف ترقی یافتہ اقوام میں ہی قانون کی پاسداری ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک میں آج بھی وہی صدیوں پرانا نظام کارفرما ہے۔ شاید آنے والی نسلوں میں سے کوئی اس کا تدارک کرے۔

تاریخ کے ساتھ ساتھ تاریخی نظام کے تذکرے کا مقصد قاری کو اس ماحول میں لے جانا تھا۔ اری کٹ کے علاقے میں جس افسر کے پاس ٹیکسوں کی وصولی کا کام تھا، اس کا نام شواکم تھا اور وہ ترکستان کے بادشاہ گرکھان کے لیے کام کرتا تھا۔ شواکم لوگوں پر بہت ظلم کرتا تھا اور مقررہ حد سے کہیں زیادہ بوجھ ٹیکس گزاروں کے اوپر لاد دیتا تھا۔ وہ یہ کام اپنے آقا کی خوشنودی کے لیے کرتا یا اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لیے یا زیادہ سے زیادہ رقم ترکستان بھیجنے کی کوشش کرتا، ان باتوں میں سے کسی کو ثابت کرنا مشکل ہے تمام مواقعوں پر لوگ شکایت کرتے نظر آتے۔ شواکم کے آقا گرکھان تک ان کی کوئی رسائی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنی شکایات اپنے خان اری کٹ کے پاس لے جاتے تھے۔

ارٹ کٹ نے شواکم سے باز پرس کی اور اسے سمجھایا کہ لوگوں سے نرم رویہ اختیار کیا جائے۔ شواکم نے اری کٹ کی اس مداخلت کا سخت برا منایا اور اسے برا بھلا کہہ کر دھمکیاں دیں۔ اری کٹ یہ سن کر پیچ پا ہوا۔ اسے اس بات کا بھی رنج تھا کہ اس کے لوگوں کو اس کی سرزمین پر ایک غیر ملکی شہزادے کی حاکمیت کو ماننا پڑتا تھا اور وہ جواب میں ان سے بے رحمانہ سلوک روا رکھتا تھا۔ ناعاقبت اندیش شواکم کے غیر حکمت والے جواب نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور چنگاری کو شعلہ بنا دیا۔

اری کٹ نے شواکم کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی اری کٹ نے اپنی سرزمین پر موجود گرکھان کے تمام افسروں کو جو شواکم کے کام میں اس کی مدد کرنے پر مامور تھے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ان افسروں کا قتل اری کٹ کی طرف سے گرکھان کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان تھا۔ اری کٹ نے اس واقعے سے جنم لینے والے حالات کا مقابلہ کرنے اور اپنا اور اپنے قبیلے کا دفاع کرنے کے لیے چنگیز خان کی ایمپائر میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے دو ایلچی/سفیر منگول بادشاہ کی طرف اپنی معروضات کے ساتھ بھیجے۔

مذکورہ سفیر محافظوں اور مصاحبین کی معیت میں منگول سرزمین میں داخل ہو گئے اور چنگیز خان کے روبرو پیش ہوئے۔ خان اس وقت کسی

قبیلے کی بغاوت فرو کرنے کے سلسلے میں پیش قدمی کر رہا تھا۔ان سفیروں کا استقبال بڑے پُر تپاک انداز میں کیا گیا۔تیکنیکی اعتبار سے خود چنگیز بھی اس وقت گرکھان کے خلاف کھلی جنگ کے لیے تیار نہ تھا یا شہزادہ کچلوک کے تعاقب میں گرکھان کے علاقوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ اس کام کو مستقبل قریب میں کسی موزوں وقت میں نمٹانا چاہتا تھا۔اس دوران وہ اپنے دشمن کو کمزور کرنا چاہتا تھا اور اس کا بہترین طریقہ تھا کہ دشمن کے باجگزار کم کیے جائیں کیونکہ دشمن کو ملنے والا تاوان ہی اس کی طاقت تھی۔ جیسے جیسے تاوان اور دوسرے ٹیکس کم ہوں گے دشمن ایک بھاری فوج تیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوگا۔

اس پالیسی کے تحت اس نے اری کٹ کے سفیروں کا استقبال انتہائی دوستانہ انداز میں کیا۔اس نے اری کٹ کی بھیجی تجاویز کو قبول کرلیا اور اظہار تشکر اور خلوص کے اظہار کے لیے اپنے دو سفیر اری کٹ کے سفیروں کے ساتھ واپسی کے سفر میں روانہ کیے اور یقین دلایا کہ اری کٹ کی حفاظت کی جائے گی۔

اری کٹ بہت خوش ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ مشن مکمل طور پر کامیاب رہا ہے۔ چنگیز کے مثبت اور دوستانہ رویے کو دیکھتے ہوئے اری کٹ نے فیصلہ کیا کہ وہ بنفس نفیس چنگیز کے دربار میں جا کر اس سے دوستی کے اس اتحاد کی تصدیق کرے گا۔اس نے قیمتی تحائف تیار کروائے اور محافظوں کے ساتھ چنگیز سے ملاقات کے لیے روانہ ہوگیا۔خان نے اس کا استقبال بھی نہایت گرم جوشی سے کیا۔اس نے اری کٹ کے تحائف قبول کیے اور اس کے رویے سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی ایک بیٹی اری کٹ کے ساتھ بیاہ دی۔

اب گرکھان کے کیمپ میں چلتے ہیں۔ جب اسے شواکم اور دوسرے عمال کے قتل کا علم ہوا، وہ غصے سے آگ بگولہ ہوگیا اور انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اعلان کیا کہ اری کٹ کے علاقوں میں آگ اور خون کا کھیل کھیلا جائے گا۔لیکن جب اسے بتایا گیا کہ اری کٹ نے خود کو چنگیز کی حفاظت میں دے دیا ہے اور خان نے اپنی بیٹی کی شادی اری کٹ سے کر دی ہے تو اسے اس اتحاد کی مضبوطی کا اندازہ ہوا۔ان حالات میں اس نے انتقام لینے کی یہ مہم کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دی کیونکہ وہ ایک بڑی طاقت (خان) سے الجھنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔اب جذبات پر عقل غالب آ گئی تھی۔

ادھر شہزادہ کچلوک کئی سالوں تک ترکستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں مقیم رہا۔اس نے اپنے محافظ گرکھان کی ایک بیٹی سے شادی کر لی تھی۔شہزادہ کچلوک اپنی قد آور شخصیت اعلیٰ نسبت اور شاندار فوجی صلاحیتوں کی بدولت مغربی ایشیا کے خانوں میں ایک معزز رتبے کا مالک تھا۔ ترکستان میں اس کے اعلیٰ روابط نے اس کو اکسایا اور اس نے گرکھان کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا اور اپنے محسن گرکھان کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے اس کی سلطنت کے آدھے سے زیادہ حصے پر قبضہ کرلیا۔اس نے ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور چنگیز خان کے خلاف جنگ کے لیے تیاری کرنے لگ گیا۔اس کے للکارنے پر چنگیز نے ایک چھوٹی جمعیت اس کے خلاف جنگ کے لیے بھیجی۔ یہ جمعیت کہنے کو چھوٹی تھی لیکن نظم وضبط کے اعتبار سے اعلیٰ پائے کی تھی،اس کی قیادت چنگیز کے بہترین جرنیلوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تھی۔اس جرنیل کا نام جینا تھا۔کشلوک بھی نڈر اور بے خوف تھا۔اس کی فوج جینا کی فوج سے تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ وہ بے خوفی سے جینا سے جا ٹکرایا لیکن کھلے میدان میں منگول شہ سواروں پر قابو پا کر انھیں

مغلوب کرنا اس دور میں نہایت مشکل تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ مخالف فوج کے پاس آہنی عزم ہو، اس کا نظم وضبط مثالی ہو اور اس کی قیادت اعلیٰ ہاتھوں میں ہو۔ بہرکیف کچلوک کو جنگ میں شکست ہوئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ میدان اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے تو تھوڑے سے گھڑسواروں کے ساتھ وہ بھاگ نکلا جو اس کو بحفاظت نکال کر لے گئے۔

جینا سبک رفتار گھوڑوں پر کچلوک کے پیچھے نکلا۔ کچلوک کے ہم رُکاب جنگ کے تھکے ہوئے تھے مزید یہ کہ تعاقب کا خوف ان کے سر پر تھا چنانچہ جلد ہی تھک کر اپنی رفتار اور رِدہم برقرار نہ رکھ سکے دوسری جانب جینا جوش وخروش کے انتہائی درجے پر تھا۔ اس کے پاس چنگیز کی ہدایات تھیں کہ کچلوک بچ کر نہ جانے پائے۔ جب کچلوک کا کوئی ساتھی آگے نکل گیا اور کوئی پیچھے رہ گیا تو وہ جینا کا آسانی سے شکار بن گئے۔ جینا ان کو ایک ایک کر کے کاٹتا چلا گیا۔ اب صرف تین فراری باقی رہ گئے تھے۔ یہ تینوں کچلوک کے ساتھ سائے کی طرح چپکے رہے اور اس وقت تک بھاگتے چلے گئے جب تک جینا اور اس کے دستے ان کے قدموں کے نشانوں سے بھٹک نہ گئے۔ آخر کار ایک ایسی جگہ پہنچنے پر جہاں دو سڑکیں ملتی تھیں، جینا نے ایک کسان سے دریافت کیا کہ کیا اس نے کسی اجنبی گھڑسوار کو یہاں سے گزرتے دیکھا ہے؟ کسان کا جواب تھا کہ چار گھڑسوار تھوڑی دیر قبل یہاں سے گزرے تھے، اس نے اس راستے کی نشاندہی کی جدھر وہ گئے تھے۔

جینا اور اس کے دستے کسان کی بتائی سمت کی طرف پہلے کی نسبت دوگنا رفتار کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ انھوں نے جلد ہی ان بگوڑوں کو جا لیا۔ انھوں نے نہایت بے رحمی سے کچلوک کو قابو کر لیا اور موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ انھوں نے اس کا سر قلم کیا اور چنگیز خان کو بھیجنے کے لیے واپس ہو لیے۔

چنگیز خان نے جینا کی کارکردگی کو سراہا اور اسے بھاری انعام سے نوازا۔ خان کے حکم پر کچلوک کا سر ایک کھمبے پر لٹکا دیا گیا اور اس کھمبے کو گاؤں گاؤں کوچہ کوچہ گھمایا گیا۔ جہاں جہاں سے کچلوک کبھی گزرا تھا۔ وہاں سے اس کے سر کو پھرایا گیا تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور منگولوں کو اپنی فتح پر فخر ہو۔

مہمات سے واپسی

1219ء میں خوارزم سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑوں کی زینیں کسنے سے پہلے، چنگیز نے وفاداروں کو دستوں کی تیاری کا کام کرنے کا حکم دیا تھا۔ پرانے وقتوں میں یہ وفادار وہ لوگ تھے جو بادشاہ وقت کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری رکھتے تھے جن کے بدلے انھیں زمینیں عطا کی جاتی تھیں۔ منگول پیغامبر ننگ سیا (Ning-Sia) کی طرف منگول احکام لے کر گئے، انھیں جواب ملا کہ اگر چنگیز اتنا طاقتور نہیں کہ خوارزم کے خلاف مہم جوئی کر سکے تو اسے تمام علاقے کی بادشاہت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ اگرچہ سیا مکمل طور پر تاتاریوں کی باجگزار ریاست نہ تھی، ٹنگٹ بادشاہ نے 1210ء میں چنگیز کے ہاتھوں شکست کے بعد اس کا دایاں ہاتھ بن کر مطیع رہنے کا وعدہ کیا تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ اپنی ماتحت حیثیت تسلیم کرنے کے لیے تیار تھا۔ اسی لمحے چنگیز نے خوارزم کی ممکنہ مہم جوئی کے پیش نظر سیا کے لیے خلاف کوئی تعرض نہ کیا، کیونکہ اس کی تمام تر توجہ اس اہم محاذ پر تھی جس کے بارے میں خود اسے یقین نہ تھا کہ جنگ کیا رخ اختیار کرے گی ننگ ہیا کی طرف اس کی یہ خاموشی 1225ء میں اس وقت ٹوٹی جب وہ منگولیا لوٹا اور اس نے ننگ ہیا کے مذکورہ ہتک آمیز جواب کا انتقام لینے کی تیاری شروع کردی۔

ہیا پر حملہ کرنے کی صرف یہ وجہ نہ تھی کہ انھوں نے چنگیز کی حمایت میں فوجی دستے بھیجنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ بن گئی تھی کہ 1225ء کے موسم خزاں میں، ٹنگٹ نے چن بادشاہ کے ساتھ ایک اتحاد تشکیل دے ڈالا تھا۔ ان دونوں کی مشترکہ فوجیں چنگیز کے لیے زبردست خطرہ بن سکتی تھیں۔ ننگ سیا والوں کی یہ حرکت نہایت دوررس تھی۔ چنگیز خان کے لیے فوری کرنے کا کام یہ تھا کہ ان کی فوجوں کو ملنے نہ دے۔ ٹنگٹ بادشاہ کو نکیل ڈالنے کے بعد، چن بادشاہ کی باری آتی۔ پلان کے دوسرے حصے پر عمل کرنے سے قبل ضروری تھا کہ اوردوس، شینسی اور کانسو پر مکمل کنٹرول حاصل کیا جائے، جنگ شروع کرنے سے قبل، چنگیز نے ٹنگٹ بادشاہ کی طرف پیغام بھیجا جس میں اس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک کو یرغمالی کے طور پر چنگیز کے حوالے کر دے۔ بادشاہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

اس مہم کے دوران، چنگیز خان نے اپنی تاتار بیوی یسوئی کو اپنے ہمراہ لے لیا، سوبیدائی، تولی، اس کا گورنر یہ لوچی ستائی، اس کا پرانا اور وفادار ساتھی بوگورجو اور اس کے شاندار جرنیلوں میں سے ایک بہترین سوبیدائی بھی اس کے ہم رکاب تھے چغتائی منگولیا میں ہی مقیم رہا۔ چنگیز ٹنگٹ کے خلاف مہم کو خاصی اہمیت دے رہا تھا۔ اپنی ڈھلتی عمر کے باوجود، اس نے خود فوج کی کمان سنبھالنے کا فیصلہ کیا، یہ فیصلہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ چنگیز کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں اس کی زندگی کے اختتام تک برقرار رہیں۔ قیادت سنبھالنے کے پیچھے جو مقاصد کارفرما تھے اس میں اس کی یہ سوچ نظر آتی ہے کہ چین جیسے آبادی سے لدے ملک میں لوگ حالات کا مقابلہ ڈٹ کر کرتے ہیں اس صورت حال میں مشکل پیش آ سکتی تھی۔ چن کے خلاف مہم ابھی باقی تھی اور ممکن تھا کہ سنگ کسی موقع کی تلاش میں ہوں۔ اس نے اس مہم کی کمان اپنے کسی بیٹے یا جرنیل کو نہیں سونپی۔ اگر اس نے اس

مہم کی کمان موکالی یا جیبی کو دی ہوتی تو کیا وہ زندہ بچتے یہ بھی ایک تاریخی سوال بنتا ہے؟

فوج کا مارچ 1226ء کے موسم خزاں یا بہار میں شروع ہوا اس بات کے ٹھوس شواہد نہیں ملتے۔ زیادہ امکان موسم بہار میں کوچ کے حکم کا ہے۔ چنگیز نے دریائے ہڈسن کے ساتھ واقع سرسبز علاقے کا رخ کیا یہ جگہ کراکوٹو کے شمال میں واقع تھی۔ اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے منگولوں نے سیا کے اندر داخل ہونے کا راستہ بنایا۔ مئی 1226ء میں وہ سوچو اور کان چو جیسے پہلے شہروں کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے، ٹنگٹ فوج نے پیچھے ہٹ کر شہر میں پناہ لی اور شہر کے دفاع کو مضبوط کرنے کی سعی کی۔ ان حالات میں منگولوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ انھیں کس جگہ اپنی توجہ مرکوز کرنی تھی۔ ان کے پاس محاصرے میں استعمال ہونے والی بہت سی مشینیں تھیں جو ان کے کام کو آسان بنا دیتی تھیں البتہ محاصرے والے حملوں میں وقت بہت صرف ہوتا تھا۔ سوچو میں داخلہ پانچ ہفتوں بعد ممکن ہو سکا جبکہ کان۔ چو کو گرانے میں پانچ مہینے لگ گئے۔ چونکہ موسم بہت گرم تھا، چنگیز نے نان شان کے شمال حصوں کی طرف پیش قدمی جاری رکھی راستے میں برفانی پہاڑ حائل تھے جن کی بلندی 5000 تا 6000 میٹر تھی، ان بلند و بالا پہاڑوں نے جنوب میں مزید پیش قدمی ناممکن بنا دی تھی۔ سیا میں جنگ کے دوران، منگولوں نے دہشت پھیلانے کی اپنی پالیسی برقرار رکھی اور بے رحمانہ مظالم کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ اگرچہ ٹنگٹ نے جان توڑ کر مزاحمت کی لیکن ان کے دشمنوں کے ظالمانہ طریقے کامیاب رہے۔ جب انھوں نے میدانوں میں انسانی لاشوں کے پشتے کے پشتے دیکھے تو بہت سے ٹنگٹ پہاڑوں اور غاروں میں چھپ گئے۔

خزاں کے موسم میں منگول فوج مشرق میں واقع لیانگ چو شہر کی طرف بڑھی اور اس کے گرد محاصرہ ڈال کر اس شہر پر تباہی نازل کرنا شروع کر دی۔ اس کے بعد وہ صحرائے آلاشن (Alashan) کے راستے لنگ چو شہر کی طرف بڑھے۔ یہ شہر بادشاہ کی رہائش کا مقام تھا جو زرد دریا کے مشرقی کنارے پر واقع تھا۔ سی سیا کے بادشاہ نے اپنے رہائشی شہر کو وحشیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک مضبوط فوج کے ساتھ حکمت عملی ترتیب دی لیکن چنگیز نے حریف کی حکمت عملی کو بھانپتے ہوئے، حکم دیا کہ فوج دریائے ہوآنگ عبور کر جائے اور ننگ سیاہ کی طرف سے بڑھنے والی فوج پر ہلہ بول دے۔ ٹنگٹ کے پاس اس حکمت عملی کا کوئی جواب نہ تھا چنانچہ انھیں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یقیناً جنگ فوجوں کے ساتھ ساتھ ذہنی جنگ بھی ہوتی ہے۔ جنگ Plan اور Counter plan کے نتیجے میں آگے بڑھتی اور ختم ہوتی ہے۔ جنگ صرف فوجوں کی نہیں ان کی قیادت کی بھی جنگ ہوتی ہے۔

چونکہ شدید سرد موسم ان کی طرف بڑھ رہا تھا جس کے ساتھ جنگ کرنے کا وہ کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے چنانچہ چنگیز نے لیاپ، این، شان کو اپنا مرکز بنایا اور قیام کیا۔ فروری 1227ء میں جنگ ننگ سیا پر فتح کے ساتھ دوبارہ شروع ہوئی۔ ننگ سیا کی اہمیت اس لحاظ سے زیادہ تھی کہ ٹنگٹ فوج کی ایک کثیر تعداد وہاں پڑاؤ کیے تھی۔ ان پر حملہ کرنا ننگ سیاہ کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگانا تھا۔ اس لمحے منگول فاتح نے خود کو اس قدر مضبوط پایا کہ اس نے اپنی بڑی فوج سے کچھ دستے دوسری مہمات کے لیے الگ کر دیے۔ سوبیدائی نے تاؤ کی وادی اور لین چو کے علاقے کو فتح کر لیا۔ سوبیدائی اور چاگن (ایک ٹنگٹ جرنیل تھا جو منگولوں کی ملازمت میں تھا) جنوبی سینسی اور وائی دریا کے ساتھ ساتھ چن کے علاقے میں گھس گئے۔ انھوں نے اپنے کچھ دستے چن لنگ کی پہاڑیوں تک بھی بھیجے اور چن کے صدر مقام کائی فینگ کی سیکورٹی کو للکارا۔ ان کی اس جارحانہ پالیسی نے چن بادشاہ کے

حوصلے کو متاثر کیا اور وہ امن کی نئی پیش کش کرنے پر مجبور ہوا۔

ایک جنگ کے دوران چنگیز خان کا گھوڑا بدک گیا، ایسا انتہائی غیر متوقع تھا، بوڑھا فاتح زمین پر گر پڑا اور اس کو زخم آئے۔ رات کے وقت اس کی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ یسوئی کو تولی اور دوسرے جرنیلوں کو بلانا پڑا کہ چنگیز کو شدید بخار ہے۔ ایک جرنیل نے تجویز پیش کی کہ منگولیہ واپسی اس وقت تک ترک کر دی جائے جب تک چنگیز کی حالت بہتر نہ ہو جائے۔ ٹنگٹ لوگ ہمارے کھیت کی مولی ہیں۔ جب چاہیں گے باندھ لیں گے۔ ان کو دی جانے والی سزائیں کسی اور موقع کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ کونسل کے دوسرے ارکان نے اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا لیکن چنگیز نے ایسی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا اگر منگول اس محاذ سے پیچھے ہٹیں گے تو ٹنگٹ سمجھیں گے کہ وہ بزدل ہیں اور ان کے حوصلے خوامخواہ بڑھیں گے۔ اس نے حکم دیا کہ ننگ سیا کی طرف ایک دوسرا سفیر بھیجا جائے تاکہ وہ چنگیز کی حاکمیت کا اقرار کر کے اس کی تسلی تشفی کر سکیں۔ لیکن جب مذکورہ سفیر کسی کامیابی کے بغیر لوٹ آیا تو فاتح عالم نے مہم جاری رکھنے کا حکم دے دیا۔

ننگ سیا کے محاصرے کے دوران، چنگیز خان لیپ۔ ان۔ شان میں ٹنگٹ کے علاقے میں مقیم رہا۔ ٹنگٹ بادشاہ جسے چینی تاریخ میں لی زائن کہا جاتا ہے، نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا لیکن جولائی، اگست 1227ء میں محاصرہ زدہ شہر میں خوراک کی رسد کم پڑ گئی تو اس کے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اسے چنگیز سے کسی رحم کی توقع نہ تھی، اسنے فاتح عالم سے ایک ماہ کی اجازت طلب کی تاکہ وہ فاتح کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تحائف تیار کر سکے۔

یے۔ لو۔ لیو کو جسے چنگیز نے 1212ء میں مقرر کیا تھا، 1220ء میں لیو۔ یانگ میں انتقال کر گیا تھا۔ لیو۔ یانگ سابق ختائی سلطنت کا آبائی وطن تھا۔ اس کے بعد اس کی بیوہ نے علاقے کا انتظام سنبھالا تھا۔ اس کا بیٹا اور جانشین چنگیز کے ہمراہ خوارزم اور سی۔ سیا کی جنگوں میں چنگیز کے شانہ بشانہ لڑے تھے۔ ننگ سیا کی فتح کے دوران، وہ محاصرہ کرنے والے دستوں میں سے ایک کا کمانڈار تھا۔ اس کی ماں نے چنگیز خان کو کہا کہ وہ اسے لیو کے ملک پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دے، ننگ سیا کی فتح کے بعد، پی۔ لو۔ لیو کیو کے بیٹے کو اپنے باپ کی جگہ دے دی گئی۔

دنیا سے واپسی

ننگ سیا کے محاصرے کے دوران، چنگیز کو معلوم ہوا کہ اس کے بڑے بیٹے جوچی کا فروری 1227ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ کلن باشی میں آخری مرتبہ ملنے کے بعد سے دونوں باپ بیٹے کے درمیان اختلافات کی مختلف کہانیوں نے جنم لیا تھا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ جوچی خود کو مکمل طور پر منگول سلطنت سے علیحدہ کر لینا چاہتا تھا اور اس نے باپ کی طرف سے اسے ملنے کی خواہش کا بھی لحاظ نہیں رکھا تھا۔ لیکن کچھ ذرائع اس خبر کی صداقت سے متفق نہیں ہیں، بقول ان کے باپ سے نہ ملنے کی وجہ جوچی کی بیماری تھی۔ اس کی موت سے ایک نقطے کی وضاحت ہو گئی کہ جوچی کی بیماری وجہ نہ تھی بلکہ چنگیز کے نزدیکی کئی لوگ جوچی کو چنگیز کی نظروں سے گرانے کا کام کر رہے تھے۔

اچانک تنگت (Tunguts) اور طمغاج کی طرف سے اطلاع ملی کہ بچے کھچے ختائی، مغربی چین کی شکست خوردہ فوج کا باقی ماندہ حصہ، ننگ ہیا اور ترک قبائل بغاوت پر آمادہ ہیں، دور افتادہ ہونے کے سبب، چنگیزی عاملوں کی گرفت ان علاقوں پر ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ یہ

علاقے ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ یہ خبر ملتے ہی چنگیز لوب کے راستے واپس مڑ گیا۔اب تنکت اس کی منزل تھی۔

جب فاتح عالم تنکت پہنچا تو وہاں فضا مخالف تھی۔اس سے قبل اس نے کئی مرتبہ اس ملک پر یلغار کی تھی لیکن اسے فتح نہ کرسکا، وہاں کا عامل تنگری خان کہلاتا تھا، مال و زر کی بہتات، کثرتِ سامانِ حرب اور لشکر کی وجہ سے وہ تنگری خان کہلاتا تھا۔طبعاً اور مزاجاً دلیر اور جری تھا۔اب کی بار جب چنگیز اور اس کا آمنا سامنا ہوا تو چنگیز اسلامی ممالک کی کامیاب مہمات سے لوٹ کر آیا تھا، اس کا جنگی مورال آسمان پر تھا۔ان حالات میں تنگری خان نے اپنے سرداروں سے مشورہ کیا کہ چنگیز خان طمغاج کی طرف جا رہا ہے۔اس کا مقصد التون خان پر چڑھائی ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اس سے صلح کرلیں اور التون خان کے خلاف اس کا ساتھ دیں۔اس کی رائے پر تمام سرداران نے حامی بھرلی۔چنگیز خان سے مذاکرات ہوئے۔دونوں حریفوں میں دوستی کا معاہدہ ہوا اور حریف حلیف بن گئے۔یہ مشرق اور مغرب کا ملاپ تھا جو کبھی نہیں ہوسکتا۔تنگری خان کا یہ اقدام اور سوچ جنگی اور بہادری کے تقاضوں کے برعکس تھی۔اس کے بعد تنگری خان کا لشکر چنگیز کے لشکر کے ساتھ مل گیا اور تنگری خان چنگیز خان کے دربار میں آ گیا۔

دونوں لشکروں کی منزل چین، اور ختا تھی۔دریائے قراقرم عبور کرنے کے بعد دونوں لشکر خطا پر نظریں گاڑھے تھے۔منگول دانشوروں نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ اگر خطا میں انھیں مشکل پڑی تو ان کی فوج کے اندر ایک دشمن یعنی تنگری خان کی طرف سے ان پر حملے کا خطرہ منڈلاتا رہے گا۔اگر ایسا ہوا تو ہم میں سے کوئی زندہ اپنے وطن نہ پہنچ پائے گا۔بہتر یہ ہوگا کہ تنگری کا خاتمہ کر دیا جائے، اس خوف سے نجات حاصل کرنے پر ہی ختا پر چڑھائی کی جائے۔چنگیز خان نے ان کے مشورے کو قبول کیا اور تنگری خان کو گرفتار کر لیا گیا، اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا حکم دے دیا گیا۔اس فیصلے سے یہ نظریہ درست ثابت ہوا کہ دنیا کی سپر پاور اپنا مفاد ملحوظِ خاطر رکھتی ہے کوئی معاہدہ یا عہد و پیمان نہیں۔

جب تنگری خان قید خانے میں زندگی کے دن گن رہا تھا تو اس نے اردگرد کے لوگوں سے کہا کہ میری یہ بات چنگیز خان تک پہنچا دیں کہ اس نے میرے ساتھ کیے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے، اس طرح وہ غداری کا مرتکب ہوا ہے۔اسے کہہ دو کہ یاد رکھے اگر مجھے قتل کر دیا اور میرے مرنے پر میرے جسم سے دودھ کی طرح سفید خون نکلے تو میری موت کے تین روز کے اندر اندر چنگیز بھی مر جائے گا۔

چنانچہ یہ بات چنگیز خان تک پہنچا دی گئی۔چنگیز نے یہ سنا تو بے اختیار چلا اٹھا کہ بلاشبہ یہ شخص پاگل ہے۔کسی کو قتل کیے جانے پر سرخ رنگ کا خون نکلتا ہے سفید نہیں۔کہا جاتا ہے جب تنگری پر تلوار کا وار کیا گیا تو زخم سے جو خون نکلا وہ سرخ نہیں بلکہ سفید رنگ کا تھا۔بہرحال تنگری خان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی لیکن چنگیز کے لیے کئی سوال چھوڑ گئی۔یہ خبر چنگیز خان تک پہنچائی گئی تو وہ خود موقع پر تنگری خان کی لاش دیکھنے گیا۔سفید خون دیکھ کر اس کا دل دہل گیا اور اس دن کے بعد اس کی جسمانی قوت اور بصیرت ماند پڑنے لگی تیسرے دن وہ دل کی درد سے کراہتا ہوا اس جہانِ فانی سے چل بسا۔

منہاج السراج اس واقعے کی تصدیق کرتا ہے لیکن ہیرالڈیم نے چنگیز کی موت کو بیماری کا نتیجہ قرار دیا ہے۔اس کی اس بیماری میں اس کے لاڈلے بیٹے جوچی کی موت کا بڑا دخل تھا۔اس خبر نے چنگیز کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ہزاروں لاکھوں انسانوں کو خون کا غسل دینے والے کو لمحے بھر کے لیے احساس ہوا کہ موت کیا ہوتی ہے۔جب اس کے ایک حکم پر اَن گنت انسانی رشتے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا، بیٹوں کی آنکھوں کے سامنے

بوڑھے والدین زمین پر بوجھ قرار دے کر مار ڈالے گئے، بھائیوں کی موجودگی میں ان کی بہنوں کو ریوڑیوں کی طرح بانٹا گیا، فلک آج اپنی چشم سے چنگیز کو اپنے بیٹے کی موت پر چھپ کر آنسو بہاتے دیکھ رہا تھا۔

چنگیز نے خود کو کمزوری سے بچانے کے لیے اپنے ذہن کو سمجھایا کہ میں نے زندگی میں جو کیا ٹھیک کیا۔ اس ایک لمحے نے چنگیز خان کو وہ جھٹکا لگایا کہ خاقانِ اعظم ساری چوکڑیاں بھول کر لمبا لیٹ گیا۔ اس دن سے اسے چپ لگ گئی جیسے کوئی چیز اسے گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ وہ اس کی موت کے غم میں اندر ہی اندر گھل گیا تھا۔ غم نے اسے نڈھال کر دیا تھا چنانچہ جب سوبیدائی کا بیٹا مارا گیا تو وہ اپنے غم کو چھپا نہ سکا۔ اس کے الفاظ جو اس نے اپنے بیٹے سوبیدائی سے کہے تاریخ کا حصہ ہیں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس کی موت پر ماتم نہ کرو۔'' ان دونوں واقعات کی منہاج السراج بھی تصدیق کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

تاریخ کہتی ہے کہ چنگیز خان شکار کھیلتے ہوئے گھوڑی سے گر گیا تھا جس سے اس کا معدہ متاثر ہوا تھا۔ بظاہر اس کو کوئی بڑا زخم نہیں آیا تھا لیکن آرام نہ کرنے کے سبب اس کا مرض بگڑتا گیا، اس وقت وہ زرد دریا کے کنارے ایک مہم میں مصروف تھا۔ یہ مہم اس کی زندگی کی یادگار مہم تھی۔

ان واقعات پر ملے جلے ردعمل کے تذکرے کے بعد تاریخ کے تسلسل کی طرف چلتے ہیں۔ جب چنگیز پر موت کا سایہ منڈلا رہا تھا۔ اس کی عمر تہتر برس کے قریب ہو چکی تھی۔ کہتے ہیں اس نے خواب بھی دیکھا تھا جس میں موت کا اشارہ تھا۔ اس نے چغتائی کے علاوہ اپنے تمام بیٹوں کو طلب کیا۔ دوسری طرف اس نے اردو کے فوجی کمانداروں کو بلا کر ہدایات دیں، اس کی آواز کی کمزوری اور نقاہت کے سبب کمانڈر دوزانو بیٹھ کر بغور سن رہے تھے۔ وقت کا مشہور شاعر اور تاتاری فوج کا سپاہی کلیوجن اس وقت اس فاتح عالم کے آخری لمحات میں اس کے پاس موجود تھا، چنگیز نے کلیوجن کو بورتی (چنگیز کی بیوی) کی خصوصی نگہداشت کی تاکید کی، اس نے سنگ کی سلطنت کے خلاف جاری مہم کے سلسلے میں ہدایات دیں کہ جنگ کو کس طرح جاری رکھنا ہے، یہ جنگ اس کی زندگی میں ختم نہ ہو پائی تھی۔ چنگیز نے مرتے وقت بادشاہت اوکتائی کے حوالے کی جبکہ مشرق میں چغتائی اور مغرب میں تولی کو حاکم مقرر کیا گیا۔ اوکتائی ان سب کا خاقان بنایا گیا۔ چنگیز کی وصیت کے مطابق تولی نے تنگری خان کے ملک کے تمام مرد و زن چھوٹے بڑے تلوار کی نوک پر پرو دیے اور زندگی کسی کو بھیک میں بھی نہ دی۔ اس طرح یہ فاتح عالم مرتے وقت بھی ہزاروں کے خون سے غسل کر کے راہی عدم ہوا۔ ورثے میں وہ اپنی اولاد کے لیے ایک بڑی سلطنت اور ایک خونخوار فوج چھوڑ گیا۔

مرنے سے قبل چنگیز نے ٹنگٹ بادشاہ کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم دیا تھا۔ بادشاہ لی۔ سین کا ایک دوسرا نام بھی تھا یعنی ایلو کو برکان جس کا مطلب تھا ''بلند مرتبے پر اٹھایا جانے والا بدھا۔'' بدھ مت کے سیاسی نظام میں بادشاہ ہی ریاست کے مذہبی رہنما بھی ہوتے تھے۔ اس ممکنہ خیال کو رد کرنے کے لیے کہ منگول بدھ مت کے خلاف ہو گئے ہیں، کیونکہ جب ان کا اعلیٰ مرتبے پر فائز بدھ قتل کر دیا جائے گا تو ایسا ہی خیال لوگوں کے اذہان میں گردش کرے گا۔ چنگیز نے ایلو کو برکان کا نام تبدیل کر کے شی درکو رکھ دیا جس کا مطلب تھا ''وفادار پیروکار۔'' اس طریقے سے اس کی پوزیشن گھٹا دی گئی تاکہ پتہ چلے کہ بدھا نہیں مارا گیا بلکہ ایک وفادار مارا گیا ہے۔

چنگیز کی وصیت کے مطابق اس کی موت کو راز میں رکھا گیا تاکہ دشمنوں کو موقع نہ مل سکے اور فوج کے مورال پر اثر نہ پڑے۔ اس کی موت

کی خبر چنگیز کے رہائشی خیمے تک محدود کر دی گئی۔ ایک نیزہ اس کے خیمے کے سامنے زمین میں گاڑ دیا گیا جس کی کرنی زمین میں دھنسی ہوئی تھی ملاقاتی اور قاصد جو ملنا چاہتے تھے، ان کو محافظ اس طرف نہیں آنے دیتے تھے۔ سردارانِ لشکر اسی معمول سے خیمے میں آتے جاتے نظر آتے تھے جیسے وہ بیمار پڑے خاقان سے ہدایات لینے کے لیے آتے جاتے تھے یہ ان کے فوجی نظم ونسق کا معمول تھا۔ اسی اثنا میں ہسیا والوں کا محاصرہ جاری تھا اور اہل شہر کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ خاقانِ اعظم اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ مزاحمت بے سود پا کر ہسیا والوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور ہسیا کا بادشاہ اپنے سرداروں کے ہمراہ چنگیز سے ملنے اردو پہنچ گیا۔ چنگیز خان کی وصیت کے مطابق اس وفد کی خوب پذیرائی کی گئی، اعزازات سے نوازا گیا، تاتاری جرنیلوں کی صف میں بٹھایا گیا۔ اس کا بعد ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ منگول فوج شہر پر ٹوٹ پڑی اور ہر ذی روح کو موت کی وادی میں دھکیل دیا گیا۔

اب چنگیز خان کی لاش کو وطن گوبی واپس لانا تھا، اس شخص کو جسے کوئی شکست نہ دے سکا اور وہ جس کے پیچھے پڑ گیا اس کو موت کی وادی میں دھکیلتا گیا۔ دفن کرنے سے قبل اس کی وصیت کے مطابق، چنگیز کی لاش کو اس کی بیوی بورتی اور اس کی قوم کو دکھانا تھا۔

تموجن چنگیز خان کی وفات سنگ میں ہوئی۔ اس کے اور وطن کے درمیان بنجر میدان اور ریگستان تھے۔ ایک روایت کے مطابق جو شخص راستے میں آیا، جان سے ہاتھ دھوتا گیا تاکہ جنازے کی خبر پہلے وطن نہ پہنچ پائے ایک روایت کی رو سے منگولیا کی حدود میں جو شخص چنگیز خان کے جنازے کے سامنے آیا، اسے قتل کر دیا گیا، عقیدہ یہ تھا کہ یہ مقتول اگلے جہان میں خاقان کی خدمت کرے گا۔ راستے بھر میں منگول سپاہ ماتمی گیت گاتے جاتے تھے۔ اس ماتمی گیت کے الفاظ کچھ یوں تھے:

کبھی تو شاہین کی طرح جھپٹتا تھا

اب ایک کمزور سی گاڑی پر پڑے ہو جو تمھیں گھسیٹ رہی ہے

او میرے خان! او میرے خان!

کیا تم واقعی اپنی بیوی، بچوں اور صلاح کاروں کو چھوڑ گئے ہو؟

او میرے خان!

تم ہمیں چھوڑ کر کیوں چل دیے۔

فرحت جذبات میں منگول یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اب ان کا خاقان ان کے قومی نشان کے آگے کبھی نہ چل سکے گا۔ اب وہ عقاب کی طرح جھپٹتا نظر نہیں آئے گا۔

اب چنگیز کی موت کی خبر تمام سرداروں کو پہنچ چکی تھی، خاقان کی لاش دیدارِ عام کے لیے تین ماہ تک اس کی جنم بھومی میں پڑی رہی۔ چنگیز نے اپنی قبر کے لیے جس جنگل اور پہاڑی کا انتخاب کیا تھا، اس پہاڑی کا نام خان کلدون (خدا کی پہاڑی) تھا ایک مغل دستہ جسے فوجی خدمت معاف کر دی گئی تھی، مغل خاقان کی قبر کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا مبادا آنے والے وقتوں میں کوئی چنگیز کی لاش اس کی قبر کھود کر نکال نہ لے۔

مغربی مورخین کے مطابق چنگیز خان کی تدفین کے موقع پر سینکڑوں جانوروں کی قربانی اور ان کو سر سے سر تک دفن کیا گیا۔ علاقے میں خوشبو بکھیری جاتی رہی۔ علاقے کی زرخیزی کے سبب پہاڑی جلد ہی گھنے جنگل میں چھپ گئی اور خود حفاظتی دستہ بھی چنگیز کی قبر شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ قبر کی نشانی بتانے والے بھی مر کھپ گئے اور نشان بتانے والا بھی کوئی نہ بچا۔ آج اس کی قبر کا کوئی نشان باقی نہیں رہا! انسانیت کی خدمت کرنے اور اس کی فلاح چاہنے والوں کی قبروں پر آج بھی پھول چڑھائے جاتے ہیں اور ہر مذہب کے ماننے والے ان کی تعظیم کرتے ہیں لیکن وہ جنھوں نے انسانیت کا خون نچوڑا وہ چاہے چنگیز ہو یا تیمور یا کوئی اور بنی نوع انسان کے دوست قرار نہیں دیے جا سکتے۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ سے متنازعہ رہے ہیں اور متنازعہ رہیں گے۔ یہی فرق رچرڈ شیر دل اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا نظر آتا ہے۔ دونوں بہادری میں اپنی مثال آپ تھے لیکن رچرڈ شیر دل کا مزاج انسانیت پرستی نہیں تھا جبکہ مغربی اور مشرقی دونوں اطراف کے مورخین سلطان صلاح الدین کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ منگول حملوں نے مشرق اور مغرب کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ یہ دو تہذیبوں کا ایک دوسرے سے تعارف تھا البتہ تعارف کا طریقہ غلط تھا۔

چنگیز کی وفات کا موازنہ انسانی تاریخ کے نامور جنگجوؤں سے کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ نپولین کا انتقال بھی وطن سے دور ہوا لیکن اس کے جسد خاکی کو وطن واپس لایا گیا اور شان و شوکت سے Less Imvalidies میں دفن کیا گیا۔ اس کی قبر پر ایک تاریخی گنبد تعمیر کیا گیا۔ سکندرِ اعظم استنبول ترکی کے کلاسیکی عجائب گھر میں شان سے موجود ہے۔ امیر تیمور سمرقند میں مدفون ہے۔ اس اعتبار سے چنگیز کا انجام فخریہ نہیں ہے لیکن ایک بات کا کریڈٹ اس کو ضرور جاتا ہے کہ جنگلی زندگی گزارنے والے منگول قبائل جو ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے، اس نے ان سب کو ایک جھنڈے کے نیچے کھڑا کر کے ایک مارشل قوم بنا دیا جس نے دنیا کی دو عظیم تہذیبوں سے ٹکر لی۔ یہی تاتار جنھیں دنیا غریب اور وحشی خانہ بدوش سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی، منگول کہلوانے پر فخر کرتے تھے۔ دنیا بھر کی جنگی مہمات کا تذکرہ جب بھی آئے گا، چنگیز کے بغیر نامکمل ہوگا۔

چنگیز کا انتقال سن 18 اگست 1227ء (624ھ 4 رمضان) میں ہوا۔ قمری مہینے کے حساب سے اس کی عمر 74 سال نو مہینے اور تیرہ دن تھی۔ چنگیز کے حکم سے پتھر کا ایک ستون یادگار کے طور پر نصب کیا گیا جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

''میں پھر سادگی کی طرف لوٹتا ہوں
میں پھر پاکیزگی پر یقین رکھتا ہوں''

تموجن چنگیز خان

چنگیز کا مقبرہ

لندن کے ایک اخبار میں ایک مضمون چھاپہ گیا جس میں پروفیسر پیٹر کوزلوف کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے کہ اس پروفیسر نے عظیم منگول فاتح کے دفن والی جگہ کی شناخت کر لی ہے۔ اس انکشاف نے حلقہ ارباب ذوق تاریخ میں سنسنی دوڑا دی۔ اس رپورٹ کی بعد میں تردید کی گئی۔ پروفیسر لوزلوف نے لیننن گراڈ سے کیبل کر کے اس رپورٹ کی صحت سے انکار کیا۔ نیویارک ٹائمز نے 11 نومبر 1927 کو اس کیبل پیغام کو چھاپہ۔

پروفیسر لوزلوف نے 26-1925ء میں جنوبی گوبی صحرا میں کاراکھوٹو کی مبینہ جگہ کا دورہ کیا اور ابتدائی شواہد اور ذاتی مشاہدہ کی بناء پر نتیجہ نکالا کہ چنگیز خان کا مرقد کس مخصوص جگہ پر ہے، اس کی نشاندہی کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس گم شدہ مرقد کے بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ مارکوپولو اس مرقد کا تذکرہ نہایت مبہم انداز میں کرتا ہے اور بعد کے مغل حکمرانوں کے مقبروں میں سے ایک کو قرار دیتا ہے۔

رشید الدین کا کہنا ہے کہ چنگیز خان اُرگا کے نزدیک یاکاروک نامی پہاڑی پر دفن تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جس کا ذکر سانگ سیٹرن نے بھی کیا ہے۔ کئی مورخین اس پہاڑی کو خانولا کے نام سے شناخت کرتے ہیں لیکن یہ تمام دعوے مشکوک ہیں۔

آرچیمینڈ رائیٹ پلاڈیس کا کہنا ہے کہ چنگیز خان کے مرقد کے بارے میں منگول دور کے کاغذات میں درج علامتیں صحیح اور قابل اعتماد نہیں ہیں۔

ایک زیادہ جدید روایت جو E.T.C.Werner سے منسوب ہے وہ فاتح کے مقبرے کو منگول سرزمین میں ایجن کورو کے مقام پر بیان کرتی ہے سال کے تیسرے مہینے کے اکیسویں دن اس مخصوص جگہ پر منگول شہزادوں کی طرف سے ایک رسم ادا کی جاتی ہے۔ عظیم خان کی باقیات اس کے گھوڑے کی زین، کمان اور دوسری اشیاء اس جگہ پر لائی جاتی ہیں جہاں اسے دفن کیا گیا تھا۔ اس جگہ پر کوئی مقبرہ نہ تھا بلکہ پتھر جوڑ کر ایک چار دیواری بنادی گئی تھی اس جگہ پر دو سفید رنگ کے شامیانے نصب تھے۔ کہا جاتا تھا کہ ان میں پتھر کا ایک باکس تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا اس باکس میں کیا ہے؟

مسٹر ورنر اس خیال سے اتفاق کرتا ہے کہ منگول فاتح کے مدفن کی حفاظت پر پانچ سو منگول خاندان مامور ہیں اور ان محافظوں کو خصوصی اختیارات تفویض کیے گئے ہیں۔ یہ جگہ جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے عظیم دیوار کے پار واقع ہے، ہوآ نگ شہر کے جنوب میں 40 طول البلد شمالاً اور 109 لمبائی مشرقاً ہے۔

اس خیال میں وزن پیدا کرنے کے لیے وہ چنگیز خان کی اولاد میں سے کلاچن کے منگول شہزادے کا ایک بیان تحریر کرتا ہے اور شاید یہ بیان مختلف اخبارات میں چھپنے والے مبہم اور متضاد واقعات کی نسبت بہتر شہادت فراہم کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب 1229ء میں اوگولائی کو عظیم خان کے منصب پر فائز کیا گیا تو اس کے حکم پر اعلیٰ خاندانوں کی چالیس خوبرو لڑکیوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا جنھیں قیمتی اور لباس فاخرہ پہنا کر فاتح عالم کی قبر پر لیجا کر قربان کر دیا گیا تا کہ وہ اگلے جہان میں اس کی روح سے ملاقات کر کے اس کی سیوا کر سکیں۔ منتخب گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد کو بھی قربان کیا گیا۔ چنگیز کی مرگھٹ والی جگہ پر بہت سے اور چنگیز کے چاہنے والوں کی بھی قبریں بنا کر اسی طریقے پر زمین کے برابر کر دیں گئیں جس طرح چنگیز کی قبر پر گھوڑے چلا کر زمین کے برابر سطح ہموار کر دی گئی تھی۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ تولی، اس کی بیوی سور کگتنی اور ان کے دو بیٹے مونگ کے اور اریق بوکے برکان کلدون بھی اس مخصوص جگہ پر مدفون ہیں۔

منگول انتظام سلطنت

Mongol System of Administration

انتظام سلطنت

خانہ بدوش سلطنتیں قبیلوں کا ایک ڈھیلا ڈھالا اجتماع ہوتا ہے جو کسی خطرے کی صورت میں مشترکہ دفاع کی ضرورت کے تحت قائم کیا جاتا ہے یا کسی جنگی مہم کی مشق کرنے کے لیے ہوتا ہے کیونکہ خانہ بدوشوں کی زندگی ہمیشہ متحرک رہتی ہے، ان کی اس مخصوص فطرت کے سبب ان خانہ بدوش قبائل کا کسی پختہ ڈھانچے کو تشکیل دینا اور پھر اسے برقرار رکھنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ مزید براں ہر قبیلہ اپنی خودمختاری اور آزادی کے ضمن میں خاصا حساس ہوتا ہے، ان حالات میں جنم لینے والا اتحاد مستحکم نہیں ہوتا اور جتنی تیزی سے اتحاد وجود میں آتے ہیں اتنی ہی تیزی سے بکھر جاتے ہیں۔ چنگیز کے عہد میں کوئی ایک قبیلہ اس قدر مضبوط نہ تھا۔ جیسا کبھی ہوا کرتا تھا۔ چنگیز نے مسلسل بدلتے اس خانہ بدوش سیاسی نظام کا خاتمہ کر دیا۔

اس نظام کے تحت، فوج منضبط تھی۔ تمام منگول قوم مختلف خاندانوں کی اکائیوں (Units) میں منقسم تھے، یہ خاندان دس، ایک سو، ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ نظام تھا جو گولڈن گلے کے سرداروں نے روس کی آبادی پر نافذ کیا تھا۔ ایک مرتبہ کسی شخص کا نام ایسے ہی کسی یونٹ میں لکھ دیا جاتا تو اسے اس وابستگی سے چھٹکارا پانے کی اجازت نہ تھی چاہے موت آ جائے۔ کارپنی اس نظام کے بارے میں لکھتا ہے کہ تاتار بادشاہ اپنی رعایا پر حیران کن طاقت کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ کسی شخص کو جرأت نہ تھی کہ وہ سلطنت میں کہیں جا کر آباد ہو جائے، اس کے لیے بادشاہ کی براہِ راست اجازت کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ سرداروں کی رہائش گاہوں کے بارے میں خود احکامات جاری کرتا تھا، یہ سردار اپنے ماتحتوں کے بارے میں احکام جاری کرتے تھے جوان کے لیے "ہزاروں" اور "دس" کی رہائش گاہوں کو کنٹرول کرتے تھے۔ اس نظام کے تحت ریاست پر مرکز کا کنٹرول تھا یعنی جوینی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس نظام میں جو نئی بات تھی وہ ان دس یا سو یا ہزاروں کے یونٹ لیڈروں کا تقرر تھا۔ جس کی بدولت پلاننگ پر عمل درآمد کی راہ ہموار ہوتی اور احکام کی برق رفتار ترسیل ممکن ہوتی۔

آبادی کا دس (Decimal) کی ترتیب سے یونٹوں میں اکٹھا کرنا روایتی قبائلی نظام کی نفی تھی، یہ ماضی سے ناطہ توڑنے کے مترادف تھا۔ ان یونٹوں کے لیڈر حاکم وقت کی آنکھ کی پتلی کی حرکت کے محتاج تھے یعنی آنکھ کے اشارے سے تقرر اور اسی اشارے سے بیدخلی، تقرری موروثی تھی عوام کو ان کی تابعداری اور جی حضوری کرنا ہوتی تھی جو کسی فوجی یونٹ سے متعلق ہوتے تھے وہ کمانڈر کو ٹیکس دینے اور اس کے لیے محنت، مشقت کرنے پر مجبور تھے، اگر ضروری سمجھا جاتا تو انھیں کسی دوسرے کمانڈر کے ماتحت تبدیل کر دیا جاتا تھا۔ زبردست فوجی نظم وضبط کے بندھنوں نے منگولوں کی آزادی اور خودمختاری کی نس کو پھڑکنے سے روک رکھا تھا۔ قریبی ساتھیوں (نوکوڈ Nokhod) کو حفاظتی گارڈ میں لے کر باقاعدہ فوجی

خدمات کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ حفاظتی دستہ کیشگ (Keshig) ایک اعلیٰ ذات کا گروہ مانا جاتا تھا جس کی تعداد بڑھتے بڑھتے دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ حفاظتی دستے کا کام صرف حاکم کی حفاظت نہ تھا بلکہ طاقت کا ایسا ہتھیار تھا جسے کسی بھی وقت کسی بھی مشکل کے سدباب کے لیے طلب کیا جا سکتا تھا۔

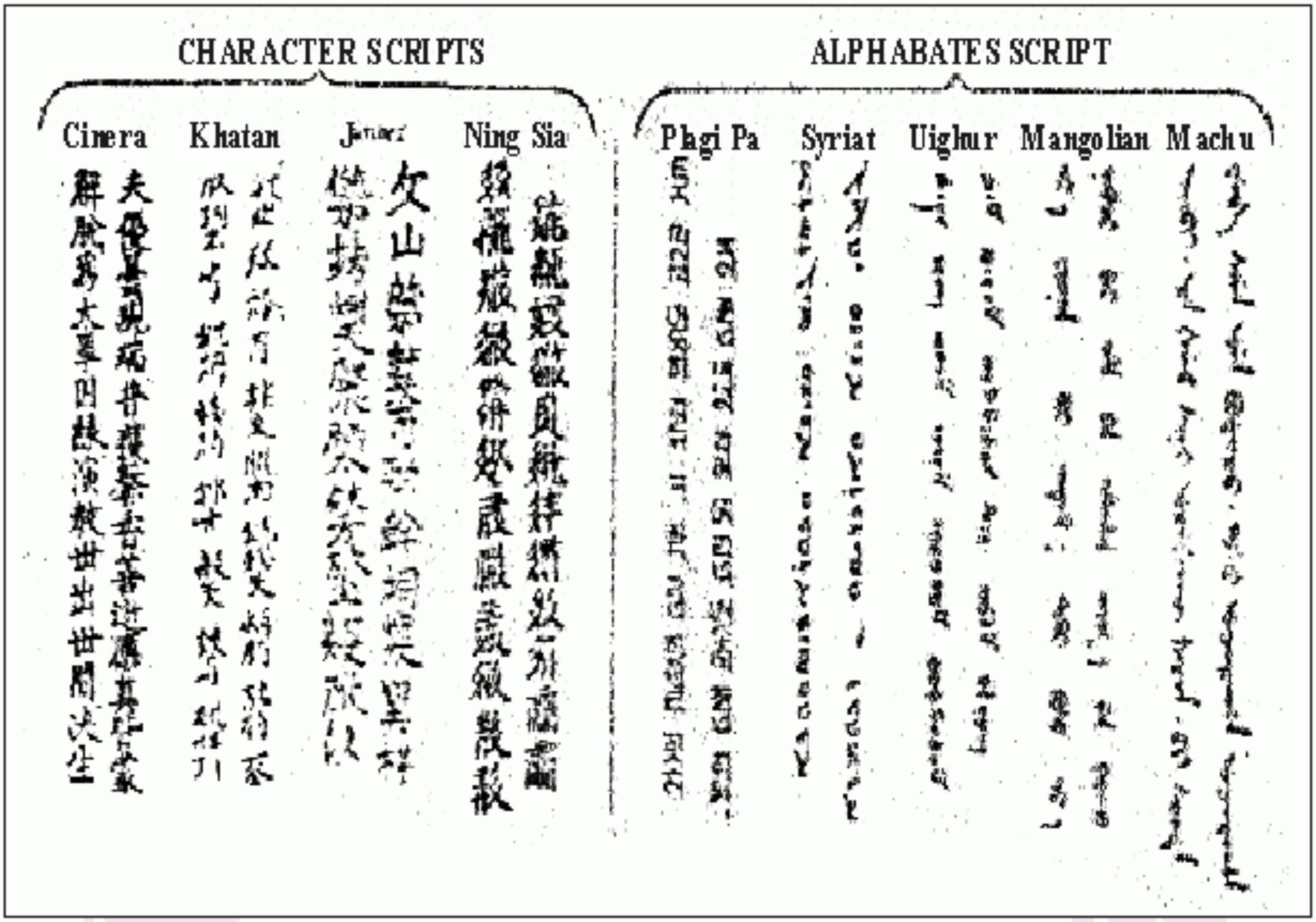

منگولوں کا قدیم رسم الخط

چنگیز خان خود کو صحرا کی روایات سے مکمل طور پر جدا نہ کر پایا تھا۔ وہ مفتوح لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے افراد کے طور پر تصور کرتا اور انھیں اپنے قبیلے کے چیدہ افراد اور اعلیٰ کارکردگی پیش کرنے والے کمانڈروں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اس نے اپنی اتھارٹی کو ملک بھر میں اپنے بیٹوں میں منتقل کر دیا تھا لیکن اس شرط پر کہ انھیں اپنا ہمسایہ ملکوں تک اپنی حکمرانی کا دائرہ بڑھانا چاہیے۔ سلطنت کی وسعت اس اقدام کی متقاضی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ اختیارات کی تقسیم (Delegation of power) کی ایک مثال تھی جس کے تحت دور دراز کی ریاستوں کو سلطنت کا حصہ رکھتے ہوئے بھی خودمختاری (Autonomy) دے دی گئی تھی۔

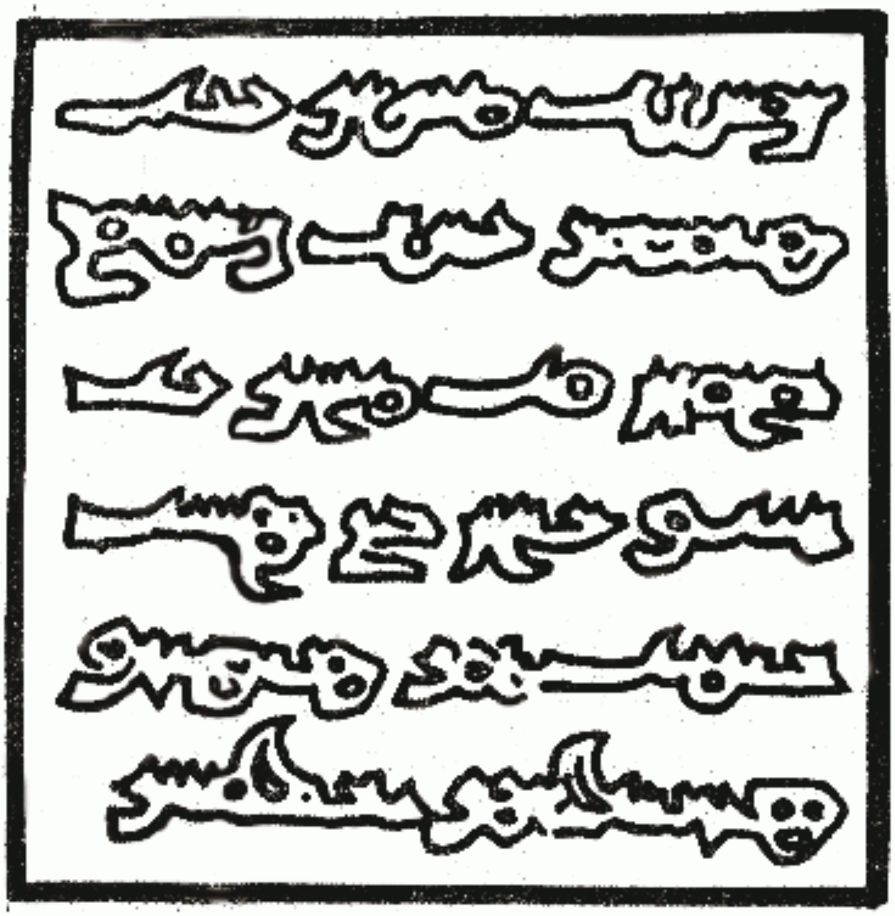

منگول خان کی شاہی مہر کا عکس

چنگیز کے تمام بیٹے ایک مرکزی کنٹرول کے ماتحت تھے۔ ان کے زیرِ تحویل علاقے مرکزی کنٹرول کے مرہونِ منت تھے وہ حاکم کی خواہش پر مسلح دستے فراہم کرنے کے پابند تھے اور حاکم بھی ان کو بوقت ضرورت مدد فراہم کر سکتا تھا جیسا کہ ہلاکو خان کے معاملے میں ایران میں ہوا۔ دوسری جانب وہ مرکزی حاکم کو مالِ غنیمت کا ایک حصہ بھجواتے تھے۔ بعد ازاں مرکزی حکومت کی جانب سے گورنرز (داروگوچی) کا تقرر رہوا، یہ گورنر انتظامیہ اور عدل کے شعبوں کے انچارج تھے۔ وہ شہزادوں کی ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے اور ان کے بارے میں چنگیز کو باقاعدہ رپورٹیں بھیجتے تھے۔ وہ خاندان جن کو چین میں سلک ٹیکس کے نام سے ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا اور یہ ٹیکس داروگاچی وصول کرتے تھے۔ داروگاچی مرکزی حکومت کے ملازم ہوتے تھے۔ وصولی کا ستر فیصدی مرکزی خزانے میں جمع ہو جاتا تھا۔ چنگیز کے بیٹوں کے زیرِ نگیں علاقے کی سرحدیں واضح طور پر متعین نہ تھیں یہ امر اکثر و بیشتر وجہ تنازع بن جاتا تھا۔ خود چنگیز کی زندگی میں خود مختاری اور زیادہ آزادی کی خواہش نے ان کی زندگی میں جھگڑے کا سامان پیدا کر دیا تھا۔

یہ اختلافات اس وقت کھل کر سامنے آ گئے جب ارجنج (Urgench) کا محاصرہ عروج پر تھا چونکہ یہ علاقہ جوچی (Jochi) کے علاقے کی حدود میں منتخب کیا گیا تھا، جوچی نے شہر کو امان دینا چاہی اور خراسان کی آبادی کو تباہی سے بچانا چاہا، جزجانی (Juzjani) نے اصرار کیا اور یہاں تک

کہہ گیا کہ جوچی نے مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کر لیا ہے اور ایک آزاد ریاست کی بنیاد رکھ دی ہے۔ چنگیز کے اٹھائے مختلف اقدامات کے باوجود، سرداری نظام سلطنت کے اتحاد کے لیے خطرے کی گھنٹی بنا رہا۔ جب تک چنگیز زندہ رہا تو قوتیں مرکز مائل رہنے پر مجبور تھیں۔ اس کی موت کے بعد، ان قوتوں نے پھر انگڑائی لی اور ایک سلطنت چار آزاد کانتوں (Khanates) میں منقسم ہوگئی۔

منگول خانہ بدوش کلچر کی برتری پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ وہ ایک آزاد زندگی کے عادی تھے جس میں کسی بھی شکل میں ٹیکس نام کی چیز نہ تھی۔ خصوصی مواقع پر ایسا ممکن تھا جیسے ایک موقع پر جب تموجن اپنے غربت کے مارے اتحادی وانگ خان کی مدد کرنا چاہتا تھا، اس نے ایک ٹیکس (کپچر) لگایا۔ ایسے اسپیشل ٹیکس بھی غریب اور نادار قبیلے والوں کی مدد کے لیے لگائے جاتے تھے یا کسی قبیلے کے سردار کی شادی یا سفر کے لیے۔ دھرتی کے ان بیٹوں کے لیے جو اپنے آقاؤں کے زیر اثر کسی دفاع کے بغیر رہتے تھے۔ ان کے لیے ٹیکس سے فرار کا بہترین راستہ ان کی ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت میں پوشیدہ تھا۔ رشید الدین بھی اس قسم کے ایک ٹیکس کی تصدیق کرتا ہے، یہ ٹیکس فوج پر لگایا گیا تھا کہ وہ سال میں ایک مرتبہ ٹیکس ادا کریں گے جو غریب گلہ بانوں کی مدد کے کام آئے گا۔

منگولوں پر بنیادی فرض فوجی سروس کرنا، دشمنوں کو شکست دینا تھا اگر قتل عام نہیں کرتا۔ شہروں میں بسنے والے یا کسان منگولوں کے کسی کام کے نہ تھے، ان کی نہ منگول فوج کو ضرورت تھی نہ منگول معیشت کو۔ ایک بوڑھے منگول جنگجو نے ایک مرتبہ کہا کہ ایسے بیکار انسانوں کو قتل کر دینا چاہیے اور زرعی زمین کو گھاس سے بھرپور چراہگاہ میں تبدیل کر دیا جائے۔ اوگدائی (Ogodei) کے دورِ حکومت میں بوڑھے منگول پارٹی کے ایک نمائندے نے ایک درخواست پیش کی کہ شمالی چین کی مکمل آبادی کو قتل کر دینا چاہیے اور مفتوح زمینوں کو چراگاہوں میں بدل دینا چاہیے۔ ایلا چوزائی (Ila chuzai) نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ ٹیکس لگانے سے ہماری حکومت کی ضروریات جیسے چاندی، چاول اور دوسری کئی چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اس نے اعتراض کیا کہ یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ شمالی چین کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

چنگیز اپنے لوگوں کی ثقافتی برتری کا پیروکار تھا اور اس کا حکم تھا کہ منگولوں کو کسی بھی حالت میں اپنی طرزِ زندگی کو یا اپنی روایات اور رسومات کو نہیں چھوڑنا چاہیے اس کے اس حکم کا چودھویں صدی تک احترام کیا گیا۔ یہ خیال شاید اس کے ذہن میں نہ آیا کہ فاتحین کو مفتوحین کے ساتھ اکٹھے رہنا یا اکٹھے کام کرنا پڑ سکتا ہے اور اس ملاپ سے ایک نیا کلچر جنم لے سکتا ہے، یہی وہ خواب تھا جو چنگیز کے پوتے کبلائی خان نے چین میں قیام کے دوران دیکھا۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر آیا ہے کہ جہاں جہاں منگولوں کی مزاحمت کی گئی، ہزاروں کے ہزاروں مار دیے گئے، کھیتیاں جلا دی گئیں اور سارا ملک چراہ گاہوں یا شکار گاہوں میں تبدیل کر دیا جاتا تھا لیکن ختائی اور چینی امرا کے خیالات نے چنگیز کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی کہ خانہ بدوشوں کی رسد کا انحصار زرعی زمینوں پر ہوتا ہے۔

شکست خوردہ دشمن کے مال وزر کی لوٹ مار خانہ بدوشوں کے لیے جنگ کا بنیادی مقصد اور باعث کشش نقطہ ہوتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں فوجی قانون ہی بلند تر ہوتا تھا اور حاکم حسب ضرورت احکام دیتا تھا۔ عدالت کے لیے خراج اکٹھا کرنا سرکاری عمال داروگاچی اور بسکاک کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ یہ جاننا تو مشکل ہے کہ یہ عمال کس کے ماتحت تھے البتہ داروگاچی اولس (Ulus) انتظامیہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ بسکاک کو شاہی

عدالت کی طرف سے مفتوحہ علاقوں میں آبادی کے متعلق اعداد و شمار اکٹھا کرنے، ٹیکس وصول کرنے اور بعض دوسرے انتظامی فرائض کی بجا آوری کے احکام ملتے تھے۔ مورخین اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ بسکاک کا تقرر فوجی احکام کی طرف سے ہوتا تھا یا اسے بادشاہ کی طرف سے داروگاچی کی حفاظت کا کام سونپا جاتا تھا جبکہ داروگاچی ٹیکس اکٹھا کرتا تھا۔ رشیدالدین بیان کرتا ہے کہ بخارا کی فتح کے بعد چنگیز خان نے ایک ترک اور ایک منگول کا تقرر کیا تا کہ وہ بسکا کی امراء کو منگول فوج کے ہاتھوں رسوائی سے بچا سکیں۔

مصنف سپولر (Spular) ہر ملک میں بسکاک کے فرائض جہاں اس کا تقرر کیا گیا، الگ الگ بیان کرتا ہے۔ روس میں، تاتار داروغہ کے علاوہ بسکاک کا تقرر بطور باقاعدہ کمانڈر ہر روسی شہر کے مطابق کرتے تھے۔ ایران میں، اس مصنف کے مطابق، بسکاک کا کام حکمران کی معاونت کرنا تھا تا کہ وہ مالی ذمہ داریوں سے عہدہ براہ ہو سکے۔ جوینی (Juvaini) لکھتا ہے کہ جوچی نے چن تیمور کو خراسان میں بسکاک مقرر کیا جبکہ رشیدالدین کا کہنا ہے کہ چن تیمور کو شاہنہ (Shahna) کے عہدے پر فائز کیا گیا اور ضلعی بسکاک اس کے ماتحت تھا۔ بسکاک کا اصل عہدہ حالات کے مطابق بدل جاتا تھا کہیں وہ کسی کے ماتحت تھا اور کہیں وہ خود انچارج تھا اور کہیں وہ حاکم کا مالیاتی اور قانونی مشیر تھا۔

مغل مفتوحہ علاقوں میں آبادی کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ منگول فوج نے تو جو ظلم و ستم روا رکھنے ہوتے تھے۔ عوام سرکاری ایلچی کے نہ ختم ہونے والے مطالبات کے بوجھ تلے دبے ہوتے تھے۔ سرکاری ایلچی کا کام مقبوضہ علاقوں میں اِدھر اُدھر گھومنا، گھوڑوں کی ضروریات کی خبر رکھنا، سپاہ کی جملہ ضروریات کی خبر گیری کر کے اطلاعات فراہم کرنا تھا اس دوران وہ رات پڑنے پر کسی پرائیویٹ جگہ پر رات گزار سکتا تھا لیکن اس کا کام شہریوں کو ڈرانا دھمکانا بن کر رہ گیا تھا۔ یہ ایک طرح کی کوریئر سروس تھی۔ مورخ رشیدالدین رقم طراز ہے کہ سرکاری ایلچی نہ صرف منگولوں سے ان کی چراہ گاہوں پر جا کر گلوں میں سے من پسند گھوڑوں کا مطالبہ کرتے تھے بلکہ ملک چین، ہندوستان اور دور، نزدیک کی سرزمینوں سے آنے والے قافلوں اور سیاحوں سے بھی ایسا ہی مطالبہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انھوں نے سرکاری عمال، امیر، بسکاک اور دوسروں کو بھی نہ بخشا۔ ان کے ناجائز مطالبات کی کہانیاں اس قدر پھیل چکی تھیں کہ ڈاکوؤں نے کئی جگہ اپنی لوٹ مار کے لیے ایلچیوں کا سوانگ بھرا اور کئی قافلے بمعہ مال واسباب، سفری دستاویزات کے لوٹ لیے۔ کوریئرز (ایلچی) صرف گھوڑوں کی حد تک مطمئن ہونے والے نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ حرام منہ کو لگ جائے تو چھوٹے نہیں چھوٹتا ایلچی جھگڑ پڑتے تھے اور ہر وہ چیز جو انھیں بھا جاتی تھی، اس میں ہاتھ ڈال دیتے تھے۔ جن آبادیوں میں ایلچیوں نے رہائش اختیار کر رکھی تھی، انھوں نے ان کو بھی نقصان پہنچایا، بستر، گھر کے عام استعمال کے برتن اور قالین بیچ ڈالے اور دروازوں کو آگ جلانے کا سامان بنا ڈالا۔ باغ اجاڑ دیے اور جو کچھ چوری کر سکتے تھے، کر کے گلیوں میں بیچ ڈالا۔ جب کبھی انھیں کسی نسبتاً غیر اہم مقام کی طرف روانہ کیا جاتا تو وہ اپنے ساتھ 200 سے 300 افراد لے کر چل پڑتے اگر یہ ایلچی اعلیٰ درجے کے ہوتے تو شاید 500 سے 1000 افراد لے جانے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ رشیدالدین کی یہ رپورٹ شاید مبالغہ آرائی ہو لیکن یوآن خاندان کی حکومت کی سرکاری دستاویزات میں ان ایلچیوں کے بارے میں شکایات کا اندراج ہے یعنی ملک چین میں ان ایلچیوں کی چیرہ دستوں کی خبریں منظر عام پر آئی تھیں کہ یہ پیغامبر (ایلچی) پرائیویٹ گھروں اور مندروں میں قیام کرتے ہیں اور شہریوں کو ناراض کرتے ہیں، ان سے مال و رسد کے سلسلے میں غیر ضروری مطالبات کرتے ہیں، مقامی پوسٹ اسٹیشنوں کے انچارج سے الجھتے ہیں اور

مقامی عدالتی امور میں مداخلت کرتے ہیں۔

گورشید الدین کی رقم کردہ یہ تفصیل ایران کے حالات کا پتہ دیتی ہے پھر بعد میں اصلاحات کے ذریعے ان حالات کا تدارک کیا گیا لیکن چنگیز خان کے دور کے اختتام پر یہ صورتِ حال کسی درجے تک موجود رہی۔

ان ملکوں اور علاقوں کے انتظام، انصرام میں جن کی آبادی سست اور کام نہ کرنے والی تھی۔ منگولوں کو شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑا اس مشکل کام کو سرانجام دینے کے لیے منگولوں کے پاس کوئی شخصیات نہ تھیں۔ نہ ان کا مقامی زبان پر ادراک تھا اور نہ وہ پیسے کی معیشت کے عادی تھے۔ چنانچہ وہ بہت سی زبانیں جاننے والے افراد یعنی شکست خوردہ قوموں کے تعلیم یافتہ افراد کی خدمات لینے پر مجبور تھے۔ مسلم یلاوا اور اس کے بیٹے مسعود، ختیان ایلا چوزائی اور ایلا آہائی، کیریت چنگائی اور ایگور ٹاٹا ٹونگا جیسے افراد چنگیز کے عہد میں انتظامی پالیسیوں اور مفتوحہ علاقوں میں ٹیکس پالیسی کے ذمہ دار تھے۔ ان چیدہ افراد نے تعمیر نو کا کام شروع کروایا، جنگ کے زخموں کو بھرنے کی سعی کی اور مفتوح قوموں کے لیے ایک بہتر طرزِ زندگی کا ماحول پیدا کیا۔ بعد میں تمام تر انتظامی مشینری مفتوح قوموں کو دے دی گئی تھی۔

مفتوحہ علاقوں میں منگول اقلیت میں تھے اور انھیں انتظامی امور کا کوئی تجربہ نہ تھا، انھیں اپنے اقتدار کو دوام دینے کے لیے مقامی آبادی کے مخصوص طبقوں کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی۔ چنگیز ان علاقوں کے عوام پر مذہب کے اثرات کے بارے میں بخوبی آگاہ تھا چنانچہ آبادی کے مخصوص طبقوں کو ٹیکس کی چھوٹ دے کر اور مذہبی آزادی دے کر وہ ان کو اپنے بس میں کر لیتا تھا حتیٰ کہ اس نے مذہبی پروہتوں کی ایک ایسی تعداد ان سرزمینوں میں تیار کر لی تھی جو منگولوں کی فتح اور اپنے منگول چیف کی فلاح کی دعا کرتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چنگیز کی رحمدلی سے متاثر ہو گئے تھے بلکہ بکنے والے ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔

اس دور کے بڑے بڑے تاجروں، سوداگروں اور ان کے اتحادی امراء اور منگولوں کے درمیانی باہمی دلچسپی کے امور پر اشتراک ہائے عمل تھا۔ مسلم سوداگروں نے چنگیز کے لیے بیش قیمت خدمات سرانجام دیں، یہ خدمات زمانہ جنگ اور امن دونوں میں تھیں۔ چنگیز کے عہد میں بین الاقوامی تجارت جس قدر منافع بخش اور محفوظ تھی، اس کا تصور اس سے قبل ممکن نہ تھا۔ تجارتی راستوں کی نگرانی، شخصی حفاظت، اشیاء کی نقل و حمل میں کم سے کم خطرہ اور بلا روک ٹوک ادائیگیوں نے تجارت میں غیر معمولی منافع اُگلا۔ بہت سے ایرانی اور ایگور سوداگر بخوشی منگول ٹیکس عمال اور مالیاتی مشیر کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔

امراء کی طرف چنگیز پالیسی یوں تھی کہ وہ ان کو تقسیم کیے رکھتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کے ذاتی مقام، منصب کا خیال رکھتا تھا۔ وہ ان امراء کے باہمی اختلافات اور دشمنیوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ ان امراء کو متحد ہونے نہیں دیتا تھا اور ہر ایک کو اپنا وفادار رکھتا تھا۔ چنگیزی سلطنت کا کنٹرول مرکزی (Centralized) تھا، ان کی مفتوح آبادی چونکہ کثیر الاقوامی تھی چنانچہ اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک سیکریٹریٹ (Secretariat) قائم کیا جائے جو حاکم کی ہدایات کو لکھے اور ان کو مختلف قوموں کی زبانوں میں ترجمہ کرے اور ٹیکس کی وصولی یا معافی کے بارے میں سرکاری حکم نامے جاری کرے۔ نائمن پر فتح حاصل کرتے ہی اس نے نائمن چانسلر ٹاٹا ٹونگا کو اپنی سروس میں لے لیا تھا، وہ

شاہی مہر کا امین تھا، اس کا کام تمام شاہی فرامین پر مہر لگانا تھا۔ 1222ء میں چنگیز اور چینگ چن کے درمیان ہونے والی گفتگو ترکی، چینی، ایرانی اور منگول زبانوں میں تحریر کی گئی۔ زیادہ تر ایگورز سیکریٹریوں کے عہدوں پر فائز کیے گئے، ان کا سلطنت کی عام انتظامیہ پر اثر ورسوخ زیادہ ہوتا تھا کیونکہ ان کی ذمہ داری نہ صرف شاہی احکامات کو تحریر کرنے اور ترجمہ کرنے کی تھی بلکہ ٹیکس کی وصولی کے نظام کی نگرانی، اصلاح تھی۔ وہ آمدنی اور خرچ کا حساب رکھتے تھے، بقول رشید الدین، الغ تمغہ (عظیم مہر Great seal) ایگورز کے پاس ہوتی تھی، اس اعتبار سے مالیاتی کنٹرول ان کے پاس تھا۔ اکثر اوقات وہ خود کو فائدہ پہنچانے کے لیے اس پوزیشن کا غلط استعمال بھی کر جاتے تھے۔ رشید ایک غبن کی مثال دیتا ہے جو رشوت لے کر ایک ہی مال کی دو مرتبہ سپلائی کی رسیدیں جاری کر دیتا تھا۔

سلطنت کی وسعت کوریئر سروس میں توسیع کا تقاضا کرتی تھی چنانچہ ڈاک کے نیٹ ورک اولاگا میں لازمی ڈیوٹی متعارف کروائی گئی۔ جو لوگ وہاں تعینات تھے، ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ گھوڑی کی سپلائی، ان کے چارے اور دوسری ضروریات کا خیال رکھیں۔ درجے کے اعتبار سے وہ فوجی سروس کے رینک کے برابر تھے۔ نئی کوریئر سروس ترکی میں رائج نظام سے لی گئی تھی۔ چین میں پوسٹل کا نظام البتہ اوگیدائی کے دور میں متعارف کروایا گیا تھا، اس نظام کا مقصد پوسٹ سٹیشنوں کے قیام کے ساتھ ساتھ ڈاک کی ترسیل کے نظام کو تیز رفتار بنانا تھا جن میں ضروری سرکاری کاغذات کا سفر بھی شامل تھا۔

مختلف اقدامات تجویز کیے گئے ان کا مقصد منگول اقتدار کو یقینی بنانا تھا لیکن فاتحین نے مفتوحین کے اندرونی معاملات اور سماجی نظام میں دخل اندازی نہیں کی جب تک وہ منگول روایات کے ساتھ متصادم نہ ہوئے۔ چنانچہ چنگیز نے جانوروں کو قتل کرنے کی رسم سے منع کر دیا کیونکہ جب یہ گوشت مسلمانوں کو پیش کیا جاتا تھا تو وہ کھانے سے انکار کر دیتے تھے اور یہ انکار بقول چنگیز منگول روایت کے خلاف تھا۔

تساؤ کے آدم خور

تساؤ کے آدم خور...... شکاریات کے موضوع پر ایک مستند کتاب اور حقائق پر مبنی سچا واقعہ...... یوگنڈا (کینیا) کے دو خونخوار شیر جو آدم خور بن گئے تھے...... ایک سال کی قلیل مدت میں 140 انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے والے تساؤ کے آدم خور...... جنہوں نے یوگنڈا میں بچھنے والی ریلوے لائن کا کام کھٹائی میں ڈال دیا تھا۔ جو لومڑی سے زیادہ مکار تھے اور چھلاوہ کی طرح غائب ہو جاتے تھے۔ اس سچے واقعے پر انگلش فلم ''Ghost & The Darkness'' بھی بنائی گئی۔ جون ہنری پیٹرسن (فوجی اور ریلوے لائن کام کا انچارج) کی کتاب (The Man-Eaters of Tsavo) کا اُردو ترجمہ بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

چنگیز خان......ایک طائرانہ نظر

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

پیدائش: 1167ء موت: 1227ء

جگہ پیدائش: اونون دریا کے نزدیک (وجودہ روس منگولیا سرحد)

وجہ شہرت: دنیا کی تاریخ میں بڑی ایمپائر کی تخلیق کرنا

- شخصیت کے سحر سے وفاداروں اور پیروکاروں کی ایک فوج تیار کرنا
- اپنی فتوحات میں نئی فوجی چالیں اپنانا
- اس زمانے کے معیار کے لحاظ سے نئی ٹیکنالوجیز کا استعمال کرنا
- منگولوں کو اتحاد کی ایک لڑی میں پرونا
- منگول قوم کی بنیاد رکھنا

بہت بڑی کامیابی: 1187ء چنگیز خان کا لقب اختیار کرنا یعنی Universal Monarch تمام دنیا پر حکمران۔

منگول ایشیا کے وسیع اور حد نگاہ تک پھیلے بے آب و گیا میدانوں سے ابھرے۔ وہ طاقت کے سنگھاسن پر چنگیز خان کی زیر قیادت آئے جس نے سازش، مکاری، دہشت اور غرضیکہ اہل افراد کی مدد سے مغربی، شمالی چین اور وسطی ایشیا کے بہت سے حصوں کو فتح کیا۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں نے منگول ایمپائر کو مغربی اور جنوبی ترکستان، ایران اور روس تک بڑھایا۔ منگولوں کے شمالی چین اور کوریا کو فتح کرنے کے بعد کلبلائی خان نے جنوب فتح کیا جہاں اس نے سنگ حکمرانی کے سورج کو غروب کر دیا اور یوآن خاندانی حکومت (1279-1368ء) کی بنیاد رکھی۔

منگولوں نے بین ابراعظمی تجارت کے ذریعے ثقافتی تبادلوں کی رفتار تیز تر کر دی۔ انھوں نے غیر ملکیوں کی حوصلہ افزائی کی جیسے وینس کے سیاح مارکو پولو نے چین میں منگول دربار میں خدمات سرانجام دیں۔ آخر میں ہوشربا ٹیکسوں، بدعنوانی، سیلاب، قحط اور ڈاکہ زنی نے منگولوں کو کمزور کر دیا اور 1368ء میں منگ خاندان کے ہاتھوں چین میں ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ایشیا بھر میں منگول ایمپائر 14 ویں اور 15 ویں صدی میں چھوٹے چھوٹے برسرپیکار گروپوں میں تبدیل ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی۔

- نامی گرامی پوتے ہلاکو، کبلائی خان، بعد میں آنے والے بابر، چغتائی
- لیڈرشپ: منگول، منگول ہجرت، تاتاری
- منگول مقصد جنگ: دشمن کا اس کی قبر تک پیچھا کرنا لوٹ مار اور ہر قیمتی چیز پر قبضہ کرنا، دشمنوں کو روتا دیکھنا

منگولی ایمپائر (ابتدائی 1200ء میں منگول فاتح چنگیز خان کی طرف سے قائم کی گئی۔ 1200ء کے اختتام تک اس ایمپائر میں تمام مشرقی اور جنوبی ایشیا کی سرزمین اور وسطی یورپ شامل تھے۔ یہ انسانی تاریخ میں متصل زمین کی بنیاد پر وجود میں آنے والی سب سے بڑی ایمپائر تھی۔

منگول منگولین زبان بولنے والے قبائل کی ایک غیر منظم فیڈریشن تھی جسے چنگیز خان نے 1206ء میں متحد کیا۔ ان کا وطن آج کے منگولیا، روسی سائبیریا کے شمال اور مشرق میں چین کے اندر واقع خود مختار منگولیا تک پھیلا ہوا تھا۔ ایشیائی میدانوں کے مشرقی کناروں پر بسنے والے منگول خانہ بدوش کا طرزِ زندگی اپنائے ہوئے تھے۔ سرسبز میدانوں کی کھوج ان کی کمزوری تھی۔ ایسے میدان ان کے جانوروں کے گلوں کے لیے زندگی کا پیغام لاتے تھے۔ ان جانوروں سے وہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا اور خوراک حاصل کرتے تھے۔ ان کے گھوڑے ان کے لیے نقل وحرکت کا زبردست ذریعہ تھے، گھوڑی کا دودھ (Kourmiss) ان کی من بھاتی غذا تھی۔ ان کے رہائشی خیموں کی ساخت مخروطی شکل پر بنائی جاتی تھی جنھیں یور کہا جاتا تھا، آج بھی منگولیا میں عام ہیں جہاں خانہ بدوش روایات اپنائی جاتی ہیں۔

منگول گھڑسواری اور نشانہ بازی کی تربیت ابتدائی عمر میں ہی شروع کر دیتے تھے۔ گھوڑوں کی رکاب میں پاؤں رکھ کر کھڑے ہو کر تیر نشانے پر لگانے کی مشق کرنا سیکھتے تھے ان کی یہ صلاحیت گھڑسواری، شکار اور جنگ وجدل میں ان کے کام آتی تھی۔ اِن کے پالتو گھوڑے منگولیا کے میدانوں کے وحشی گلوں سے لائے جاتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی ایک مخصوص نسل 1800ء کے اختتام پر ''زمی والسکی کے گھوڑے'' کے نام پر مشہور ہوئی۔ منگول اپنے گھوڑوں کو بے پناہ اہمیت دیتے تھے۔ تاریخ میں چنگیز کے سٹالین گھوڑے کا تذکرہ موجود ہے جس کی دُم پر بال نہ تھے۔

منگول قبیلوں میں منقسم تھے جو بعد میں مل کر ایک بڑے قبیلے میں ڈھل جاتے تھے۔

اقوال

1- اگر مجھے اور جوچی کو گنو تو 15 لوگ بنتے ہیں۔

2- کسی ایسے حکمران، شہزادے یا اہل شہر کے ساتھ امن کرنا منع ہے جس نے اطاعت نہ مانی ہو۔

آخری الفاظ

بچے کبلائی کے الفاظ کو بغور سننا۔ ایک دن وہ میری جگہ لے گا اور تمھارے لیے ویسے ہی شہرت اور عظمت لائے گا جیسی تمھیں میرے دور میں میسر آئی تھی۔

خانہ بدوشوں کے تہذیب پر اثرات مغربی، مورخین کی نظر میں

چوتھی صدی میں رومی مورخ امینس مارسیلینس نے حملہ آور وحشیوں کو دو پاؤں والے جانور قرار دیا جو گھوڑوں سے بندھے ہوتے تھے اور وہیں بیٹھے بیٹھے گوشت کھاتے اور شراب اور گھوڑی کا دودھ پیتے تھے۔ زراعت کی غرض سے کسی تیشے کو چھوتے بھی نہ تھے اور ان کے اپنے کوئی گھر نہ تھے۔

چھٹی صدی کا مورخ گوتک انھیں گندی روحیں اور بمشکل ہی انسان قرار دیتا ہے۔ ایسے انسان جن کی اپنی کوئی زبان نہ تھی جو مہذب

انسانی زبان سے کم سے کم ملتی جلتی ہوتی۔

تیرویں صدی کا مورخ سپالٹو کا تھامس منگولوں کو شیطان قرار دیتا ہے جس کا کام ہر شخص کو قتل کرنا تھا۔ جن کے نزدیک عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی، جوان کے لیے کوئی رحم نہیں اور نہ ہی بوڑھے پر ترس کی کوئی گنجائش تھی۔ وحشی جانوروں کی طرح انسانی خون کے پیاسے تھے۔

ابتدائے زمانہ انسانی تہذیبوں کی تحریر شدہ تاریخ کے مطابق، منگولوں نے دنیا کو تباہی، قتل و غارت اور برائی کے سوا کچھ نہ دیا۔ انھوں نے دنیا کو ایک ایسے معاشرے میں تبدیل کر دیا جہاں لوگ ایک ہی علاقے میں رہنا پسند کرتے یعنی Sedentry society۔ تاریخ کے ابتدائی اوراق میں ناپسندیدہ عناصر کے لیے وحشی یا Barbarian کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جس کے تحت ایک انسان دوسرے پر تنقید کرتا ہے اور اسے کمتر اور نامکمل انسان قرار دیا جاتا ہے کہ یہ منفی خیالات دفاعی اعتبار سے کمزور قوموں کی طرف سے نہیں آئے بلکہ اپنے وقت کی مہذب اور طاقتور تہذیبوں کی طرف سے آئے۔ سوال یہ ابھرتا ہے۔ کیوں اور کس طرح صحرائی خانہ بدوشوں نے دنیا کی امیر ترین اور مہذب تہذیبوں پر بار بار چڑھائی کی اور انھیں تباہ و برباد کیا اور آخر کیوں ان خانہ بدوشوں کو زبردست فتح حاصل کرنے پر بھی منفی تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟ ان سوالات کے جواب تلاش کرنے کا عمل ہمیں یہ بتاتا ہے کہ گوبی کے خانہ بدوشوں کا نام صرف قتل و غارت اور برائی سے جوڑنا ایک غلطی ہے دراصل انھوں نے ابتدائی انسانی تاریخ کی ترقی اور معاشروں کے ملاپ میں ایک تعمیری کردار بھی ادا کیا چاہے ایسا پہلے سے طے شدہ نہ ہو بلکہ غیر فطری طور پر ممکن ہوا ہو۔

جن لوگوں کو یہاں وحشی کہا جا رہا ہے وہ اندرون ایشیا کے بے آب و گیا میدانوں کے خانہ بدوش تھے۔ اس علاقے کو دنیا کا مشکل ترین اور انسان کش علاقہ قرار دیا جا سکتا ہے جہاں گھوڑے اور مال مویشی کی اہمیت انسان سے بہر حال زیادہ تھی۔ مال مویشیوں کے حصول پر جنگیں عام تھیں جن کے لیے انسانوں کا خون بہایا جاتا تھا۔ موسمی اعتبار سے یہ علاقہ خوب گرم اور خوب ٹھنڈ کا امتزاج تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ برف، جنگلوں، ریتلے میدانوں، صحرا اور پہاڑوں کی سرزمین تھی۔ زمین انتہائی سردی کے سبب زراعت کے لیے غیر موزوں تھی۔ اس زمین کے باسیوں کو زندگی کی جنگ جیتنے کے لیے قدرتی موسم اور لوگ دونوں سے لڑنا پڑتا تھا۔ خانہ بدوش خوراک اور سبزے کی تلاش میں یہاں سے وہاں سرگرداں رہتے تھے۔ منگولوں کی ایک اکثریت سرسبز میدانوں میں ہی رہتی تھی، ایک مرتبہ سبزہ اور پانی جہاں میسر آتا وہیں کے ہو رہتے۔ اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے وہ مویشی پالنے کو ہی بہترین شعبہ قرار دیتے تھے۔ سرسبز میدان مویشیوں کے چارے کے طور پر استعمال ہونے کے لیے موزوں ترین ضرورت ہوتے تھے۔ اسی بناء پر کئی جنگیں بھی لڑی گئیں۔ ان کا طرز زندگی جانوروں کے گرد گھومتا تھا۔ وہ جانوروں کے گلے کے گلے پالتے اور انھیں چراتے نظر آتے تھے۔ ابتداء میں جانور پالنے کو روایتی شکار کے ساتھ ملایا گیا تاکہ میدانوں کا زیادہ سے زیادہ اور بہترین استعمال ممکن ہو سکے۔ خانہ بدوشوں نے ساحلی علاقوں کے کسانوں کے سخت جسمانی کام کرنے کے طریقے کو یکسر مسترد کر دیا تھا اور اسے آزاد شکاریوں، گلے پالنے والوں اور جنگجوؤں کے پُر وقار کام کی نسبت کمتر قرار دیتے تھے۔

ان دو مختلف طرزِ زندگی رکھنے والوں کے درمیان نظریاتی اختلافات نے وقت کے ساتھ ساتھ خوب ہوا پکڑی۔ ہر گروہ دوسرے کو کمتر تصور کرتا تھا۔ خانہ بدوشوں کو جاہل، گنوار اور وحشی قرار دیا جاتا تھا کیونکہ وہ لکھنا نہیں جانتے تھے اور ان کی حرکتیں جانوروں میں رہ کر جانوروں کی طرح

زیادہ اور انسانوں کی طرح کم تھیں۔ چنانچہ انھیں نامکمل انسان کہا جاتا تھا۔ دوسری طرف ساحلی کسانوں کو عاجز غلام کہا جاتا تھا جو اپنی حفاظت کے بدلے آزادی بیچ دیتے تھے۔

میدانی علاقے کے خانہ بدوش بے ضرر زندگی گزار رہے تھے لیکن گھوڑے نے ان کی زندگی میں ڈرامائی تبدیلی پیدا کی۔ ایک ہزار قبل از مسیح تک گھوڑے کی اہمیت جانوروں کے گلے میں بڑھ گئی تھی۔ ابتدا میں چھوٹے گھوڑے پالے جاتے تھے جن سے خوراک اور دودھ حاصل کیا جاتا تھا جبکہ بڑے گھوڑے گھڑ سواری کے کام کرتے تھے۔ ایک صحت مند گھوڑا ان کی زندگی میں سہولت اور رفتار لایا۔ جب رفتار تیز ہوئی اور تھکاوٹ کم ہوئی تو جانوروں بلکہ گھوڑوں کے باڑوں میں اضافہ ہوگیا۔ ان کی زندگیوں میں گھوڑے کی آمد تیز رفتاری لائی، تمام قبائل کے لیے نقل و حمل آسان ہوگئی اور وہ ہزاروں میل تک نقل، حرکت کرتے رہتے تھے۔ چھکڑوں پر اٹھنے والے اخراجات میں بھی نمایاں کمی آئی۔ جلد ہی وہ اس سہولت کے عادی ہوگئے، وہ گھوڑے کی پشت پر رکھی آرام دہ چمڑے کی سیٹ پر بیٹھ کر کھاتے، پیتے، سامانِ رسد بیچتے اور مست ہوئے پھرتے تھے، ان کے لیے یہ سہولت ایسے ہی تھی جیسے آج کے انسان کو مزید تیز رفتار اور آرام دہ سواری میسر آجائے۔ گھوڑے اور گھڑ سوار کے درمیان اس تعلق نے انھیں مہذب دنیا کا پہلا سبق پڑھایا۔

جنگ و جدل خانہ بدوش زندگی کا ایک جزو لاینفک تھا۔ جنگ زیادہ تر گھڑ سوار رسالے کی کارکردگی پر منحصر تھی جو لڑائی جھگڑے کے مقررہ دور کے لیے سپاہی کا کام کر رہے ہوتے تھے۔ ان کا عام طرزِ زندگی اور رہن سہن جنگی زندگی سے زیادہ مختلف نہ تھا اگرچہ ان کے درمیان قبیلوں کی سطح پر اتحاد کا فقدان تھا اور آزاد منش خانہ بدوشوں کو اکٹھا رکھنا ایک مشکل امر تھا۔ اگر کہیں کوئی عارضی اتحاد وجود میں آ بھی جاتے تو وہ جتنی جلدی بنتے تھے اتنی ہی جلدی ٹوٹ بھی جاتے تھے۔ ایسے اتحاد ایک بڑے سائز کے شور مچاتے ہجوم (Hordes) ہی رہتے تھے۔

وحشی خانہ بدوش سخت اور تند خو جنگجو ثابت ہوئے تھے۔ گھوڑوں نے انھیں تب کی مہذب اقوام کی اسلحہ بردار پیدل فوج پر رفتار کی واضح برتری دلوائی تھی۔ وہ گھوڑوں کی اپنے ٹخنوں سے رہنمائی کرتے تھے جبکہ ان کے دونوں ہاتھ تیر اور کمان کے استعمال کے لیے آزاد ہوتے تھے جو اس زمانے میں ان کا بنیادی اور موثر ہتھیار تھا۔ 1000 قبل از مسیح تک، میدانی علاقوں کے وحشی خانہ بدوش بھاری کمان استعمال کرتے تھے۔ یہ بھاری مگر چھوٹی کمان گھوڑے کی پشت سے باآسانی استعمال ہوتی تھی اور تیر بھی 275 میٹر (900 فٹ) تک ٹھیک نشانے پر جا کر لگتے تھے۔ بہترین شکاری ہونے کے سبب وہ بہترین نشانہ باز تھے۔ شکار کے پروگرام وسیع پیمانے پر ترتیب دیے جاتے تھے جس سے شدید موسم سرما کے لیے گوشت کا وافر ذخیرہ دستیاب ہوجاتا تھا اور فوجی نقل و حرکت کی ضرورت بھی پوری ہوجاتی تھی۔ ان کا ایک تیر دس آدمیوں پر بھاری تھا، اس طرح جب ان کی طرف سے دشمن پر تیروں کی بارش کی جاتی تھی تو دشمن کی پیدل فوج کے پاس وحشی گھڑ سواروں کے چارج (حملے) کے جواب میں کوئی جنگی چال نہ ہوتی تھی۔ ہر خانہ بدوش ایک گھوڑے اور کمان کے ساتھ ایک مکمل سپاہی ہوتا تھا جو سخت اور خونخوار ہوتا تھا جبکہ مہذب اقوام کی ایک تھوڑی سی فوج جنگ کی ضرورت کے لحاظ سے تربیت یافتہ ہوتی تھی۔ گھوڑے کی رفتار نے خانہ بدوش وحشیوں کو ابتدائی جنگی برتری فراہم کی اور مہنگی اور بھاری لوہے کے اسلحے کی ضرورت کو ختم یا کم کر دیا۔ ان کی ابتدائی فتوحات گھوڑے کی بدولت تھیں۔ خانہ بدوش وحشیوں کے رسالہ دستوں کے تیز رفتار مارچ کے

خلاف بہترین دفاع ایک ایسی دیوار ہی ہوسکتی تھی جو نا قابل تسخیر ہو جیسے گرد و غبار کی دیوار، لکڑی اور پتھر سے بنی دیوار جیسے دیوارِ چین اسی بناء پر ایک مقولہ دنیا بھر میں مشہور ہے کہ ''مغرب میں روم شکست کھا گیا کیونکہ چین نے مشرق میں دیوار تعمیر کر ڈالی۔''

چڑھائی

جیسے ہی انھیں فوجی برتری حاصل ہوئی، خانہ بدوش قبیلے ساحلی تہذیبوں پر باقاعدگی سے حملے کرنا شروع ہو گئے۔ فاتح خانہ بدوش نئے فوجی اور سیاسی حکمران بن گئے۔ ان کا طاقت میں آنا ان کی صلاحیتوں اور طاقتور ہونے کی سوچ کا مرہونِ منت ہے۔ بس کمی اگر تھی تو ایک دلکش حکمران کی جس کی کمی چنگیز خان نے پوری کر دی۔ وہ جس کو اپنا قائد رہنما یا خان تسلیم کر لیتے تھے تو پھر دل و جان سے اس کی پیروی کرتے۔

جب وحشی خانہ بدوشوں نے ساحلی تہذیبوں پر چڑھائی کی اور ان کے شاہی گھرانوں کی عورتوں سے شادیاں کیں تو ایک نئی تہذیبی ثقافت نے جنم لیا۔ کئی مغربی مورخین ان سے نئی باتیں منسوب کر کے ان کا مہذب دنیا میں قد بڑھانا چاہتے ہیں جیسے گھوڑے کی پشت پر سواری، تیر اندازی ٹراؤزر پینٹ اور بوٹ کا استعمال وغیرہ۔ ان کے مطابق منگولوں نے معاشروں کی پرانی اور فرسودہ روایات اور پہلوؤں کو تباہ کیا لیکن اچھے اور مفید عناصر کو محفوظ رکھا۔ بقول ان کے، ہر دو کے ملاپ سے ترقی کے نئے باب کا اضافہ ہوا۔ بہر حال یہ ان کا نقطہ نظر ہے بغداد کی تباہی، بخارا، سمرقند اور مسلم دنیا جو اس وقت علم وفن کی بلندیوں پر تھی، حتیٰ کہ چنگیز مسلمانوں کو اہل شمشیر کی بجائے اہل ضاع تصور کر بیٹھا تھا، چنگیز نے ان سے کوئی رو رعایات نہ برتی۔ بریڈلے یونیورسٹی ایکینوٹیس کے پروفیسر گریگوری جی گزمین کی اس تحقیق میں کوئی وزن نہیں کہ وحشی خانہ بدوشوں نے انسانیت کی اس تاریخ میں ایک متحرک اور مفید کردار ادا کیا بقول اس کے، وحشیوں نے جن تہذیبوں کو نشانہ بنایا وہ گل سڑ چکی تھیں اور اپنی عمر پوری کر چکی تھیں، انھوں نے ان تہذیبوں میں نئی روح پھونک دی جس سے وہ Revitalize ہو گئیں۔ اس بات کا جواب یوں ہے کہ آج اگر دنیا کے کسی ہنستے بستے شہر کو حملہ کر کے ملبے کا ڈھیر بنا دیا جائے اور کسی ذی روح کو زندگی ادھار میں بھی نہ دی جائے اور بعد میں کہا جائے کہ اس شہر کی تہذیب گل سڑھ چکی تھی اس کو Revitalize کرنا ضروری تھا تو قبرستان سے زندہ شہر برآمد ہو گا یہ کہہ کر فاتح کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

نیشنل جیوگرافک کیلئے تحقیقی کھوج پر نکلے مائیک ایڈورڈز نے سمرقند کے تاریخی دروازے کے ذریعے اپنی کھوج کا آغاز کیا وہ لکھتا ہے یہ وہی تاریخی دروازہ تھا جہاں سے تجارتی قافلے سلک روٹ کیلئے نکلتے تھے۔ اسی راستے سے چنگیز خان 1220ء میں نمودار ہوا جس نے وسطی ایشیا کے عظیم شہروں کو تاراج کرنا تھا۔ سمرقند کی آبادی جدید تحقیق کے مطابق دو لاکھ یا کچھ زیادہ نفوس پر مشتمل تھی۔ بعد میں وہاں ملبے کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی طرح بخارا، ارجند، بلخ، مرو، نیشاپور، ہرات اور غزنی منگول گھڑسواروں کے سموں تلے روندے گئے۔ دنیا نے شاید ہی کبھی ایسی تباہی دیکھی ہو۔

مائیک ایڈورڈز لکھتا ہے کہ افغانستان میں حتیٰ کہ 750 سال گزرنے کے بعد بھی منگول تباہی کی بات اس طرح کی جاتی ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ ایک بوڑھے آدمی نے کہا ''صرف نو'' ہرات میں صرف نو افراد زندہ بچ سکے تھے مجھے گلیوں میں جابجا لاشیں ہی لاشیں نظر آتی ہیں۔

سوال یہ ابھرتا ہے کہ کیا منگول صرف قاتل اور دہشت گرد تھے؟ منگول نقطہ نظر سے تو اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ ان کے لیے چنگیز خان ویسے ہی تھا جیسا امریکہ کے لیے جارج واشنگٹن چنگیز متحدہ منگولیا کا پہلا حکمران اور بانی تھا۔ اس کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم مورخین کی بیان کردہ تفصیلات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عقیدہ کی بناء پر قتل وغارت کرنا ان کی پالیسی نہ تھی۔ مساجد اور گرجا گھر مفتوحہ علاقوں میں جلائے گئے لیکن ان کے اپنے دیس میں تنگری کے ماننے والوں کے ساتھ ساتھ مسلم، عیسائی اور بدھ بھی اپنے اپنے طریقے سے عبادت کرتے تھے۔

سونا گھاٹ کا پجاری

سونا گھاٹ کا پجاری...... بے پناہ پراسرار قوتوں اور کالی طاقتوں کا مالک جو اپنی موت کے بعد بھی زندہ تھا۔ افضل بیگ......ایک مسلمان فارسٹ آفیسر جو سونا گھاٹ کے قہر کا نشانہ بنا...... پھر وہ انتقام لینے کے جوش میں اندھا ہو گیا اور اپنا مذہب ترک کر کے جادو ٹونے کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ ایک ایسا ناول جو پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔ **سونا گھاٹ کا پجاری** اپنے انجام تک کیسے پہنچا۔ افضل بیگ گناہ اور غلاظت کی دُنیا سے کیسے لوٹا؟ ہندو دھرم، دیوی دیوتاؤں، کالے جادو، بیروں کے خوفناک تصادم سے مزین یہ داستان آپ جلد ہی **کتاب گھر** کے **پراسرار خوفناک ناول** سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

لحاف

عصمت چغتائی اردو زبان میں افسانہ نگاری کے حوالے سے ایک بڑا اور معتبر نام ہے...... منٹو کی طرح عصمت کا قلم بھی معاشرے کے حساس موضوعات کی نشاندہی کرتا رہا اور اس پر بھی اکثر اوقات فحش نگاری کا الزام لگتا رہا۔ لیکن اسکے باوجود عصمت چغتائی کے افسانے اور ناول اردو ادب کا لازمی جزو ہیں۔ **لحاف** عصمت کے 11 بہترین منتخب افسانوں کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں جوانی، لحاف، پہلی لڑکی، باندی، ایک شوہر کی خاطر، نئی دلہن، تل، عورت، خرید لو، بہو بیٹیاں اور ڈائن افسانے شامل ہیں۔ افسانوں کا یہ مجموعہ بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے **افسانے** سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

منگولوں کی جنگی چالیں اور ہتھیار

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

1-رسالہ دستہ

یہ گھڑسوار سپاہیوں پر مشتمل دستے تھے جو گھوڑے کے پشت سے لڑنے میں تربیت یافتہ تھے۔ پیدل دستے بھی گھوڑے استعمال کرتے تھے لیکن ان کا استعمال لڑائی کے دوران تیز رفتاری سے نقل وحرکت کرنا ہوتا تھا لڑائی البتہ وہ پیدل ہی کرتے تھے۔ایسے دستے انفنٹری کہلاتے تھے۔ رسالہ دستہ اپنی تیز رفتار حرکت، حملہ کرنے کے خصوصی انداز، پیچھا کرنے اور دشمن کے دستوں کے درمیان خوف، دہشت پھیلانے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔آج کے جدید زمانے میں اس دستہ کی جگہ آرمڈ دستے نے لے لی ہے جو ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور ہیلی کاپٹروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان رسالہ دستوں میں چیریٹ گاڑیاں بھی شامل تھیں جنھیں گھوڑے کھینچتے تھے۔رسالہ دستوں کے پاس تیغ، سناں (تیر اور تلوار) کے علاوہ نیزہ، لوہے کا ایک سلاخ اور ہاتھ سے پھینکنے والے دوسرے ہتھیار ہوتے تھے۔اپنے بچاؤ کیلئے وہ لوہے کے خود یا ہیلمٹ اور چمڑے کی بیلٹ استعمال کرتے تھے۔

رسالہ دستوں کی تاریخ میں چنگیز کی منگول فوج کے رسالہ دستوں کا بڑا شہرہ ہے۔وہ نہایت منظم اور آپس میں اچھے رابطے میں تھے۔اس کے دستے ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے تھے جس میں دھوئیں کی سکرین، جھنڈوں کے اشارے اور جلتی لالٹینوں کے اشارے شامل ہیں۔

2-فوج کی تنظیم

چھکڑوں کے ایک نیم متحرک دائرے کی شکل میں چلتے ہوئے عظیم مغل فاتح چنگیز خان نے 1190ء میں صحرائے گوبی سے ریت کے بھگولے کی طرح اٹھ کر یورپ کے دل میں خنجر پیوست کیا اس کے تمام قلعوں کے لیے انہی چھکڑوں نے بنیاد فراہم کی تھی۔اس کی فتوحات نسبتاً تھوڑی فوجوں کے ساتھ مکمل ہوئیں لیکن ان تھوڑی تعداد والی فوجوں میں جنگی صلاحیت کی کوئی کمی نہ تھی بلکہ اس زمانے کے معیار سے آگے تھی۔اس کا ہراول دستہ دس ہزار گھڑسوار جنگجوؤں پر مشتمل تھا جو تمان کہلاتا تھا۔اس کی فوج کا 40 فیصد اسلحہ بردار اور جنگی لباس میں محفوظ ہوتا تھا جبکہ 60 فیصد کم محفوظ ہوتا تھا۔منگول فوج روایتی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ خصوصی ہتھیار جیسے آگ لگانے، دھماکہ کرنے اور تیزی سے پھینکنے والے میزائل استعمال کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے طاقت کا توازن (Balance of power) اور کم سے کم دفاع (Deterrance) ان کی حمایت میں ہوتا تھا اور دشمن دباؤ میں آ جاتا تھا۔باہم اطلاع رسانی کے لیے جھنڈوں سے اشارے اور ڈھول کی آواز استعمال کی جاتی تھی۔

منگول لشکر شہری آبادی سے دور رہتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے استعمال کردہ ہتھیار اور جنگی چالیں دشمن کے لیے صیغہ راز میں رہتی تھیں لیکن جب استعمال کی جاتی تھیں تو مخالف کو حیران کردیتی تھیں۔

جنگی چالیں

منگولوں کی جنگی چالیں، ٹیکنیک یا جنگی سائنس کا مقصد فوجوں کی نقل وحرکت کے ذریعے ایک محدود مقصد کو حاصل کرنا یا دشمن کا فوری خاتمہ کرنے کی نیت سے ہوتی تھیں۔ جنگی چال (War tactic) یہاں پر طویل المیعاد حکمت عملی (Strategy) سے مختلف ہوتی تھی جس میں کوئی قوم یا فوج اپنی تمام تر قوت داؤ پر لگا دیتی ہے تا کہ دوررس نتائج حاصل کیے جا سکیں منگولوں کی جنگی چالیں دھوکہ، حیرانگی، غیر معمولی نقل وحرکت اور یکدم وار کرنے جیسے عوامل کے گرد گھومتی تھیں۔ خفیہ ذرائع سے حاصل کردہ معلومات، دشمن کے علاقے کا محل وقوع اور زمینی جغرافیہ، سامان کی نقل و حرکت ان چالوں کو بنیاد فراہم کرتے تھے۔

منگول فاتح نے ان جنگی چالوں کی بنیاد پر جو اچانک حملے کیے ان میں زیادہ قوت استعمال کر کے نسبتاً بڑی فوجوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ یہی ٹیکنیک جرمن فوج نے دوسری جنگ عظیم (1945-1939) میں اپنے بلز کریگ (Blizkrieg) میں استعمال کی جس میں رفتار اور قوت کا استعمال کر کے مطلوبہ نتائج حاصل کیے گئے۔ یہ البتہ ضروری نہیں کہ ایک وقت پر کامیابی سے ہمکنار کرنے والی چالیں دوسرے موقع پر بھی کامیاب ہی رہیں۔ جاپانی نیوی کے کمانڈر مارکوئی ٹوگو ہائی اچیرو (Marguis togo heihachiro) نے روس جاپان جنگ (1904-05) میں شوشیما کے مقام پر روسیوں کو شکست سے دوچار کیا جب جاپان نے یہی جنگی چالیں پرل ہار پر میں استعمال کیں۔ فوری نتیجہ تو امریکی جہازوں کی تباہی کی صورت میں سامنے آیا لیکن امریکہ اس جھٹکے کو برداشت کر گیا اور لیکن نقصان آخرکار جاپان کا ہوا۔ جدید جنگوں میں جدید ٹیکنالوجی کے سبب ان چالوں نے شکل بدل لی ہے لیکن موجود ضرور ہیں۔

چنگیزی ورثہ

چنگیز خان کی بہت سی بیویاں اور داشتائیں تھیں لیکن بورتھی اس کی پہلی اور بڑی بیوی تھی جس نے اس کے لیے چار شہرت یافتہ بیٹوں کو جنم دیا، جوچی، چغتائی، سوبیدائی اور تولی۔ جوچی کے بیٹے باٹو نے روس اور مشرقی یورپ میں ایک طاقتور منگول ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس کے لشکر کو ''زریں فوج'' کا خطاب دیا گیا۔ چغتائی نے وسطی ایشیا میں اپنے نام سے ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ چنگیز نے سوبیدائی کو اپنا جانشین نامزد کیا، اس نے منگولیا اور شمالی چین پر حکومت کی۔ تولی کے بیٹے منگو خان نے 1251ء تا 1259ء کے عرصے میں متحدہ منگول ایمپائر پر حکومت کی۔ کبلائی خان نے یوآن نے چین میں خاندانی حکومت کی بنیاد رکھی اور ہلاکو نے ایران میں حکومت قائم کی۔

چنگیز خان منگولین زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہ جانتا تھا۔ اگرچہ وہ کسی غیر ملکی زبان سے واقف نہ تھا لیکن وہ منگولیا کی سرحدوں کے پار بسنے والی مہذب قوموں کے بارے میں معلوماتی علم سے عاری نہ تھا۔ اپنے کیریئر کے آغاز پر وہ وسطی ایشیا سے تعلق رکھنے والے مسلم سوداگروں کی خدمات سے استفادہ کرتا تھا اور اختتام پر وہ چینی مشیروں کے مشوروں پر بھی عمل کرتا تھا۔

اس کی ایمپائر مقامی قوانین کے خطوط کی بنیاد پر تھی۔ اس قانونی کوڈ کو عظیم یاسا کہا جاتا تھا۔ عظیم یاسا منگول روایتی قوانین پر مشتمل تھا۔ اس

کی فتوحات کا مکینیکل ہتھیار اسکی فوجوں کی شاندار کارکردگی کسی غیر ملکی ماڈل سے مستعار لی ہوئی نظر نہیں آتی۔ ایشیائی اقوام اور مشرقی یورپ کی قوموں کے خلاف مہم جوئی نے اسکی جنگی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ دراصل تاریخ میں چنگیز خان ملٹری کی ایک غیر معمولی شخصیت کے حوالے سے زندہ ہے۔

اگر وہ سکندرِ اعظم یا نپولین اول کے برابر تھا یا ان دونوں کے برابر نہیں لیکن جتنی فتوحات چنگیز سے منسوب ہیں ان دونوں کرداروں سے نہیں۔ چنگیز کے بیٹے نے ایک ایسی ایمپائر پر حکومت کی جو یوکرائن سے کوریا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پوتوں نے چین، ایران اور روس میں حکومتیں قائم کیں۔ اس کے بعد آنے والوں نے صدیوں تک وسطی ایشیا پر حکومت کی۔

خان کا لقب اختیار کرنے کے بعد فتوحات کی جو مہمات چنگیز سے منسوب ہیں، ان کے پیچھے سیاسی اور مادی مقاصد کارفرما نظر آتے ہیں۔ مالِ غنیمت کی توقع اس زمانے کا بنیادی نقطہ ہوتا تھا، اس کے بعد آزاد رہنے کی خواہش، قبائل کے درمیان اتحاد اور ان کو زیرِ نگیں رکھنا مغل مہمات کا اولین مقصد تھا۔ عوامل کا تجزیہ کرتے وقت معاشی مسائل اور ان کے تدارک جیسے نازک انسانی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لق ودق صحرا میں طاقت کی کشمکش اور شدید موسمی اثرات نے علاقے کے جانوروں کے گلوں کو تباہ، برباد کر دیا تھا اور انھیں اس خلا کو پھر بھرنا ہوتا تھا۔ تنگر ایمپائر پر منگول حملے کا ابتدائی مقصد یہی تھا کیونکہ منگول اس ملک سے فوراً نکل گئے تھے جیسے ہی انھوں نے جانوروں کے ایک بڑے گلے کو حاصل کر لیا تھا اور انھیں زبردستی ہانک کے لے گئے تھے۔ ملک چین پر داغی گئی مہم بھی لوٹ مار کا مظہر تھی۔ دارالحکومت زونگڈو (Zhongdu) کے محاصرے کے دوران چنگیز خان نے دشمن کو تباہ کرنے سے اجتناب کیا، وہ گھر واپس چلا گیا۔ اس نے چن کی طرف سے ملنے والے تحائف اور لڑائی کے دوران حاصل ہونے والے مالِ غنیمت پر ہی اکتفا کیا۔

منگولوں کا جنگ کرنے کا طریقہ صحرائی روایات کا امین تھا۔ جن لوگوں نے ان کی مزاحمت کی، قتل کر دیے گئے باقی جو بچے قیدی بنا لیے گئے۔ مرد قیدیوں کے لیے منگول فوجوں میں خدمات سرانجام دینا لازمی تھا، شہر تباہ، برباد کر کے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ جنگ کے ایسے مقاصد جو آبادیوں کو تہہ تیغ کرنے پر منتج تھے۔ ختان اور چینی امراء حتیٰ کہ ان مسلم سوداگروں اور تاجروں کے خیالات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے جو چنگیز کی ذاتی ملازمت میں رہے تھے۔ چنگیز ان کی آرا سے بے بہرہ نہ تھا۔ وہ خود کے فیصلوں پر تکیہ کرتا تھا۔ چنانچہ 1215ء میں زونگڈو کی فتح کے بعد، اس نے چینی بادشاہ چن کو زرد دریا کی شمالی زمینوں کی حوالگی کا مطالبہ کر دیا۔ کئی چھوٹے بڑے شہروں میں فوجی دستے تعینات کر دیے گئے اور ان علاقوں میں گورنر (داروگاچی) مقرر کیے گئے۔ سلطنت کا زمینی پھیلاؤ چنگیز کا مقصد نظر نہیں آتا کیونکہ نہ اس نے چن بادشاہ بننے کی خواہش کی اور نہ ایران کا سلطان، وہ اپنے وطن میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا نہ کہ غیر ملکی زمینوں کو فتح کرنے میں۔ جب وہ چین میں مکالی سپریم کمانڈ پر یورش میں مصروف تھا۔ وہ مرکٹس (Merkits) کے خلاف پرانا بدلہ چکانے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے جنگلوں میں بسنے والے قبائل کو زیر کیا اور نائمن (Naiman) بادشاہ کے بیٹے کچلوک (Kuchlug) کا تعاقب کیا۔ جب اس نے تنگت (Tangut) کی بغاوت کا سنا تو مغربی مہم کو چھوڑ کر چلا گیا۔

چنگیز کی فتوحات کی مہم کے پس منظر میں پہلے سے طے شدہ کوئی منصوبہ نظر نہیں آتا۔ ختیان باغیوں نے اس کو چن کے خلاف جنگ کرنے پر اکسایا۔ جیبی اور سوبودائی کو کپچک (Kipchak) کے خلاف مہم کے لیے روانہ کیا گیا کیونکہ ان قبائل نے چنگیز کے داماد کو ہلاک کیا تھا اور منگولوں کے خلاف جدوجہد میں خوارزم شاہ کی مدد کی تھی۔ یہ مہم ان کی سرزنش کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ ایک فاتح کی خیالی عظمت کی تکمیل کامیابی سے ہوتی ہے۔ پے درپے کامیابیوں نے چنگیز کو یہ خیال دیا تھا اور رفتہ رفتہ اپنے عقیدے میں پختہ ہوتا چلا گیا کہ اسے آسمانوں کے بادشاہ نے اس کام کے لیے منتخب کیا ہے چنانچہ اس نے اس عقیدے کے زیراثر تمام دنیا پر حکومت کرنے کا دعویٰ داغ دیا۔ اس کے سادہ اور غریبانہ طرزِ زندگی اور اوائل جوانی میں پیش آنے والے تلخ واقعات کے تناظر میں، اس کا دنیا میں ایک طاقتور ترین انسان بن کر ابھرنا ایک معجزہ ہی نظر آتا ہے، اس کی اس سوچ پر کوئی زیادہ حیرانی نہیں ہوتی کہ وہ مافوق الفطرت طاقتوں کا بھیجا ہوا تھا۔

مورخ کو چنگیزی تاریخ رقم کرتے وقت ایک مشکل سوال کا ہمیشہ سے سامنا کرنا پڑتا رہا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ جانور پالنے والی ایک غریب، چھوٹی اور پسماندہ قوم نے دنیا کی مہذب، متمدن ریاستوں پر کس طرح فتح حاصل کی اور وسیع، عریض کرۂ ارض پر پھیلی انسانیت کو تہس نہس کر دیا۔ اس سوال کا جواب فوجی تناظر میں تلاش کیا گیا ہے۔ توجہ چنگیز کی بطورِ کمانڈر صلاحیت پر مرکوز کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ منگول فوج کی حکمت عملی اور جنگی چالوں اور منگول رسالے کی برتری بھی مدنظر رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ دلائل مطمئن کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں کیونکہ صحرا میں لڑی جانے والی جنگوں میں چنگیز کو اتنی ہی شکستیں ہوئیں جتنی فتوحات بعد میں اسکے حصے میں آئیں۔ دفاعی پوزیشنوں سے دشمن فوج کو چکمہ دینے کی چال یعنی پسپائی کا بہانہ کر کے پیچھے ہٹنا اور یکدم مڑ کر ان پر یلغار کرنا، دشمن فوج کو گھڑ سوار رسالوں کی مدد سے گھیرے میں لینا کوئی نئی سوچ یا ترکیب (Innovation) نہ تھی۔ خانہ بدوش قبائل کی افواج ماضی قدیم سے ایسی جنگی چالیں اختیار کرتی چلی آ رہی تھیں۔ چینی بادشاہ Jurchid فوج کا نظم و ضبط منگول فوج سے کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ ان کے علاوہ ترک اور ایرانی شہہ سواروں کا نظم وضبط اور جنگی چالیں کسی طرح بھی منگول سے کم تر نہ تھیں۔ منگول تنگت کے خلاف پہلی مہم کے دوران کوئی قابل ذکر فتوحات حاصل نہ کر سکے تھے چین کے خلاف جنگ دس سال کے عرصے تک محیط رہی۔ باوجود اس کے Jurchid کو دو محاذوں پر لڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ایران میں فتوحات رسالے کے ذریعے ممکن نہیں ہوئیں تھیں۔ مغلوں کی برتری لازماً کئی دوسرے عوامل کا نتیجہ ہوگی۔

منگول فوج کئی اصولوں کی بناء پر دشمن فوجوں کے برعکس منظم تھی۔ مثال کے طور پر سپہ سالاری کا مرتبہ صلاحیت اور نتائج کی بنیاد پر دیا جاتا تھا نہ کہ پیدائش یا قبائلی درجہ بندی کی بناء پر۔ چنگیزی سرداروں میں سے ایک کا کہنا تھا۔ ”جو جنگ میں دس آدمیوں کی فارمیشن کی کمانڈ کر سکتا ہے، وہ ایک ہزار یا دس ہزار کی جنگی فارمیشن کی کمانڈ کر سکتا ہے اور وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اسے کمانڈر کا منصب دیا جائے۔ فوج کے جو افسران اس معیار پر پورا نہیں اترتے تھے، ان کے دستوں کی کمانڈ ان کے قابل ماتحتوں کو سونپ دی گئی۔ اس معیار کی بناء پر فوج کا ہر سپاہی جان توڑ کر لڑتا تھا تا کہ بہادری کے اس مقابلے میں وہ جیت کر اعلیٰ منصب حاصل کر سکے۔ ہر سپاہی اپنے تھیلے میں لکڑی کی ایک چھڑی رکھتا تھا۔ فوجی کمانڈر اپنی ترقی کو چنگیز خان کے حکم سے مشروط کرتے تھے اور چنگیز ان کی غیر مشروط وفاداری اور فوجی صلاحیت پر بھروسہ رکھتا تھا۔

سلیکشن کے اس طریقے نے منگول فوج کو شاندار اور اعلیٰ منصب دار اور سالار فراہم کیے۔ ایک ایسا جنگی ماحول جس میں رقابت اور قبائلی جنون عروج پر تھا اور آزادی کی خواہش ہر سردار کے دل میں موجیں مارتی تھی، موکالی، جیبی اور سوبیدائی جیسے عمدہ صلاحیت کے جرنیل تلاش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، ان کے پائے کے پروفیشنل اور جنگی جوش وجنون میں سرشار جرنیل مخالف فوجوں میں دستیاب نہ تھے۔ چن بادشاہ اور سلطان محمد خوارزم شاہ دونوں میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ دونوں کا خیال تھا کہ ان کے کمانڈر سازش اور بغاوت میں ملوث ہو سکتے ہیں چنانچہ تمام تر فوجی منصوبہ بندی وہ خود کرتے تھے، اس میں زیادہ تر دلچسپی ان کے خاندانی اقتدار کی ضروریات کی ہوتی تھی پھر سلطنت کی دورس ضروریات کی باری آتی تھی۔ جرنیل کتنا بھی قابل اور پروفیشنل کیوں نہ ہو، اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں کر سکتا جب تک ماتحت دستے اس کی مکمل حمایت نہ کریں جنھوں نے جنگ لڑنا ہوتی ہے۔ منگول سپاہی ذہنی اور جسمانی مکمل تیاری کے ساتھ میدانِ جنگ میں اترتے تھے۔ وہ صعوبتیں، مشکلات اور سختیاں صبر کے ساتھ برداشت کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ چنگیز خان نے کبھی اپنے آدمیوں سے ان کی جسمانی صلاحیت سے زیادہ محنت، مشقت طلب نہ کی۔ چنگیز نے ایک مرتبہ اپنی کونسل کے اجلاس میں کہا کہ وہ بہادر اور جنگجو نہیں جو سفر کی مشکلات اور مصائب برداشت نہ کر سکے اور بھوک اور پیاس کی پرواہ کرے۔ دوسرے لفظوں میں چنگیز کے ذہن میں کمانڈر کا نقشہ ایک غیر معمولی انسان کا سا تھا جو دوسرے لشکریوں سے جدا ہو باقی سپاہ جو اس کے ہم رکاب ہوتی، اس کی نظر میں برابر ہوتی۔ افسروں کے ہاتھوں لشکریوں کے ساتھ برا سلوک برداشت نہ کیا جاتا۔ چنگیزی فرمان تھا کہ کوئی یونٹ کمانڈر میرے ذاتی محافظوں کو میری اجازت کے بغیر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تمھارے برابر ہیں۔

اگر کوئی کمانڈر ذاتی محافظوں کو ٹھڈے مکے یا لاتیں مارتا تو جواب میں اس کو بھی ویسے ہی مارے جانے کا حکم تھا۔ جوینی (Juvaini) مساوات اور برابری کے اصول کا ذکر کرتا ہے جو منگول فوج پر غالب تھا۔ یہ ایرانی مورخ منگولوں کے بارے میں اپنی رائے ڈھکے چھپے بغیر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ تمام بلا لحاظ درجہ، منصب اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ العمری رقم کرتا ہے کہ خوراک کے معاملے میں سپاہ کو وہی کچھ دیا جاتا تھا جو افسروں کو ملتا تھا۔ کوئی سردار اپنے سپاہیوں سے پہلے اپنی بھوک مٹانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا اس کے برعکس تمام خوراک مساوی تقسیم کی جاتی تھی۔ چنگیز اپنے سپاہیوں کا اس طرح خیال کرتا تھا جیسے وہ اس کے بھائی ہوں۔ چنگیز خان کے ناقابل تسخیر ہونے اور منگولوں کی برتری کے نظریے کو ہوا دے کر خانہ بدوش قبائل کے لڑنے کی صلاحیت کو مضبوط کیا گیا تھا۔ منگول خانہ بدوش خود کو شہروں کے رہنے والوں اور کسانوں سے برتر تصور کرتے تھے۔ یاسا کا تصور اس خوش قسمت شخص کا سا تھا جو میدانِ جنگ میں فتح کی ضمانت دیتا تھا۔ مارکو پولو بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ منگول چنگیز خان کے لیے حد درجے کی عقیدت رکھتے تھے۔

ایشیا کی مضبوط اقوام کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ بہت مختلف ہوتا اگر تمام فیصلے میدانِ جنگ ہی میں ہوتے۔ ایک شاندار فوجی فتح کے لیے چنگیز خان نے بہترین سفارتی اور سیاسی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور دشمن کی اندرونی کمزوریوں کا بھرپور استعمال کیا۔ چنگیز نے اپنا اُلو سیدھا رکھنے کے لیے دشمن کی صفوں میں سماجی، مذہبی اور قومی اختلافات کو ہوا دی تا کہ حریف قومیں اپنے فروعی اختلافات میں الجھ کر اپنے مقاصد سے ہٹ جائیں اور چنگیز انھیں بے خبری میں جا لے۔

چن کے خلاف جنگ میں چنگیز خان کے اتحادی کی حیثیت سے سامنے آیا، جہاں وہ ان کی قومی غیرت اور جرچڑ کے خلاف ان کی مشترکہ نفرت کا پاسبان نظر آ رہا تھا، اس نے الاچوزائی سے مخاطب ہو کر کہا کہ لیاؤ (Liao) اور چن (Chin) وراثتی لحاظ سے دشمن ہیں اور میں نے تمہاری خاطر انتقام کا فیصلہ کیا ہے۔ منگولوں کی طرف سے فوری ترجیح اور مہمان نوازی کے نتیجے میں بہت سے چینی جو چینی بادشاہ کے نظریاتی مخالف تھے، منگول سروس میں آ گئے تھے۔ جرچڑ کمانڈرز میں خود مختاری کی سلگتی چنگاری کو چنگیز نے اپنی دورس پالیسیوں سے شعلہ بنا دیا تھا۔

خوارزمیوں کے خلاف مہم کے دوران، منگول پالیسی ہی یہی تھی کہ مسلم متفرق آبادی میں مذہبی اور نسلی اختلافات کو اس حد تک بڑھا دیا جائے کہ وہ ایک سیاسی اکائی میں ڈھل نہ سکیں۔

مسلمان تاجروں اور سوداگروں نے چنگیز کے لیے ہراول دستے کا کام کیا، چنگیز نے ان کی فراہم کردہ اطلاعات سے کافی استفادہ کیا۔ ان کا مشترکہ فائدہ یہ تھا کہ منگول حملے کی صورت میں تجارتی راستے کھلے رہیں اور تجارت بلا روک ٹوک جاری رہے۔ اس بات سے یہ چنگیز پالیسی واضح نظر آتی ہے کہ بین الاقوامی تجارت اور تجارتی راستوں کی سیکورٹی کی ضمانت کی صورت میں بڑا منافع ملے گا جو منگولوں اور مسلم تاجروں دونوں کے فائدہ میں ہوگا۔ چنگیز کی یہ معاشی پالیسی (Economic policy) کامیاب رہی۔ مسلم تاجروں اور مخالفین خوارزم نے آبادی کو ہر جگہ اکسانے کی بھرپور کوشش کی کہ حملہ آور منگولوں کے سامنے کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔ چنگیز کی اس پالیسی کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک مسلم چنگیز کا ایلچی بن کر گیا۔ اس مسلمان کا نام دانش مند حاجب تھا۔ اس ایلچی نے شہر زرنوک کی فصیلوں کے پاس آ کر اعلان کیا کہ "میں دانش مند حاجب مسلم والدین کا مسلم بیٹا ہوں، میں آپ کی طرف چنگیز خان کا ایلچی بن کر آیا ہوں تاکہ میں آپ کو خوفناک قتل عام سے بچا سکوں۔ چنگیز یہاں ایک بڑی فوج کے ساتھ آ رہا ہے اور اگر آپ نے اس کے راستے میں مزاحمت کی تو وہ آپ کے ہنستے بستے شہر کو کھنڈر اور قلعے کو صحرا میں تبدیل کر دے گا اور دریائے جیحون (Jaihun) کا پانی خون کی سرخی میں بدل جائے گا۔ اگر آپ میری نصیحت مانیں اور اس کی اطاعت قبول کر لیں تو آپ کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ، مامون رہے گا۔ اسی طرح بدرالدین الحمید نے چنگیز کو اطلاع دی کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور اس کی ماں کے درمیان اَن بن ہے اور چنگیز اس صورت حال کا جعلی خطوط کے ذریعے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس واقعے کی تفصیل سلطان جلال الدین کے باب میں تفصیلاً درج ہے۔

نفسیاتی جنگ اور اس کے حربے بھی کوئی نئی ایجاد نہیں۔ چنگیز نے ایسے حربوں کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا۔ ابھی وہ صحرائی جدوجہد کے مرحلے میں تھا کہ اس نے اپنے اس دعویٰ کو خوب پھیلا دیا کہ وہ آسمانوں کے بادشاہ کی طرف سے تمام دنیا پر "خاقان" بنا کر بھیجا گیا ہے۔ منگول تجارتی قافلوں نے اس خبر کو جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دیا اور جہاں جہاں یہ خبر پہنچی مقامی آبادی میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اکثریت نے ڈر کر حوصلہ ہار دیا اور انھیں جان و مال کے لالے پڑ گئے۔ یعنی خبر نے اپنا کام کر دکھایا اور حوصلہ توڑنے کی مہم شروع ہو گئی۔ شہزادہ جلال الدین کے خلاف بھی اس نے جعلی خطوط کے ذریعے خوف و دہشت کا ماحول تیار کیا ان جعلی خطوط کے ذریعے جلال الدین کے دل میں اپنے ترک دستوں کے بارے میں بے اعتمادی پیدا ہوئی۔

مزاحمت نہ کرنے کی صورت میں مذہبی آزادی دینے کا اعلان کیا گیا اور ان کے جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا گیا اور جاں بخشی کا وعدہ

کیا گیا جبکہ مزاحمت کرنے کی صورت میں تباہی و بربادی کی دھمکی دی گئی۔ چند خونی مثالیں اس طرح سے ڈیزائن کی گئیں تا کہ خوف و دہشت پھیل جائے اور لوگوں کی مزاحمتی تحریک دم توڑ جائے اور اگر مزاحمت ہو بھی تو اس شدت کی نہ ہو کہ منگولوں کے لیے حقیقی خطرے کا باعث ہو۔

چنگیز خان کی پالیسیاں رنگ لائیں اور منگول فوج کی طاقت اس کی مہمات کے دوران بڑھتی چلی گئیں۔ چین میں بہت سے ختان دستوں اور چینی یونٹس نے منگول فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور منگول فتح میں بھرپور کردار ادا کیا۔ کئی مورخین اس بات کو اس طرح سے بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ قیدیوں اور حلیف دستوں کو اپنے دفاع کے لیے بطورِ ہراول دستہ استعمال کرتے تھے یعنی انسانی ڈھالیں (Human shields) محاصرے کے متعلق امور کے ماہر چینی ہنرمندوں نے مسلمان انجینئروں کے ساتھ مل کر خوارزمی شہروں کے محاصرے کے دوران کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

منگول فتوحات کو کسی معجزے کے طور پر نہیں دیکھا جانا چاہیے۔ امیر اور مہذب ریاستیں غریب گلہ بانوں کے بجلی جیسے متحرک پن کا شکار ہو گئیں، یہ غریب مفلسی اور بدحالی کے عادی ہو چکے تھے بلکہ مفلسی کی چکی میں پس رہے تھے۔ چین میں حکمران جرچڈ نے غیر ملکی چینی ثقافت کو اپنایا تھا جبکہ عوام وہی روایتی طرزِ زندگی اور فوجی صلاحیتوں والا طرزِ زندگی برقرار رکھے ہوئے تھے، یہاں چنگیز کو بھاری مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور جرچڈ کی طاقت کا غرور پاش پاش کرنے میں دس سال کا عرصہ لگ گیا۔ خوارزم سلطنت جس نے منگول قتل عام کا سامنا کیا تھا، چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی۔

مقید خاک

ساحر جمیل سید کا ایک اور شاہکار ناول...... مقیدِ خاک...... سرزمین فراعنہ کی آغوش سے جنم لینے والی ایک تحیّر خیز داستان۔

ڈاکٹر شکیل ظفر:- ایک ہارٹ اسپیشلسٹ، جو مردہ صدیوں کی دھڑکنیں ٹٹولنے نکلا تھا...... یوساف بے:- وہ ساڑھے چار ہزار سال سے مضطرب شیطانی روحوں کے عذاب کا شکار ہوا تھا...... بیوسا:- ایک حرماں نصیب ماں، جسکی بیٹی کو زندہ ہی حنوط کر دیا گیا...... مریاقس:- اسکی روح صدیوں سے اس کے جسدِ خاکی میں مُقیّد تھی...... شیلندر رائے ہریجہ:- ایک پرائیویٹ ڈیٹکٹر، اسے صدیوں پرانی ممی کی تلاش تھی...... مہرجی:- پرکالۂ آفت، انسانی قالب میں ڈھلی ایک آسمانی بجلی...... ایکشن، سسپنس اور تھرل کا ایک نہ رکنے والا طوفان......

یہ ناول کتاب گھر پر جلد آ رہا ہے، جسے ایکشن ایڈونچر مہم جوئی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

کیا چنگیز خان آج بھی زندہ ہے؟

چنگیزازم کا بنیادی فلسفہ زمین پر حاکمیت کا قیام (Territorial hagemony) چنگیز کی دنیا پر چڑھائی میں طاقت کا عنصر (Power factor) غالب نظر آتا ہے۔ طاقت جو دوسروں سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے نفسیاتی اثر ڈالنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ریاستوں کے مابین بین الاقوامی سیاست میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ سربراہوں کے دوطرز مذاکرات ہوں یا سیاست دانوں کے درمیان ڈپلومیسی، براہِ راست یا بلواسطہ تبدیلی کے لیے طاقت کا عنصر اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک کمزور ملک کے پاس ایسی خصوصیات نہیں ہوتیں۔ موجودہ War on terror بھی ناتواں اقوام پر ایک نظریے کی دھونس ہے۔

مفکرین متفق ہیں کہ انسانی شخصیت پر نظریے کا اثر ناقابل تردید حقیقت ہے۔ بلاشبہ کسی انسان کی شخصیت میں اس کے حیاتیاتی اور موروثی تعلق، اس کے شخصی ماحول اور عادات، ثقافت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اس کے باوجود نظریے کے اثرات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ قوموں کے مابین اختلافات نظریاتی بنیادوں سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ مورگینتو (1967ء) (Morgenthau) یہاں تک کہتا ہے کہ قوموں کی طاقت ان کے قومی کردار سے جھلکتی ہے اور قومی کردار کی پشت پر حیاتیاتی ڈھانچے کا وجود اسے مضبوطی فراہم کر رہا ہوتا ہے۔ کسی قوم کے ایک فرد واحد کا نفسیاتی طرزِ عمل دوسری اقوام کے افراد سے مختلف ہوتا ہے۔ قومی کردار ایک مستقل حقیقت ہے جبکہ شخصی کردار کا انحصار قومی مقاصد اور پالیسیوں سے ہوتا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ شخص کردار کی ترقی میں ثقافت کا اثر ایک حقیقت ہے۔

قومی کردار اور نظریاتی اساس باہم متصل ہیں جب دونوں کا ملاپ ہوتا ہے تو یہ دماغ کی ایک کیفیت میں بدل جاتا ہے جسے محبِّ وطنی یا وطن سے محبت کا نام دیا جاتا ہے یعنی قوم کی کثیر تعداد قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتی ہے۔

چنگیز خان جیسا عظیم جرنیل اور رہنما بھی اسی عمل سے گزرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی شخصیت کے پیچھے منگول نظریہ، موروثی روایات کی پاسداری، ماحولیاتی اثرات اور حیاتیاتی پہلو اجاگر نظر آتا ہے۔ وہ ایک نیم وحشی اور بکھری قوم سے تعلق رکھتا تھا جس کی کوئی منزل نہ تھی۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک خان ہوتا تھا جسے نویان (Noyans) کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کے مشیر کے فرائض ادا کرنے والے سرداران ''بہادر'' (Bahadur) کہلاتے تھے۔ کئی قبیلوں نے اپنی کمزوری کی خاطر خود کو کسی بڑے قبیلے سے وابستہ کر رکھا ہوتا تھا اس طرح ہلکی پھلکی فیڈریشن کی ایک شکل موجود تھی۔ ان کا اولین مسئلہ نئی سے نئی چراہ گاہوں کی تلاش ہوتا تھا جس کی تلاش میں وہ گندے مارے پھرتے رہتے تھے۔ نہ انھیں کھانے کا ہوش ہوتا تھا اور نہ سوچ۔

جو جنگی چالیں اور حکمت عملی چنگیز نے عمومی طور پر اختیار، استعمال کیں، ان کے پس پردہ سیاسی برتری، معاشی مفادات کارفرما تھے۔ سرسبز میدانوں کی تلاش تاکہ ان کے جانوروں کے گلوں کو چارہ میسر آ سکے، اس وجہ سے کہیں وہ تاوان لے کر، کہیں شہر اجاڑ کر، کہیں مقصد حاصل کرنے کے

لیے دہشت پھیلا کر ان سب کے پیچھے ''طاقت'' کا عنصر شامل تھا۔قوموں کے درمیان تعلقات میں طاقت کے عنصر کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ پس پردہ اور پیش پردہ ہر شکل میں موجود ہوتا ہے۔

سیاسی پہلو

انسانی تاریخ Might is right سے بھری پڑی ہے۔ چنگیز کے بھیجے تجارتی قافلے کو موت کی نیند سلا کر ایک سوئے شیر کو بیدار کر دیا گیا۔چنگیز نے یاسا (منگول آئین) کی پاسداری کا علم بلند کر کے انتقام لینے کا نعرہ بلند کیا۔اس کے بعد تاریخ نے دیکھا کہ چنگیز کو مطلوب افراد کے لیے زمین تنگ ہوگئی۔ چنگیز خان کی پیش قدمی ریاستی دہشت گردی کی ایک بدترین مثال ہے۔آج بھی دنیا میں وہی اصول کارفرما نظر آتا ہے 11 ستمبر کے واقعے کے مضمرات کی تاب نہ لاتے ہوئے لیبیا نے اپنے War Nukes امریکہ کے حوالے کر دیے اور جان کی امان پائی۔ جو کام چنگیز کا ہراول دستہ کرتا تھا یعنی بے رحمانہ قتل عام تا کہ چنگیزی فوج کی دہشت عوام الناس کے دلوں میں گھر کر جائے وہی کام آج حکومتوں کی زیر سرپرستی خفیہ ایجنسیاں کرتی ہیں۔موساد RAW, CIA, KGB کے مظالم تاریخ کے اوراق پر چھپائے نہیں چھپتے۔ یہودیوں کا قتل عام (Holocaust)، فلسطینیوں کے انسانی حقوق کی پامالی، کشمیریوں کے حق خودارادیت کی نفی جیسے عظیم انسانی سانحوں کے پیچھے مرگِ مفاجات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اگر طاقت اور اس کا بروقت اطلاق ہوتا تو یہ مسئلے نہ ہوتے۔

چنگیزی طاقت دہشت گردی کے نزدیک ترین نظر آتی ہے۔ جب اس کے مطالبات بلاچون، چراں مان لیے جاتے تو وہ مالی اور جنسی مفادات کی تسکین کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھتا تھا۔ بصورت دیگر ہنستے بستے شہر کو کھنڈر بنانا بھی اس کے سیاسی مفادات کی اولین ترجیح ہوتا تھا۔آج یہی کردار ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے سرپرستوں کی آشیرواد پر اس ملک کے اقتصادی نظام کو نشانہ بناتی ہیں، طاقت،قوت اور اسلحہ جب دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے اور خود کا لوہا منوانے کے لیے استعمال کیا جائے، یہ دہشت گردی ہوگی۔

اس دور کی ایک عام روایت تھی کہ بڑی مچھلی چھوٹی کو کھانا اپنا حق سمجھتی تھی اسی طرح کمزور اور چھوٹے ممالک کی آزادی سلب کر کے انھیں اپنی کالونی بنانا اور اپنے مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ یہ کام طاقت کے علاوہ کسی اور طریقے سے ممکن نہ تھا۔اسے عرفِ عام میں (Colonialism) کہتے ہیں۔

بدلتے وقتوں کے ساتھ اس نظریے نے اپنی شکل بدل لی اب کمزور ملکوں کو فتح کرنے کی بجائے، ان کے قیمتی وسائل پر قبضہ کرنے اور اپنے خفیہ مفادات کے حصول کے لیے اپنے من پسند کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسند اقتدار سونپی جاتی ہے۔ چنگیز خان اور اس کے جرنیل بھی مفتوحہ علاقوں میں ایک کٹھ پتلی حکمران اس قوم سے لیتے تھے اور اس کے سر پر ایک منگول کو توال یا کسی بھی شکل میں بٹھا دیتے تھے۔اس طرح زمانہ قدیم سے چلنے والے سلسلے آج بھی جاری وساری ہیں۔

چنگیز خان کو نپولین اور سکندرِ اعظم کے برعکس خون آشام اور وحشی قرار دیا جاتا ہے اس کی بنیادی وجہ منگولوں اور حریف اقوام کے درمیان نظریاتی اختلافات تھے۔منگولوں کے وحشی پن کے سبب ان سے حد درجہ نفرت کی جاتی تھی اور چنگیز کو اس امر کا بخوبی اندازہ تھا۔ یہی نفرت ہی ان

کے درمیان جنگ میں طرفین کی طرف سے لڑتی اور اسی کی بدولت جنگ جیتنے پر چنگیز خان مخالف اقوام کو تہہ تیغ کرنے کا حکم دیتا اور چرند پرند کو بھی نہ چھوڑتا۔ شاید اس کے ذہن میں یہ عنصر رہا ہو کہ اگر اس قوم کا ایک فرد بھی زندہ بچ گیا تو نفرت کے اس بیج سے ایک نئی فصل تیار ہو جائے گی۔ مزید براں اس قتل عام کے نتیجے میں جو دہشت پھیلتی، اس کا اثر آنے والے وقت میں منگولوں کے لیے بہتر ثابت ہوتا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہوا ہے کہ طاقت کے بعد دوسرا عنصر نظریہ (Ideology) ہے کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ایک مخصوص نظریہ ہوتا ہے جس کو ڈپلومیسی کی زبان دی گئی ہوتی ہے دنیا میں مختلف تاریخی ادوار میں رائج نظریات جیسی امپریلزم اور کالونیزم کی پشت پر مخصوص نظریات کی چھاپ تھی۔ ان کا در پردہ مقصد قوموں کو غلام بنانا تھا۔

چنگیز خان نے یہی کام ایک دوسرے ڈھنگ سے کیا اس نے تمام مقبوضات کے بارے میں ایک فرمان جاری کر رکھا تھا کہ اہل صناع اور ہنرمند افراد کی جان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ دیکھا جائے تو چنگیز کے مخصوص جغرافیائی حالات، زندہ رہنے کے لیے دوسرے کو پچھاڑنے کی قوت اور مخصوص قبائلی سوچ نے چنگیز کو ''انتہا پسند اور خونخوار'' بنا دیا تھا۔

ایک منگول کی اوسط زندگی اس کے گھوڑے کی رفتار اور اس کے گھوڑا دوڑانے کی صلاحیت اور تیر اندازی پر منحصر تھی۔ وہ گلے پالتے تھے جن کے لیے بہتر اور نسلی جانوروں کے حصول کے لیے بعض اوقات کئی مہمیں سر کرتے تھے۔ منگول خانگی زندگی کی اگر بات کریں تو ان کے ہاں کئی بیویوں کے نظریے کی پیروی کی جاتی تھی کیونکہ منگول کو اپنے قبیلے سے عورت نہیں ملتی تھی چنانچہ اسے عورت کے لیے دوسرے قبیلے کی طرف دیکھنا پڑتا تھا جس سے خون خرابے کی نوبت بارہا آ جاتی تھی۔ عورتوں کے حصول کیلئے کی جانے والی اس کشمکش سے جو انارکی جنم لیتی ہوگی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تموجن کو چنگیز خان بنانے والی اس کی اپنی بہادری، حوصلے اور ولولے کے علاوہ اس کے شاندار جرنیلوں کی زبردست جنگی چالوں کا نتیجہ تھا۔ چنگیز کو تاریخ میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ سکندرِ اعظم کے جرنیلوں کی طرح اس کے جرنیلوں میں کسی قسم کی پھوٹ نہ پڑی اور وہ چنگیز کی لازوال قیادت میں اپنی مکمل صلاحیتوں کا اظہار کرتے تھے۔ چنگیز اگر ایک فیصلہ کر لیتا تو اس پر دل و جان سے عمل درآمد کرتا اور کرواتا۔ وہ اپنے جرنیلوں اور سپاہ کی نفسیات کو سمجھتا تھا اور اسی کی روشنی میں ان کی تسکین قلب کا ہر چند خیال رکھتا۔ وہ ایک مکمل جنگی ادارہ (War Institution) تھا جس میں سے تربیت پا کر ہر جرنیل اپنی ذات میں چنگیز خان بن چکا تھا لیکن وہ بھی صرف دشمنوں کے لیے۔ چنگیز کے سامنے کسی کی دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔

چنگیزی فوج کا مورال ہی اس عہد کا طاقت کا توازن بگاڑنے کے لیے کافی تھا۔ اسی بلند مورال کے سبب وہ بھوک، پیاس سے بے نیاز طویل سے طویل پیش قدمی کرنے کی پوزیشن میں تھی۔ اسی برتری نے مخالف اسلامی اور عیسائی قوتوں کو بے بس کر دیا تھا۔ چنگیز فوج کا نظم و ضبط مثالی بیان کیا جاتا تھا۔ بقول کارپینی چنگیزی فوج کی لوٹ مار اور قتل و غارت بھی کسی ضبط کے تحت ہوتی تھی۔ جتنا حکم دیا جاتا تھا اتنی ہی تعمیل ہوتی تھی۔ خلاف ورزی کی صورت میں کسی درجے کا لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔

منگول افواج کا جاسوسی کا نظام اس قدر مستعد تھا کہ انھیں دشمن افواج کے پل پل کی خبر ہوتی تھی۔ اسی نظام کی چابکدستی نے انھیں کثیر تعداد کی دشمن افواج پر برتری دلوائی تھی۔ چنگیز خان نے منگولوں میں ایک خاص نظریے (Ism) کی بنیاد رکھی۔

چنگیز نے ریاست کی تشکیل کے فلسفے (Philosophy of State Craft) کو ایک نئی جہت دی۔ اس نے کبھی رواں حالات

(Status Quo) کو ہی ترجیح نہ دی بلکہ پہلے ملکی اور پھر بین الاقوامی حالات کے تسلسل پر گہری نظر رکھی اور پھر فیصلے کیے۔

اس نے اقتدار کو طاقت کے حصول کا ذریعہ بنایا اور پھر اس طاقت کو ملکی سرحدوں سے باہر ایکسپورٹ کیا اور اقتدار کو دوام بخشا۔

جب منگولوں نے اوترار سے سرحد عبور کی تو دنیا ان کے لیے اجنبی تھی وہ دنیا کے لیے اجنبی تھے۔ ان کا واسطہ دنیا کی جانی مانی قوموں کی مضبوط فوجوں سے ہوتا تھا جن کی طاقت کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا۔ لیکن منگولوں کی جارحانہ اور بے خوف پالیسیوں (Aggressive policies) نے انھیں برتری دلائی۔ جب منگول طے کر لیتے کہ دشمن کو نہیں چھوڑنا تو پھر وہ کبھی پیچھے نہ ہٹتے۔ یہ ان کے ہائی مورال کی علامت تھی۔ ایسا ہی ہائی مورال ویت نام کی جنگ میں بھی دیکھنے میں آیا جب کمزور ویت نامیوں کے بلند مورال نے ان سے کئی گنا طاقت ور دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔

مغل ایک رات میں کم و بیش 80 کلومیٹر کا سفر طے کرتے تھے۔ یہ سفر آج کے زمانے کی پختہ اور ہموار سڑک پر نہیں ہوتا تھا بلکہ پتھریلے راستوں، تنگ گھاٹیوں اور پہاڑی دروں کے ذریعے ہوتا تھا۔ سورج ڈھلنے پر منگول گھوڑے سے کھانا کھانے اترتے تھے۔

چنگیز جس نے ایک دور افتادہ پسماندہ علاقے سے اٹھ کر اپنے زمانے کی متمدن تہذیبوں کو للکارا اس للکار کے پیچھے صرف وحشی پن اور خون خواری نہ تھی بلکہ ایسا اعلیٰ درجے کے نظم وضبط کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔ تاریخ کے اس دور میں جب لوٹ مار اور جنگل کا راج تھا، منگول فوج کے کسی ادنی یا اعلیٰ کی مجال نہ تھی کہ وہ فوجی نظم وضبط کی خلاف ورزی کر جاتا۔

جنگ کا مقصد عام آبادی میں دہشت پھیلانا ہوتا ہے تا کہ ان کا جذبہ (مورال) ٹھنڈا پڑ جائے اور ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو۔ منگول یہی کام ایک طے شدہ پلان کے تحت کرتے نظر آتے ہیں۔ Clausewitz کہتا ہے جنگ میں دو قوتیں کارفرما ہوتی ہیں۔

1- مورال فورس　　　2- فزیکل فورس

اگر چہ فزیکل فورس زیادہ طاقتور ہوتی ہے لیکن مورال فورس فزیکل فورس کے لیے آکسیجن کا کام کرتی ہے اگر مورال فورس ختم ہو جائے تو فزیکل فورس زندہ نہیں رہ سکتی۔

بخارا اور سمرقند میں مسلمانوں سے چنگیز خان کا خطاب مسلمانوں کے لیے خود احتسابی کا ایک درس دیتا ہے۔ آج کا مسلمان تب کے مسلمان سے زیادہ عبادت گزار کبھی نہ ہوگا لیکن عبادت گزاری دین اسلام کی روح نہیں ہے۔ دین کی روح علم ہے جس کی حرارت سے ایمان، جذبہ گرماں ہو اور اعلیٰ، ارضی کردار کے حامل لوگ تیار ہوں۔ عالم اسلام میں آج علم کی بے وقعتی کی بدولت اصلی اور نسلی شخصیات کا قحط الرجال ہے۔

ہمارے سماجی مسائل اور پسماندگی کے ذمہ دار ہمارے نظریاتی حریف نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ اتحاد، ایمان اور نظم اگر ہم خود کی صفوں میں بچا سکے تو کوئی چنگیز آئندہ سمرقند اور بخارا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ پائے گا۔

دنیا میں جب تک قتل عام ہوتا رہے گا، انسانیت سسکے گی، لہو بہے گا، چنگیز خان تو زندہ رہے گا۔

(ختم شد)

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

مشکل الفاظ اور ان کی ادائیگی

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جزیرہ جس میں محمد شاہ نے پناہ لی	Abeskum
کپچاک	Kipchacks
ارل سمندر	Aral Sea
جکارٹی	Jaxartes
ایگور	Uighur
اوترار	Otrar
کینگلس	Kanglis
ٹرانسواکسانہ	Transoxiana
لوچوتسائی	Teh Lucbutasi
سیتھیان	Scythian
آزوسمندر	Azov Sea
منڈرین	Mandarian
یورٹ	Yurts
سوزدال	Suzdal
تنگتس	Tunguts
زرد دریا	Yellow River
زریں بادشاہ	Golden Enperor
ننگ سیا	Ning Hsia
جوچی	Jochi
چغتائی	Chagatai
سوبیدائی	Subedai
تولی	Tolvi

منگو	Mangku
ہلاکو	Hulegu
اریک بوکے	Arik Boke
اباکا	Abaka
رے	Ray
قزوین	Qazvin
زنجان	Zanjan
ترکمان	Turcman
جیپی نویان	Jepe Noyon
ختا	Catha
ختائی	Cathay
موہلی	Mohuli
ساتر دریا	Jaxartes
امیو دریا	Oxus
کیومانوئی	Ko(u)manoi
پلوٹسی	Polovtsy
مشرقی رومی سلطنت	Byzantium
کیو	Kiev
ٹاٹنگا	Tatatunga
خدا کے وجود کا اقرار لیکن وحی کا انکار کرنے والی تحریک	Deism
کانتے	Kanates
نویان	Noyans

کتابیات

1-	تاریخ خوارزم شاہی	
2-	چنگیز خان	Juvaini Ata Malik
3-	The History of the World Congueror	J.A.Boyle
4-	Genghis Khan, His life and Legacy	Paul Ratchnensky
5-	In Search of Genghis Khan	Timothy Severin
6-	Genghis Khan and the Making of the Modern World	Jack Weather Ford
7-	National Georaphical Research Paper	National Georaphical Mogazine
8-	چنگیز خان تحقیق و ترتیب	ڈاکٹر امجد مجید
9-	Barbarians: Influence of Nomads on Civilization	Gregory G.Guznan (Encarta Historical Essays)
10-	Russian Chronicles	....
11-	Compendium of Histories	Rashid-ud-din
12-	The Compaigns of Chingis Khan	
13-	The Secret History of Mongols.	Awaley
14-	Genghis Khan	Time Magazine
15-	چنگیز خان	ہیرالڈ لیم
16-	چنگیز خان	اثر چغتائی
17-	Websites / Encarta	Internet
18-	Chengiz Khan	Harold Lamb